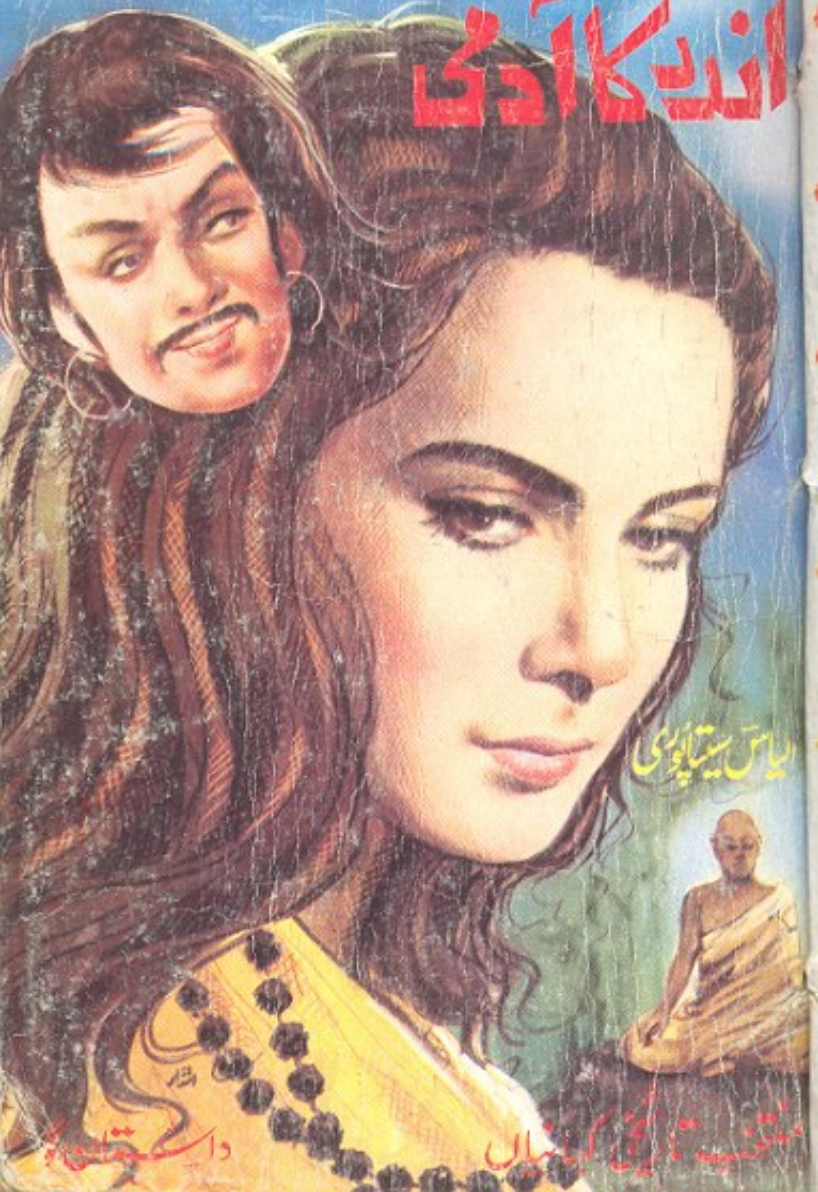


اندک کا آدمی



ایسا سیتا پوری

دائیں کھینچو

میں کھینچ کر نکال

سومنا کا قصہ



مسا جاتے تھے کہ سومت کے لیے جسے وہ دیکھتا تھا وہ ایک عورت تھی۔ وہ دیکھتا تھا
 سومت کے لیے وہ دیکھتا تھا کہ وہ ایک عورت تھی۔ وہ دیکھتا تھا کہ وہ ایک عورت تھی۔
 آتا ہے کہ وہ دیکھتا تھا کہ وہ ایک عورت تھی۔ وہ دیکھتا تھا کہ وہ ایک عورت تھی۔
 وہ دیکھتا تھا کہ وہ ایک عورت تھی۔ وہ دیکھتا تھا کہ وہ ایک عورت تھی۔

تخت نشینی

کچھ سال کے اندر ہی محمود غزنوی کی فتوحات کا سلسلہ ہندوستان
 کے مشرقی حصوں میں کالج، اراکان کے مغرب میں ہریانہ تک
 ایشیائے کوچک میں سرحد تک اور جزئی حصوں میں کرمان، مکران اور مصر تک پہنچ چکا تھا۔
 اس وقت تک محمود پیدا مسلمان حکمران تھا جس نے سلطان کا لقب اختیار کیا۔ اس نے ہندوستان
 کی متحدہ فوجی قوتوں کو اپنی قلیل فوج سے بارہ بارہ کر کے دکھایا۔ ہندوستان میں کالج اور گورکھ پور
 کی فتح کے بعد جب وہ غزنی واپس پہنچا تو اسے اپنے عزیزوں سے معلوم ہوا کہ سمندر کے قریب
 ہندوؤں کی مشہور تیرہ یا تار سومات ابھی تک اس کی فضا ہے۔ ہندوستان کے جن تھیں
 شہروں اور عبادت گاہوں نے مغرب محمودی کا درہ چکھا تھا سومات واپوں کو اس پر کئی اثر
 نہیں تھا۔ بلکہ وہ اپنی نعمت ملنے کے لئے بڑھتے تھے کہ اب تک محمود نے جن چیزوں کو
 تار تھا سومات ان سے ناراض تھا اور اس تھیں کی وجہ سے سومات نے تباہ ویراں ہونے
 والے ان تہوں کی کوئی مدد نہ کی تھی، اور سومات کے برعکس ان کے سومات
 میں اتنی قدرت ضرور موجود تھی کہ وہ ایک ہی میں محمود اس کے طاقتور لشکر کو تباہ ویراں
 کر دے۔ سومات کے بچاری یہ بھی کہتے تھے کہ سومات دنیا کے تمام تہوں کا بادشاہ
 ہے اور دوسرے تمام بت یا سومات کے دربار ہیں یا اس کے حاجب اور خدمت گزار
 اس بت کے نام پر اس کے عقیدت مندوں اور رستاروں نے ہر کام بھی سومات
 رکھ دیا تھا۔ محمود سومات کے تہوں کی نشانی اور تعلیمات سومات تو برہمن ہوتا اور انہیں
 مزہ چکھانے کے منصوبے بنائے گئے۔ وہ سومات کے برعکس کاغذ و رنگ میں کا دینا جانتا
 تھا۔ جب اس نے غزنی اور کاغذ و رنگ کی دیوانی راہوں کے مسافروں سے معلومات حاصل
 کیں تو سمندر اور راجہ تانے کی دستوں میں پھیلے ہوئے رنگین کے علم نے کسی حد تک اسے
 مغرب کو دیا کیونکہ اسے سمجھ کر کیے بغیر سومات تک پہنچنا کسی طرح بھی ممکن نہ تھا۔ مسکین
 فوج ہندی کے لئے میں رستار اور کامرا تہوں کی بارگاہ میں بار بار بار بار ہونے والا محمود

بہت ہلکا جاتا ہی نہ تھا۔ اس نے اس ہم کے لیے باقاعدہ تصویر بندی کی اور اپنی ابتدائی کارروائیوں کو باریک بینی سے دیکھنے کے لیے بارہ آدمیوں کا انتخاب کیا۔ ان دیکھنے والوں میں مختلف پیشوں اور شعبوں کے ماہرین شامل تھے۔ ان میں کچھ انجینئرز تھے جو سمنات کے مکملے کا جائزہ لے کر کچھ خاص رازوں سے عمود کو مطلع کرتے، کچھ فوجی طاقت کا اندازہ لگانے والے تھے، کچھ عوام میں گھل کر انہیں درملانے اور پریشان کرنے کے فی میں مہارت رکھتے تھے۔ ابھی میں علی مردان بھی شامل تھا۔ یہ اٹھائیس تیس سالہ صحت مند جوان اپنے



پہرے مہرے سے خاص بندوبست کی گئی تھا۔ مقررہ سالانہ سمنات کے دنوں کی وجہ سے سمنات اور کسی دوسری ہفت روزہ میں قابل رشک عبور رکھتا تھا۔ محمود نے اسے اپاہج سمنات اور مندر کے اندرونی حالات کی تفصیلات فراہم کرنے پر متعین کیا تھا۔ یہ پہلے تو متعین ہی تھا اور یہاں کچھ دن بعد کہ کھٹیا دار روانہ ہو گیا۔ چند دنوں بعد وہ ایسے بات اور کہیوں کے درمیان سے گزرنے لگا جس کے گرد دھڑکنے لگی ہوئی تھیں اور جب وہ انہیں دیکھے جھوٹا ہڑا آبادی میں داخل ہوا تو چونے ایڑیوں اور پیٹھوں کے مسکات اور کپڑوں کی تھپوں کو دھکے کر اسے اٹھان ہو گیا کہ اب سمنات زیادہ دور نہیں ہے۔ مندروں کے مندرے کسی سے چھانے والی سون کی گمانیں نظروں میں خیر کی پیدا کر رہی تھیں اور جو غلطی مندروں میں سے غرضش دنگار اور شعلت وضع کی انہیں والی صورتیں اپنے کارکنوں اور جنی کاروں کی عظمت اور کمال فی کا دیکھنے والے کے دل پر نقش چھا رہی تھیں۔ علی مردان ان کے مندرے میں کم ہو گیا۔ اس نواح میں ہونے کا اس کا یہ پہلا اتفاق تھا۔

درجائے رستی کے کنارے گھرے ہوئے ایک عظیم الشان مندر نے اسے بطور خاص متاثر کیا۔ اس وقت وہ ہندو بازاری کے لباس میں تھا۔ وہ مندر کے دروازے پر رک گیا اور ایک زرد رو برو بہت سے اس کی بابت معلوم کرنے لگا۔ پچھا: ”مندرے پر وہ بہت یہ کوئی جگہ ہے اور اس مندرے کیسے عظمتیں والے ہیں؟“

پروہ بہت سے علی مردان کو اور سے کچھ کم غور سے دیکھا اور جواب دیا: ”مندرے شاید شمالی ہند سے آئے ہوں۔“ پھر اپنے اندر سے جاتے ہوئے بولا: ”اس ملک کو تو سنی کہا کہتے ہیں۔ زمانہ گزرا کہیں ایک میل کے نیچے سری کرشن جی کو رام زمانے سے تھے کسی شکاری کے تیرنے ان کی اڑی کو چھید رہا تھا۔ اور پھر تیر کا نہر جب کسی جی کے پورے جسم میں پھیل گیا تو اسی رستی کے کنارے جہاں آج یہ مندر کھڑا ہے کوئی جی بیکٹہ کو سر ہمارے لئے۔ یہ مندر ان کی یادگار میں تھریا کا تھا۔“

پروہ بہت سے علی مردان کو دیکھ مندر کی زیارت کرنا رہا اور جب اسے یہ معلوم ہوا کہ وہ سمنات کی زیارت کو جا رہا ہے تو پروہ بہت سے یہ مزید مہربانی کی کہ سمنات کے ٹرے پروہ کے ہم ایک سفر پر بھی خط لکھ دیا۔ سمنات میں داخل ہوتے ہوئے وہ علی مردان سے پال پرچا تھا۔ سمنات کے مہاں پروہ بہت سے دیوے اسی خوبصورت فوجوں کی شاخا پرچہ دانی کی اور مندر ہی کے، محلے میں بے ہوئے سمنات میں سے ایک جگہ کے

رہنے کے لئے دے دیا۔ سومات کا مہاں بروہت بصیر دیو نوادہ یا تو ہی ست پالی سے دیر تک بھلی ہندوستان کی مقدس ترین جگہوں کے بارے میں باقی کر تا رہا۔ وہ توج اور ستھرا پر محمود غزنوی کی فانی بولی مصیبتوں اور براہوں کا تفصیلی حال سننا چاہتا تھا۔ علی مردان دل میں اظہار کے لئے کہیں بظاہر غصہ و اندوہ کے پھیرے میں غمزدی تباہ کاہلوں کی پراگڑھتائیں سناتا رہا۔ بروہت بہت شاعر ہوا۔ بولا۔

”ٹھیک ہے۔ جو کچھ محمود نے کیا، وہ جھوٹے درختاؤں اور تلوں کے منافع کیلئے، لیکن اگر شامت اعمال سے وہ کبھی سومات کی طرف آنکھ کو سومات جی لئے اچھی طرح مزہ چکھا دیں گے۔“

علی مردان نے نگو مند بھیجے میں جواب دیا۔ ”بروہت جی، میرا سفر بعض یاز کی غرض سے بزرگ نہیں چڑا ہے۔ میں وہاں پر بسنا تھا کہ اب محمود کا راج سومات کی طرف ہونے والا ہے۔ اس خبر کے سننے ہی وہاں سے مل بڑا ناکہ اس خطرے سے آپ کا گواہ کر رہا جائے۔“ بروہت نے فقہہ لڑکا جس سے علی مردان نے صاف برا اندازہ لگا کر روکیت کے قیام کے پیچھے محمود کا خوف بھی کارفرما ہے۔ بروہت نے ایک خاص ارادے کا۔ ”ست پالی گدا۔ تم کچھ ادرست۔ اپنے سومات جی تو محمود ادراس کی فوج کا انتظام ہی کر رہے ہیں، جیسے ہی وہ ہمارے قلعے کی فصیلوں کے نیچے آئے گے گا سومات جی اسے اپنی فطرت کا حق کھادیں گے۔“

دفعہ دوسری میں مندرکے حدود میں دوسری دفنی سونے کی بڑی بھلی ہوئی تھی جس میں بے شمار چھوٹی چھوٹی گھنٹیاں شکی ہوئی تھیں۔ جسے شام جب پوجا کا ہے تو لوگوں کو لانے کی خاطر انہیں پانا جانا تو کشتیوں کا بھاری بھر کم اور کالوں کو پھینک دینے والا تو غلہ ہوتا۔ تمام پجاری اور بروہت پوجا پات کے لئے ایک ہی وقت میں مندر میں داخل ہوتے اور سومات جی کی پرستش شروع ہو جاتی۔

مہاں پانچ سو گائے والیاں اور مین سومرو ساڑھے بروہت گائے بھانے کے لئے تیار تھے تھے۔ باتریوں بروہتوں اور دوسرے اعلیٰ جاتی ہندوؤں کے سر اور دائرہوں کو سونڈنے کے لئے بروہت تین سو جام بھی موجود رہتے تھے۔ بروہت بصیر دیو نے پہلے تو علی مردان کے سر اور دائرہ کی بے پالی منڈوائے اور صیب اسے یہ یقین ہو گیا کہ اب ست پالی پوری طرح یاز ہی میں چکا ہے تو اس نے نوادہ یا تو ہی سے زیادہ قربت کا اظہار کرنا شروع کر دیا۔

مندر کے انہی چھوٹے میں بہت سی دیواریاں بھی رہتی تھیں۔ ان میں بعض تو راجکیاں

تھیں جنہیں ان کے والدین نے سومات جی کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے مستحق قرار دے کر حوالے کر دیا تھا۔ یہ تمام اور ناقص باسوں میں کچھ جیسے کچھ جسم لئے مندر میں مناسب اور جتنی کے شاہکار تھے کہ بڑے بڑے بھاری بھی انہیں خرینے مندر سے دیکھتے تھے۔ ایسا لگا تھا جیسے ساری دنیا کا جتنی سومات کی حدود میں یکجا ہو چکا ہے اور اپنی دنیا کا اس سے غمزدی کر رہا ہے۔

چھتری مریض ستونوں کی اس کشادہ عمارت کے جس جیسے میں سومات کا بت نصب تھا وہ ایک تاریک جگہ تھا۔ وہاں تندرپوں میں بل ابرم کی ٹھوں کی جگہ جواہر و الماس جڑنے لگے تھے اور انہی کی جگہ کا پٹ سے تاریک قرعہ روشن رہتا تھا۔ جب پہلی بار علی مردان ان جسے میں داخل ہوا تو اس کا دل خوف و دہشت سے زرد زرد سے دھوکا رہا تھا۔ بہت سے دوسرے ان کا خون خشک کے دے رہے تھے۔ وہ مندر نہ ہونے کے سبب ان کی بہت ساری رسوم سے ناواقف ہو سکتا تھا اور ہرگز ان کا مرگاہن عقارہ مشہور قرار پاتا۔

اس نے دیکھا تو ہر ایک ہزار برجن سومات کی پوجا پات میں شمول میں لگنے والیاں نہایت سرخی آواز میں بھی گارہی ہیں اور ساڑھوں نے اپنے ساڑھوں کے زبردست مندر کے اتوں کو غصے اور سوزہ سا بنانے رکھ رہا ہے۔ اس نے اس سحر کی ماحول میں ایک ایسی دہشتیزہ کوسومات کے آگے سرسبز گونگڑا تھے۔ دیکھا جو وہاں کی دوسری عورتوں کے مقابلے میں زیادہ صین، زیادہ سجدہ، زیادہ الگ تھک اور زیادہ گلین نظر آتی تھی۔ وہ جب سومات کے آگے گھٹنوں کے بل کر گونگڑا تو اس کی مناجات اور گریے میں بہت زیادہ سوز محسوس ہوا۔ علی مردان نہایت احتیاط اور ہوشیاری سے اس کے قریب پہنچ کر سومات کے دہروہ خوب کھڑا ہوئی۔ اس وقت سرگوار اور غرہ دہشتیزہ گھٹنوں کے بل یعنی ہونے تھی اور ہدائی امان میں دہر زور سے گڑا رہی تھی۔

”اے میرے چاند کے آقا۔ اے عظیم سومات، اگاہ میرے تعاقب میں ہیں اور میں ان سے گناہی ہوں۔ اے سومات، مجھے سوسا دے کہ میں چاند کی کی طرف یک وصاف رہوں۔ مجھے نہیں معلوم کہ گزشتہ جنم میں مجھ سے کیا گناہ سوز ہوئے ہیں لیکن میرے دیوتا پر جنم تو تیرے سرور کر دیا گیا ہے، مجھے سب معلوم ہے۔ تو نے میرے گناہوں کے کچھ کٹ کر مجھے بے گن کر دیا ہے لیکن مجھ پر بدنامی کا کیا اندوہ کرنا ہے۔ میرا شیباب مجھ سے نہیں لے میرے خون میں مریض کھول دے اور میرے جسم کو بدما بنادے۔ غصہ کا رے تو میرے جسم میں خون کے ساتھ دھڑ رہا ہے اسے زائل کر دے جب میں تیری ایما پر اس کے لئے نہیں بیدار کی گئی

ہوں تو بولے جیسے ہی احساسات و جذبات سے کیوں نوازا ہے۔ تیار ہونے کے لئے چھپکڑ
کیا گیا ہے تو متناہی کا احساس بھی نہیں ہے۔ میرے بدن میں شامل وشن (دربار) میرے جذبات
کا قاتل ہے۔ میں ٹھٹ ٹھٹ کر رہا ہوں گی۔ بھر پر دم کر سونتا! ابھی اتنی بڑی آزمائش میں
درواں، میرے وشن کو چوس کر چھٹے سے فخر عورت بنا دے با پھر میرے دل و دماغ میں یحیٰ بن
پیدا کرنے والے حرکات فدا کر دے۔ میں موت تیری رہتا جا رہی ہوں۔“

علی مردان نے دیکھا، لڑکی زار و قطار رو رہی تھی۔ سناٹھانے پر اس کی نفس
علی مردان سے چار ہوئی۔ وہ اس کے قریب ہو گیا اور بت کر کے پوچھا: کیا میں تمہاری
کرنی کر سکتا ہوں؟ تم کہ اپنے دکھ بتانا کروا کر کوئی؟
لڑکی نے غناؤں اور آنکھوں کی طرح علی مردان کو دیکھا، لڑکی جواب دینے بغیر مندر
سے باہر جانے لگی۔

علی مردان بہت کر کے آگے بڑھا اور تقریباً راست روک کر کھڑا ہو گیا، پوچھا: کیا تم نے
میری بات نہیں سنی؟ میں تم سے کچھ کہہ رہا ہوں۔“

لڑکی نے لاروائی سے پوچھا: ”تم کون ہو؟ کہاں سے آئے ہو؟“
علی مردان نے جواب دیا: ”میں کون جی کی جنم بھیجی تھوڑے سونات کی بات کر آیا
ہوں میرا نام ست ہال ہے۔ نہ بہت زیادہ دیکھی نظر آتی ہو۔ اگر تمہارا دیکھ میں کسی طرح باٹ
سکوں تو حاضر ہوں کسی تکلف کے بغیر بنا دو۔ مجھ سے کچھ ہو سکا اس میں کوئی بات نہیں رہی جا چکی؟
لڑکی نے علی مردان کو ایسی نظر سے دیکھا گراہ وہ اس کی پیشکش اور بہرہ دہانگات
کو فضول سمجھ رہی ہے۔ بولی: ”تم ابھی مجھ سے واقف نہیں ہو میری راجھوڑو اور سونات
جی کی بات کر کے کھو داس جاؤ۔ میرے ٹوکھ کا علاج تمہارے بس کا نہیں ہے۔“

علی مردان کچھ کہنے کی کھٹکا کاٹنے کے بعد دور سے سونات کا مہمان پر بہت ہیچیم دیو
آتا دکھائی دیا۔ وہ تیز قدم اٹھاتا ہے جیسی سے بڑھا چلا آ رہا تھا۔ اس کی دھنکی کا گڈھے
پر مڑا ہوا تیز رفتاری کی ہوا سے لوار ہوا تھا۔ اس نے قریب آتے آتے علی مردان کو آواز دی۔
اور دست ہال، چند لمبے ٹھہرنا تو۔“

علی مردان نے ہیچیم دیو کو خوفزدہ نظروں سے دیکھا، اور اسے لہا محسوس ہوا جیسے
اس کی پٹھلیوں کی قوت رخصت ہو چکی ہے اور جسے اس اور اس کی قوت حرکت کرنے کی قوت سے
محروم ہو چکے ہیں۔
ہیچیم دیو نے نظریہ جو کر کہ اس نے ابک بار پھر لڑکی پر نظر ڈالی لیکن اب وہاں کچھ

بھی نہ تھا۔ لڑکی جا چکی تھی۔ اس کی جگہ خدا اور خدا کے اس پار مندر کی دیوار پر ابھیرواں
مورتی اس کا منہ چراہی تھی۔ برہا سہی کے چار منہ تھے، جو نیلو فر کے پھول میں کھڑا تھا اور
اس کے ہاتھ میں گھڑ تھا۔

ہیچیم دیو نے اسے ترجمہ انگیزندوں سے دیکھا اور پوچھا: ”چندراوتی سے بات
کر رہے تھے؟“

علی مردان لڑکی کے نام سے واقف نہیں تھا دیو بولا: ”میں اس کا نام نہیں جانتا۔
شاید چندراوتی ہی جو وہ لڑکی۔“

ہیچیم دیو نے نصیحت کی: ”تم باقری ہو جنہیں یہاں کی نارہوں سے دل نہیں لگانا چاہیے
اور خاص کر چندراوتی سے تو بالکل نہیں۔ چندراوتی ناگن ہے جو اپنے جانے والوں کو دس دیا
کرتی ہے۔ اس کے سس پرست جائز اس کے خون میں روڑے والے وشنی دزیر سے ڈرو۔“

علی مردان کشتہ مند تھا اس لیے ہیچیم دیو کی سپیدہ اور عیشانی بالوں کا معنی بھی
دربافت نہ کر سکا لیکن جب وہ ہیچیم دیو سے الگ ہو کر مندر سے باہر نکلا تو اس نے کئی بکریوں
کو انہوں کو لے کرے ہوئے دیکھا۔ یہ بکری بھی علی مردان اور چندراوتی کو بائیں کرتے دیکھ چکے تھے۔

وہ آپس میں جو باتیں کر رہے تھے ان کا معنی بھی وہی تھا جو ہیچیم دیو کی بالوں میں موجود تھا۔ حسین
چندراوتی اس کے لئے موعون لگی، اس کی تجسس طبیعت کو چین نہیں آیا۔

اس بات کو پانچ دن گزر چکے تھے۔ وہ راسرا اور حسین چندراوتی کی تلاش میں کئی بار
سونات کے روپوہ عاجزی دے چکا تھا، لیکن وہ دوبارہ نہیں دکھائی دہی تھی۔ اس نے
دیواروں اور خوشن اٹھان گائے وائرل کے آس پاس کے ہی چکر لگائے لیکن وہاں بھی

چندراوتی کا چاندیسا روٹن اور برہہ جیسا سوگوار تیزو نظر نہ آیا۔
سرنے کی دیکھ میں ملنے پر ہی کھشیر کے ٹوڑے مندر اور اس کے آس پاس کی کھشا

میں بھیچال سا آیا ہوا تھا۔ علی مردان اپنے جوتے کے گٹھ جوئے دروازے میں سے باہر
کے سمندر کو مندر کی سمت جاتے ہوئے نیچے دبا تھا۔ ان چاروں میں مختصر ساریوں میں مینوس

دیواروں اور قرض و موسیقی کے لہو میں دھنکی ہوتی رہا تھا میں اور منڈیڈ بھی بکریوں
کی طرح آڑی علی جا رہی تھیں۔ اسے سس اور نزاک کے ان مہمانوں کو دیکھ کر ٹھٹے دل سے

اس بات کا اعتراف کرنا پڑا کہ اس ذریعہ پرستے ہوئے حسن کا جواب شاید نہیں اور نہ کیے۔
اور عزتی میں تو اس کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔

۱۵

اس جرم میں اس نے چند راتوں کو بھیج دو کے ساتھ جاتے ہوئے دیکھا۔ ۱۰ دیکھتے ہی وہ حجرے سے باہر گیا۔ اور کون جھکا کے بہت آہستہ دونوں کے پیچھے چلے گیا۔ وہ کھڑے اپنے کھٹ کھٹ کرتا چند راتوں سے مابین کرتا جلا جا رہا تھا۔ چند راتوں کے بعد بھی باہر جانے کا وقت نہ ہوا۔ پھر وہ حجرے پر جگہ جگہ گھسے۔ گلاب جو سی اور نواز کے جھول کھٹے چمکتے تھے۔ انہی میں مقعد کی کسی بھی موجود تھی۔ پتے پتے دیکھا کہ چند راتوں کی طرح بیٹھ لی اور باؤں کی آڑی کرتے لگی۔

بیمہ دینے سے جھک کر بچھا۔ کیا ہوا چند راتوں کی کا کٹا چھین گیا؟
چند راتوں نے انگلیوں کے ناخنوں سے آڑی میں چھپے ہوئے کانٹے کو کڑھتے ہوئے جواب دیا۔ ہاں وشال (مقدس) پر دست تھی؟
اچانک دونوں کی نظریں علی مروان پر پڑیں۔ بیمہ دینے کے کچھ مہینے ہوئے تھے۔ کچھ تو ہم بھی ہمارے ساتھ ہی چل رہے ہو؟ پھر اس نے فکر دیا۔ وہ چند راتوں کا کٹا کٹا کر لانا۔
علی مروان زمین پر گر پڑا۔ بیمہ دینے والا اور ناخوں کی مدد سے کانٹے کو باہر نکال لیا۔ آڑی کے نیچے سے سوراخ سے خون نکل کر زندگی مشکل میں جمع ہو گیا تھا۔ چند راتوں نے اپنی آڑی کو کٹی باڑی میں پرکڑا اور یہ بھی کھڑی ہو گئی۔

بیمہ دینے والوں کا تعارف کو یاد چند راتوں سے کہنے لگا۔ چند راتوں کی بہت بادل ہے جو مستحضر سے سونات جی کی بات کو یہاں آیا ہوا ہے۔ پھر چند راتوں کی طرف اشارہ کرتا ہوا علی مروان سے کہنے لگا۔ اور یہ چند راتوں ہے۔ دیکھو ان کی حفاظت کے لئے اس کا وجود امرت اور دونوں کے لئے زہر بادل ہے۔

دونوں نے ایک دوسرے کو نئے دوستوں کی طرح دیکھا۔ چند راتوں کے بڑوں پر مسکراہٹ بکھر گئی لیکن اس سلاطین میں بھی باہت کا سوز شامل تھا۔ جواب میں علی مروان بھی ہنس دیا لیکن اس ہنسی میں اشتیاق اور کچھ جانے کا جذبہ پایا جاتا تھا۔

سونات کے سامنے چار دیوے کے اجتماع میں علی مروان اور چند راتوں کا وجود دیا میں قطرے کی طرح نظر آتا تھا، بیمہ دینے والوں کی سونات کے قریب چلا گیا۔ وہاں زہر زہر سے ہشوک بڑھے جا رہے تھے۔ کسی کسی کے گھونٹے کا شہ بھی بندہ بھانہ چند راتوں اور علی مروان کی طرف قریب دوڑا تو دیکھے اشوک کس رہے تھے۔ کسی کسی کے دونوں گھونٹوں سے ایک دوسرے کو دیکھ لیتے۔ ایک بار جب چند راتوں کی سب سے میں جاری تھی، اس کا ہاتھ علی مروان سے لگا گیا۔ چند راتوں نے محضت کی کوئی مروان نے جواب دیا۔ محضرت کی کوئی محضرت نہیں چند راتوں کی مجھے تم کچھ

دیر مابین کرنے کا موقع دو۔

چند راتوں نے چھپتے ہوئے بچھا۔ وشال پر دست نے متباہ کیا نام بتایا تھا؟
ست بادل! علی مروان نے جواب دیا۔

ست بادل جی، چند راتوں کی! تم باتری ہو یا تار کر کے اپنے گھر واپس جاؤ۔ مجھ اچانک کوست کریدو۔ مجھ میں اتنی دلی ہوئی ہے۔ تم مجھ سے سہمدی کر دے گئے تو میرے اندر کی اتنی تپیں جلا کر بھیج کر دے گی۔ خود کو نہیں روک دو، آگے مت بڑھو۔

علی مروان نے جواب دیا۔ اگر کسی غزوہ امرت کی چند راتوں میں مجھے کچھ نقصان بھی اٹھانا پڑے گا تو مجھے اس کا کوئی ٹکڑہ نہ ہوگا۔ تم مجھے بہت دکھی دکھائی دیتی ہو۔ مجھے اپنے غم میں شریک کر کے دلی کا بوجھ ہلکا کر سکتی ہو۔ تم مجھ سے اتنی بیگانگی کی بات نہ کرو۔
چند راتوں نے ٹکڑے سے کہا۔ دل کا بوجھ کسی طرح بھی ہلکا نہیں ہو سکتا۔ یوں تم مجھ سے لی سکتے ہو۔

چند راتوں کی قہر دیتے نے علی مروان کی قہر آرائی کی اس نے چند راتوں سے اس کا تر معلوم کیا۔ اسے جرت تھی کہ چند راتوں کو اس کے قریب ہی رہتی تھی اور وہ اسے دھڑلہ دھڑلہ کرتا پھر دم تھا۔ اس نے چند راتوں سے وعدہ کیا کہ وہ رات کو اس سے غزوے کا ٹکڑہ اس رات دے گا۔ پھر اگلے رات بھی وہ یہ راتیں جاکر گزارا۔ بار بار اس کے اعصاب پر چند راتوں کی مسکرت ہوتی گئی۔ آخر تیسری رات اس نے قہر کی اور اپنے اندر اٹھا حوصلہ پیکر لیا کہ وہ کھل کر چند راتوں سے اپنے دل کی مینا بیوں کا اظہار کر سکے۔

اسی رات مجھ سے کا دروازہ بند کر کے اس نے محمود غزنوی کے لئے تفصیل روداد مرتب کی۔ یہ روداد غریب و گریب تھی۔ اس نے لکھی تھا۔

سونات کے دو گنا اپنے حال میں مین اندر بیٹہ سونات جی کی قادیانی خانہ پر گہرا عقیدہ رکھتے ہیں۔ ان کا عقیدہ ہے کہ پوری رہنا کے جن میں سونات سب کا تپا ہے اور تمام مذہب ان کے مذہب سے گزرتا ہے۔ سونات کے لئے موصوعات حاصل ہوتی ہیں ان سے ایک عجیب اور عجیب حکایت ترتیب پاتی ہے اور کچھ سے سروا اور شریک انہیوں کا مل جل جاتا ہے۔ ہندو دیکھتے ہیں کہ چاند کی سادی پر چابی (رہنما) کی بیٹوں سے ہوتی تھی۔ چاند ان میں سے دینی نامی ہو کر بارہ جا چکا تھا۔ رہنما کی خواہش تھی کہ چاند اپنی سبھی بیویوں سے کیل فحش کرے لیکن چاند رہنما کی اس خواہش کو پورا نہ کر سکا۔ اس پر رہنما نے چاند کو بدعادی اور شہر میں

میں مروان کو ایسا لگا جیسے وہ اس کو ازسے متعارف ہے۔ اس نے ابھی کو خر لنگی ہوں۔ علی مروان اس سرزبا کیف و سرور میں کہ ہو گیا شروع اور پہلے چند راتوں اندر بھی ہونی سے دیکھنا جا یا کہین و صوفی کی اوٹ اور دینے کی کمزور روشنی کی وجہ سے وہ اسے ابھی یا سیت اور خروقت کے باوجود علی مروان کے انہماک سے پوری طرح لطف اندوز ہو رہی تھی۔ اس نے علی مروان کا انہماک ٹوڑ دیا۔ "تم کہاں لکھو گئے؟ تم تو کچھ باتیں کرتے آئے" طرف دیکھ کر نہ سکا۔

چند راتوں سے دروازے تک چھوڑنے لگی جب وہ بلا گیا تو چند راتوں سے تھے۔ رات اور دن زیادہ بھگت جائے گی۔ اور اگر ایسے میں وشال پر روت کھلا دیا گیا تو میں خود جھڑے کو اندر سے بند کر لیا اور علی مروان کے دروازے کو کھینچ لی۔ مسکرائی بولی "مست ہو چکی یہاں سے چل جاؤ گی۔"

جی، میرے انداز و اطوار سے تو تم ہی سمجھنے پر مجبور ہو گئے کہ شاید میں کوئی ویشا (طوائف) ہوں۔ لیکن ایسا نہیں ہے۔" پھر ایک دم سنجیدہ ہو گئی بولی۔ "ویشا بھی مجھ سے ابھی ہو گی۔" اس کو کوئی کہیں کیا ترسی ہے جو وہ ایک طائفوں میں اس قسم کی باتیں کر کے دیکھے، لیکن کہ اسے خود پر اعتبار اور اسے خود پر بے کا اعتبار ہو کر گا۔

علی مروان ابھی تک ابھی ہی کی بات سوچ رہا تھا، بولا "یہ ابھی کوئی تھا چند راتوں سے تم گئے ہیں، تمہارے حسن اور شب کا لشرنگ رنگ میں اور کچھ ہے اور یہ جانے لیتے تو کہ میں ہر چند راتوں سے جو اب رہا۔" نہیں یہ سوال میں کرنا چاہیے، تم قورہ باہنیں جو اتنی چاہتے کھٹے تھے جی بھی پیچھے سے کہیں، میں نے تمہارے انتہائی قوت و طاقت کو دیکھا ہے۔ میں نہیں جانتا کہ میرے اس والدہ انہماک کے بعد میرے ساتھ تمہارا سلوک ہوگا۔ اگر تمہیں کسی کیفیت

کو دیکھیں گے کچھ تم آئے ہو۔" علی مروان خفیف ہو گیا اور کچھ مجھ میں نہ آتا کہ کسی قسم کی باتیں کرے۔ پھر چند راتوں کا کام سے کہ اس نے اپنے غصے پر غصے نقصان سوچ لیتے سب کچھ چھوڑ کر دے تو میں اس بات کا نے گفتگو کا آغاز کیا بولی "ست ہاں ہی اتم سوگات تھی کی بازگو آئے ہو تمہارا ایک کبر ہوگا بڑا اعلیٰ کرنا ہوں کہ مجھے تم سے وہ ہو گیا ہے جو نہیں ہونا چاہیے تھا چند راتوں میں نے اس دن ہو گیا، صاف ہی نہیں ہوں گے اور شاید پوری بھی۔"

علی مروان نے بات کا شہ نہ بولا، ابھی میں نے یہ بیان نہیں کیا۔"

چند راتوں سے لگا۔ "اور شاید زیادہ نہ کر کے کا ارادہ بھی رکھتے ہو گے۔" علی مروان نے کہا۔ "ایسی بات نہیں، لیکن ابھی کچھ دن یا ترائوں میں گزارنے سے پتہ چلے گا کہ تم نے کچھ نہیں کیا ہے۔" علی مروان نے کہا۔ "تم نے کچھ نہیں کیا ہے۔" علی مروان نے کہا۔ "تم نے کچھ نہیں کیا ہے۔"

اس کے بعد گریست کی زندگی گزارنے پر مجبور کر دیں گا۔" چند راتوں تک جھپکا سے اندیش کی صورت دیکھنے کی۔ علی مروان نے بھی اسے اچھے ارادوں سے اگر مجھے زیادہ پریشان کیا تو میں خود کہیں رو پڑوں گی اور پھر کسی کو اپنی غصے کی صورت دیکھا۔ اسے ایسا لگا جیسے اس نے خود حسن و شباب کو اب تک کسی نے چھوڑا کہ دو پہر سے بل نہ لکھا ہوں گی۔"

سرخ لہری جیسے بازو دھکتے ہوئے دوڑا دیکھے، شباب میں زور آور سی لڑکی جیسے سر کے منہ زور بازو دھکتے بازو میں دھوسیا دھڑوں میں جھٹکا ہوا چہرہ صحت و گرمیت کا ہے باوجود یہ نظر آئے نہیں۔ علی مروان پیشان ہو گیا کہ اس نے ناحق چند راتوں سے اس قسم کی باتیں کر ڈالیں۔ میں سے جھانکنے ہوئے چاند کی طرح دہر دہر کر رہا تھا۔ صدی شانے سے برگ کر آگے ڈیر سمجھ کر ہوا بولا۔ "اگر میں واقعی غلطی اور بے احتیاطی سے کچھ زیادہ دوزخ لگا گیا ہوں تو میں اس کی حق اور نیک و صحت جلی میں کشائیں ہی کر دیتی تھیں، کھڑکی کے نیچے شفات گردن ادا کیا ہوا ہوں۔"

گردن کے نیچے پہلی کی پڑیاں آٹھ کے طرح نودار ہو کر شانوں کے نیچے کہیں رو پڑی ہو۔ قصص۔ و درون بافتہ، انکھیں سے بازوؤں تک اتنے مڑوں اور خوبصورت تھے کہیں ابھی دیکھنے سے کوئی چاہتا تھا۔ لمبوتری سچیلی میں سے لمبی سرخ لہری انکھیاں ہوں کو زور ہوا۔ "میرا مطلب ہرگز نہیں کہ تمہارا دل دکھاؤں، میں تو ان لوگوں سے اپنی بڑائی کا اظہار کر رہی تھی جیسے کسی شاداب اور پھنی لگ جھنی میں سے پانی کھینچنے کی صورت میں خالصتاً نہیں ہو سکتا۔"

چند راتوں سے غضب کر رہا، علی مروان کا ہاتھ ہانے کا تھا میں نے اس کی سچیلی دیکھنے لگی۔ میرا مطلب ہرگز نہیں کہ تمہارا دل دکھاؤں، میں تو ان لوگوں سے اپنی بڑائی کا اظہار کر رہی تھی جیسے کسی شاداب اور پھنی لگ جھنی میں سے پانی کھینچنے کی صورت میں خالصتاً نہیں ہو سکتا۔"

جو خواہ مخواہ بچھے چاہتے تھے میں میں ان سب کے لیے محبت کر سکتی ہوں۔ یہ کہتے کہتے وہ مجھے ایک بار پھر پکڑنے لگی، اور کچھ دیر بعد اور ان سب پر کسی کی قوت سے کسی سے بھی محبت نہیں کر سکتی، ہر مجبور ہوں، بالکل مجبور دست پائی! میری طرف دو گھوڑوں میں اتنی بد قیامت ہوں کہ میں جس سے محبت کروں گی اس کو راستہ آہستہ آہستہ ٹوک کر ٹھکانے لگا دوں گی۔

علی مردان نے عاجز و کار کھجا، "تم ہر بار کیا کہتی رہتی ہو، میری تو کچھ میں کچھ نہیں آتا، چندر راؤ نے بے جواب دیا۔ میں ایک ناگنی ہوں، کچھ میں نہر بھرا ہوا ہے۔" تئیں میں اتنی بات یاد رکھتی جا پیسے۔

وہی رہی تھی، ان سے ملو۔ یہ ست پال ہی ہیں، مقرر اسے سمرات کی کی بات کو کرتے ہیں، علی مردان سے کہنے لگی۔ اور ست پال ہی ہیں، میں سمرات کی کی بات کو کرتے ہیں، ان تئیں بہت پسند کرتی ہوں، یہ بھی مجھے چاہتے ہیں اور میں ان کا کوئی حکم نہیں مانا سکتی۔ اس قناعت سے علی مردان کو دکھ مینا اور تئیں میں سے رقابت محسوس کرنے لگا۔ قناعت کے بعد چندر راؤ نے مجھے علی مردان بھی سامنے بیٹھ گیا۔ اس نے عمری کی کو ہاتھی داک کر تئیں میں سے گمری نغروں سے دیکھنے کی کوشش کر رہا ہے اور قناعت کے علاوہ بھی ہرگز توں سے لگا لینے کی عقلی کر چھوڑ گئے۔

علی مردان سہم کر کچھ ہٹ گیا اور چندر راؤ نے ساری ساری باتیں اور اسے سچ سچ میں محسوس ہونے لگا جیسے کہ پرفش چڑھتا جا رہا ہو۔ وہ ہوش ہو گئے لگا۔ اس نے بے اختیار اس سے چندر راؤ کی کا ہاتھ پکڑا اور اس کی ہتھیلی، انہیں اور ہاتھ کی پشت کو دھانچا توں سے لگا چندر راؤ نے کسی تاق اور گڑ کے بغیر رات کو سنا جیٹھی ہی ٹیکھی سب علی مردان نے اس کو آغوش میں گرا لینے اور اس کے سب اور حسرتوں سے کی حسرت کرنا چاہی اور چندر راؤ نے تڑپ کر دیکھنے بیٹھ گئی۔ ہاتھی۔ ایسا بزرگ نہیں ہو سکتا۔ لیکن تم مرنا چاہتے ہو میرے بھوتوں میں نہر ہے، میرے مرنا کا عذاب نہر کا بل سے تم انہیں چوستے ہی نہر کی ہتھیلی چاہتے ہو۔

چندر راؤ نے کچھ میں دیش اور سمرات کے بعد ہوتی۔ ست پال ہی ہیں، مقرر اسے سمرات سے آئے ہو، علی مردان سے کہنے لگی۔ اور ست پال ہی ہیں، میں سمرات کی کی بات کو کرتے ہیں، ان تئیں بہت پسند کرتی ہوں، یہ بھی مجھے چاہتے ہیں اور میں ان کا کوئی حکم نہیں مانا سکتی۔ اس قناعت سے علی مردان کو دکھ مینا اور تئیں میں سے رقابت محسوس کرنے لگا۔ قناعت کے بعد چندر راؤ نے مجھے علی مردان بھی سامنے بیٹھ گیا۔ اس نے عمری کی کو ہاتھی داک کر تئیں میں سے گمری نغروں سے دیکھنے کی کوشش کر رہا ہے اور قناعت کے علاوہ بھی ہرگز توں سے لگا لینے کی عقلی کر چھوڑ گئے۔

علی مردان کے پاؤں تھے سے زمین لگی لگی تھی، اسے بڑا گڑا گڑا سا پیرہہ تھوڑی سی جانا جا چکا ہے۔ چندر راؤ نے کچھ میں دیش اور سمرات کے بعد ہوتی۔ ست پال ہی ہیں، مقرر اسے سمرات سے آئے ہو، علی مردان سے کہنے لگی۔ اور ست پال ہی ہیں، میں سمرات کی کی بات کو کرتے ہیں، ان تئیں بہت پسند کرتی ہوں، یہ بھی مجھے چاہتے ہیں اور میں ان کا کوئی حکم نہیں مانا سکتی۔ اس قناعت سے علی مردان کو دکھ مینا اور تئیں میں سے رقابت محسوس کرنے لگا۔ قناعت کے بعد چندر راؤ نے مجھے علی مردان بھی سامنے بیٹھ گیا۔ اس نے عمری کی کو ہاتھی داک کر تئیں میں سے گمری نغروں سے دیکھنے کی کوشش کر رہا ہے اور قناعت کے علاوہ بھی ہرگز توں سے لگا لینے کی عقلی کر چھوڑ گئے۔

چندر راؤ نے کچھ میں دیش اور سمرات کے بعد ہوتی۔ ست پال ہی ہیں، مقرر اسے سمرات سے آئے ہو، علی مردان سے کہنے لگی۔ اور ست پال ہی ہیں، میں سمرات کی کی بات کو کرتے ہیں، ان تئیں بہت پسند کرتی ہوں، یہ بھی مجھے چاہتے ہیں اور میں ان کا کوئی حکم نہیں مانا سکتی۔ اس قناعت سے علی مردان کو دکھ مینا اور تئیں میں سے رقابت محسوس کرنے لگا۔ قناعت کے بعد چندر راؤ نے مجھے علی مردان بھی سامنے بیٹھ گیا۔ اس نے عمری کی کو ہاتھی داک کر تئیں میں سے گمری نغروں سے دیکھنے کی کوشش کر رہا ہے اور قناعت کے علاوہ بھی ہرگز توں سے لگا لینے کی عقلی کر چھوڑ گئے۔

علی مردان سہم کر کچھ ہٹ گیا اور چندر راؤ نے ساری ساری باتیں اور اسے سچ سچ میں محسوس ہونے لگا جیسے کہ پرفش چڑھتا جا رہا ہو۔ وہ ہوش ہو گئے لگا۔ اس نے بے اختیار اس سے چندر راؤ کی کا ہاتھ پکڑا اور اس کی ہتھیلی، انہیں اور ہاتھ کی پشت کو دھانچا توں سے لگا چندر راؤ نے کسی تاق اور گڑ کے بغیر رات کو سنا جیٹھی ہی ٹیکھی سب علی مردان نے اس کو آغوش میں گرا لینے اور اس کے سب اور حسرتوں سے کی حسرت کرنا چاہی اور چندر راؤ نے تڑپ کر دیکھنے بیٹھ گئی۔ ہاتھی۔ ایسا بزرگ نہیں ہو سکتا۔ لیکن تم مرنا چاہتے ہو میرے بھوتوں میں نہر ہے، میرے مرنا کا عذاب نہر کا بل سے تم انہیں چوستے ہی نہر کی ہتھیلی چاہتے ہو۔

چندر راؤ نے کچھ میں دیش اور سمرات کے بعد ہوتی۔ ست پال ہی ہیں، مقرر اسے سمرات سے آئے ہو، علی مردان سے کہنے لگی۔ اور ست پال ہی ہیں، میں سمرات کی کی بات کو کرتے ہیں، ان تئیں بہت پسند کرتی ہوں، یہ بھی مجھے چاہتے ہیں اور میں ان کا کوئی حکم نہیں مانا سکتی۔ اس قناعت سے علی مردان کو دکھ مینا اور تئیں میں سے رقابت محسوس کرنے لگا۔ قناعت کے بعد چندر راؤ نے مجھے علی مردان بھی سامنے بیٹھ گیا۔ اس نے عمری کی کو ہاتھی داک کر تئیں میں سے گمری نغروں سے دیکھنے کی کوشش کر رہا ہے اور قناعت کے علاوہ بھی ہرگز توں سے لگا لینے کی عقلی کر چھوڑ گئے۔

جنا ہوں۔ اس کے بعد اس نے چند راتوں کی طرف دیکھا جس نے غالباً شرم سے سر جھکا دیا تھا۔
 رتن میں بہا رہا۔ کسی بھی شخص کو کشتے سے برسرِ بحر کے یہ معلوم کیا جاسکتا ہے کہ وہ ہندو ہے
 مسلمان۔

علی مراد نے انھیں کوہِ اکبر اور گفتر ہونے سے باز کرنا چاہا۔ پھر علی
 بریگ اور بیگم کے چند راتوں سے کہنے لگا۔ "چند راتوں میں اس شہر سے جاؤں، تم نے ابھی جو کچھ کہا ہے
 اس کا راز سامنے آنا میری طرف ہے تو میں خود کچھ اچھا اے کے لئے کام کرنا رتن میں بہتی میرا
 پاس آکر کر لینے شیعہ کی اعتقاد کر سکتے ہیں۔"

چند راتوں کے بعد تندرہ وادیں کی۔ "تم بھی جیسے نکاح راج ہو سکتا ہوں، ہم لوگ
 اعتقاد کرتے ہیں۔ اور یہ اعتقاد ہی تو تھا جس کی وجہ سے میں نے اپنی راز کی بات بتا دی تھی۔
 رتن میں ہوا۔ "دوست! چند راتوں میں بے حد شریف اور معقول آدمی سمجھتی ہے
 میں تم پر رشک بھی کروں تو چند راتوں کا راض ہو جائے گی اور تم میں سے کوئی بھی شخص کم از کم چند
 راتوں میں نہیں کر سکتا۔"

میں باقوں باتوں میں رتن میں سے، بتایا کہ غزنی کا گورخ نگر بہ ملنے تو خود گور
 کے ساتھ سومات آئے والا ہے۔ رتن میں نے شکی میں یہ بھی کہا کہ غزنی کے بادشاہ کو اس
 دور سومات جی ملے ایسا نہ بچھا میں گے کہ مسلمان رہتی و ناکام نہ بھولیں گے۔ پھر چند
 سے کہنے لگا۔ "چند راتوں کی دیر ہی مسلمان کو اھلِ مذہب کو چھوڑ کر دے گی۔"

"ہاں بالکل!" چند راتوں نے جواب دیا۔ مسلمانوں کا بادشاہ مجھ سے بچ کر نہیں
 جاسکتا۔ پھر وہ ایک دم اس کو جو بھی، غمزدگی، سانس بھر کر بولی۔ اور شاید میری زندگی کا تو
 دل بھی وہی ہوگا۔ ایک طرف مسلمانوں کا بادشاہ تو دم توڑ رہا ہوگا، دوسری طرف میں۔ میرے
 کا بچپن اڑنے کی تیار ہی کر رہا ہوگا۔

یہ ساری باتیں کسی کی علی مراد پریشان ہو رہا تھا۔ آخر چند راتوں کے کہ
 کا راز کیا ہے؟ یہ سلطان کو کس طرح ہلکا کرے گی؟ چند راتوں کی ایک ایک بات اسے
 کر رہی تھی۔

رتن میں، علی مراد نے گورو کی ان تباہ کاریوں کی داستان سننا بہا جو متھرا اور
 کے فوج میں پیش آچکی تھیں۔ جب علی مراد نے رتن میں کو بتایا کہ اب وہ غریب متھرا
 جانے والا ہے تو رتن میں نے اس سے خواہش کی کہ وہ ابھی میں رہے کہ کوئی غزنی کا بادشاہ
 سومات آئے والا ہے۔ سومات کے مقابلہ اور چند راتوں کے انتقام سے اس کا کام کام ہو رہا

دیکھ کر وہ متھرا واپس جاسے!
 علی مراد نے وعدہ کیا۔

اسی رات چند راتوں میں انھیں اس کے گھر سے میں آئی اور اس سے گمان کی بات کرنے لگی۔
 اس نے علی مراد کی بنیادیں کو سرور دیا اور شدید جہد باقی انداز میں اس کے سینے سے لگا کر کہیں
 لینے لگی۔ گمراہی ہوئی آواز میں بولی۔

"سب باتیں ہی، تم اپنے ساتھ مجھے مندر لے جاؤ، میں یہاں تنگ آچکی ہوں۔"

علی مراد نے اس کے سپاہیوں کو بلایا اور سینے میں جھپٹی بڑھوا کر۔ "میں یہی
 چاہتا ہوں کہ تم میرے ساتھ متھرا چلو۔ مندر سے بغیر میری زندگی میں ایک خلا پیدا ہو جائے گا۔"
 چند راتوں نے علی مراد کے سینے کے سپاہیوں پر اپنے نئے رکھ دیئے اور
 ان سے نکلنے والی بوسے سخت اندر ہونے لگی بولی۔ "لیکن تم ایک وعدہ اسی وقت کرو۔"
 "کہو میں تیار ہوں۔"

"ہم رہیں گے تو ایک ساتھ ہی لیکن شادی نہیں کریں گے۔ یہاں میری نہیں ہیں گے۔"
 "یہ کیوں؟" علی مراد نے غور سے پوچھا۔ جب ہم دونوں ایک دوسرے سے محبت کریں گے
 تو شادی کیوں نہیں کریں گے؟"

چند راتوں نے غم میں مجھ میں کہا۔ "شادی نہ کر سکتے کی ایک خاص وجہ ہے، جب
 میں سب کچھ سات سات بنا دوں گی تو تم خود ہی مجھ سے دور رہنے لگو گے، بالکل اسی
 طرح جس طرح لوگ تنگ آنا ان سے بچتے ہیں؟"

علی مراد نے پشت پر ہاتھ بھر کر کہنے لگا۔ "چند راتوں، تم مجھ سے کچھ چھپاتی ہو۔ ایک طرف
 تو محبت کا دم بھری ہو اور دوسری طرف اپنی زندگی کا اہم ترین راز جیسا کہ گھنٹہ بھر رہتی ہو۔"
 چند راتوں کی کٹھڑی اُپر سینے کے لمبے لے کر اپنی پیاس بجھاتی رہی لیکن ایسا
 کتنا تھا جیسے رتن برسوں کا پیاس تھا۔ چند نظروں سے اپنی پیاس بجھانے کی کوشش کر رہا ہو۔
 کچھ دیر بعد رتن بھی اندر آئی اور پوچھنا شروع کیا کہ بغیر تو ہی اس نے دونوں
 ہی کے سرور کو کہنے لگے۔

دونوں ایک دوسرے سے الگ ہو کر اپنے مانتے میٹھے لگے۔ کٹھڑی کے پتھر پر کئی نمرانہ
 چراغ روشن تھا۔ چند راتوں کی نظروں جھلکتی تھیں رتن میں ہوئی تھیں۔ علی مراد اس کی اندر کی کشش
 کا اندازہ لگنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس محبت اور خاموشی کو زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ کسی نے دروازے
 پر دستک دی۔ علی مراد کچھ پریشان ہو گیا لیکن چند راتوں نے تہمت نہ اٹھائی، بولی مست پانی جی!

تم میری موجودگی سے مرگنا گھوٹا میری شخصیت تک اور شیے اور لوگوں کی نگاہ میں سے ہلا ہے اور اس لئے میں عام محدثوں سے زیادہ عینک پر کوٹھ کر لیتی ہوں۔
 علی مردان فقہ کے لئے قدموں سے دردناکے تک پہنچا اور نہ بڑھو ل دی۔ باہر کوٹھن شخص دھرتی میں منہ چپا کے اس سے بوجھ رہا تھا۔ کیا چندراتنی یہاں موجود ہے؟
 علی مردان نے آواز سے پہچان لیا کہ وہی شخص ہے جو چندراتنی کے جیسے میں ایک بار پہلے بھی مل چکا ہے۔ چندراتنی نے بھی اس کی آواز سن لی تھی اور اسے پہچان بھی لیا تھا، بولی۔
 "ست پانی جی، انیس بھی اندر ہی بالو۔"

اور پھر یہ اجنبی بھی اندر آگئی۔ اس نے پھر ایک بار اپنا منہ دھرتی میں چھپایا اور چندراتنی سے کہنے لگا۔ "چندراتنی، میں صبح واپس جا رہا ہوں۔ تم سے آٹھویں بار ملنے آیا ہوں۔" چندراتنی نے لاہروانی سے جواب دیا۔ "شاید تم ابھی جا سکو لیکن میں اس کے ساتھ نہ جا سکتی ہوں۔ لیکن تم سے ملاقات نہ ہو سکی۔ میں سنیں کسی خاص شخص سے تم سے ملنا چاہتا ہے۔"
 اجنبی نے جواب دیا۔ "تب پھر میں ایک دن اور جاؤں گا۔" پھر وہ بے ہوش ہو کر کی طرح گر پڑا۔ میں جانتا تھا کہ مجھے میرے ساتھ ہی جاؤ لیکن یہ بھی جانتا ہوں کہ کم سوز کی طرح میری درخواست ایک بار پھر نہ کر دوں گی۔
 چندراتنی نے اس کی بات ہنسی میں لے لی۔ بولی۔ "میں محنت کی اہل نہیں ہوں۔ یہ بات میں پہلے ہی بتا چکی ہوں۔"

اجنبی خبر نہیں، چندراتنی سے صبح نہ کا وعدہ کر کے چلا گیا۔
 اجنبی کی آمد دواجنے کے دروازے پر ہو کر رہ گئی۔ پھر وہی دیر لگا کر کھڑی چندراتنی چلی گئی۔
 آدھی رات کے بعد ایک بار پھر دروازے پر دوڑ چک ہوئی اور جب دروازہ کھلا تو ایک بار پھر وہی اجنبی پھرتی سے اندر داخل ہو گیا۔ اس نے اس بار اپنا چہرہ دھرتی میں نہیں چھپایا تھا بلکہ علی مردان نے اندر کی زنجیر کھینچ کر اسے سوارہ نظروں سے اجنبی کو گھر لے لگا۔
 "اور آؤ چندراتنی کے پاس،" اجنبی نے علی مردان کو نشانے سے پکارتا اور چراغ کی طرف لے جانے لگا۔ علی مردان معمول کی طرح اس کے حکم کی تعمیل کرنے لگا۔

چراغ کے پاس پہنچ کر اجنبی نے کہا۔ "علی مردان، انتظار سے حافظے اور ذہانت کو بگڑے ہیں۔ تم سب پہلی طاقت ہی میں پہچان لیا تھا اور اس خیال سے کہ تم خود بھی مجھے پہچان کو کوئی ایسی دھنسی حرکت دکھاؤ، اپنا چہرہ دھرتی کی ٹوٹ میں چھپا لیا تھا۔" پھر اپنا چہرہ چراغ کے رد کردیا۔
 ہوا لو اب پہچان کر لیجئے میں اچھل سکتا ہوں سلطان کے صیغے ہوئے آدمیوں میں سے ایک، جو

مندی بھی ہے، میں تم سے پہلے ہی یہاں آئی تھا۔"

علی مردان نے اسے پہچان لیا تھا۔ پریشان ہو کر بولا۔ "لیکن تم تو نہایت مختصر انسان تھے۔ یہ تیس کی ہو گیا ہے اسماعیل، تہذیب آواز میں بھی مختصر اور لغات بہت کی بڑھ چکی ہے۔" ہاں۔ وہ کھینچا ہنسی میں ہنسا۔ "کبھی میں واقعی صحت مند تھا لیکن صحت سے چندراتنی کا ساتھ بڑا اور میں اس کی محبت میں مبتلا ہوا۔ اس حوالی اور صحت کو کھل گیا۔"
 علی مردان نے تشویش سے کہا۔ "کیا چندراتنی جی میں جانتی ہے؟"

"نہیں، اسماعیل نے جواب دیا۔ "لے کر تم سے محبت ہو تو ہو لیکن مجھ سے محبت نہیں کرتی۔" پھر کچھ مزاح کر کے لگا۔ "اور یہ بات بھی کئے معلوم کرو کہ تم سے واقعی محبت کرتی ہے یا بے زوروت بنارہی ہے۔"

علی مردان نے بے چینی سے کہا۔ "تم چندراتنی کے بارے میں غلط کچھ جانتے ہو مجھے صاف صاف بتا دو اس میں امر لیا جی ہے، مجھ میں نہیں آتا۔"

اسماعیل نے جواب دیا۔ "مجھے اپنی صحت اور جوانی گزارنے کے بعد غائبی معلوم ہو گئی ہے کہ چندراتنی ناگن ہے جو کسی بھی مرد کو اپنی غیبات اور فزخوں کے جال میں پھانس کر دس سکتی ہے۔ اس کی سائنس اس کے لعاب اور اس کے دھڑوں میں ڈس کر رکھا ہوا ہے۔ اس سے اجنبی قریب رہنے والا کوئی بھی شخص میری طرح کھل کھل کر نہ رہ سکتا ہے۔ میں نے اس کا قریب حاصل کیا، اس سے محبت کی، ہم آغوشی کا لطف، اٹھایا، بوس و کنار کی لذتیں حاصل کیں، اکثر ڈانسیں اس کی آغوش میں سر کر گزریں۔ اگر مسلمان ہونے کا راز مجھے غلط رہنے پر مجبور نہ کرتا تو شاید میں چندراتنی کی آغوشی میں فزخ میں بھی حاصل کر لیتا۔ اس اختلاف اور قدرت نے مجھے کھلا کر رکھ دیا ہے اور میں رد و بروز خود کو چھٹا ہوا حسوس کر لیا ہوں جس میں نہر خون میں شامل ہو کر کھر کھٹا لیک دے رہا ہے۔ میں نے سب جانتا اگر چندراتنی راضی ہو گئی تو اسے اپنے ساتھ غزنی کے حادی گا۔ ممکن ہے وہاں وہ بدل جائے لیکن چندراتنی ساتھ ساتھ ہے یا نہ وہ نہیں ہے۔"
 علی مردان کا دل بڑل گیا۔

اسماعیل نے کہا کہ اسے پاس وقت کم ہے۔ میں صبح سے پہلے یہ جگہ چھوڑ دینا چاہتا ہوں۔ رت سین میری تلاش میں ہے۔ قلابہ یہ معلوم کر چکا ہے کہ میں مسلمان ہوں اور اپنے سلطان کی طرف سے جاسوسی کی خدمات انجام دے رہا ہوں۔ صبح مجھے حراست میں لے کر مرگڑا جائے گا اور جب میرا مصفا ہونا ثابت ہو جائے گا تو مجھے کیمیت کے سامنے لے کر کئے کی موت مار دیا جائے گا۔ نہیں سلطان کے ہم جو بیام دینا ہے مجھے اسی وقت دے دو اور یہاں سے نکلنے کی کوشش کرو۔

بت مانے کے لئے ہماری برسوں گنتی پھر جسے میں کسی وقت بھی کر کے جاسکتے ہو!"
 علی مروان نے کئی دن پہلے کی مرتبہ معلومات اسماعیل کے سوائے کہیں، خوفزدہ ہوا علی
 اسی وقت وہاں سے چلا گیا اور علی مروان اپنی ننگریں میں کھو گیا۔

جیسے مندر میں چند راتوں سے لانا تھا، پھر تو اس نے علی مروان سے پہلا سوال یہ کیا کہ
 "کیا رات اجنبی رو بہ تیر نہیں کیا تھا؟"
 علی مروان نے نفی میں جواب دیا اور چند راتوں کہنے لگی "وہاں جسے وہ یقیناً مسلمانوں کا
 جاکس تھا، وہ وہیں بھی جاسے بچا جائے گا۔"
 پر رات ہی میں درجہ حرارت دم اٹھا ہوا اور دنوں کے قریب آگیا اور علی مروان سے غصہ
 ہوا۔ "ست ہال آئی کی میں نے قبل مسیح میں کیا تھا کہ چند راتوں کا پیچھا کرتا تو تم پھر اس کے بڑی
 معلوم نہیں کون اتنے نادان تھے کہ ایک اب بھی نہیں مجھے کہ چند راتوں کے رک و پڑے تھو
 کے ساتھ نہ کریں دور رہا ہے؟"

علی مروان نے سادہ لہجے سے اس کا جواب دیا اور کہا "وہاں پر رات! میں سے
 شکوہ ہوں گا اگر تم اس رات سے پردہ اٹھا دو گے!"

پھر دوسرے دن ایک اور جیسے سے علی مروان کو گھبراہٹ اور چند راتوں سے کہنے لگا: "چند راتوں
 معلوم نہیں یہ بڑی بھڑک رہا ہے یا واقعی کچھ نہیں جانتا، اگر وہ واقعی کچھ سے لاعلم ہے تو یہ
 خود ہم سب کے لئے ایک راز ہے اور اس راز کی نقاب کشائی خود کئے بغیر ہوگی۔"
 چند راتوں اب سے تم ہو گئی اور کہنے لگی "وہاں پر رات! اعتبار سے حکم کی نہیں ہوگی۔"
 "کیسے؟"

"آج ہی شام تک!"

"خود؟" پر رات جانا بڑا ہوا: اگر سونا تھا جی کے بڑی کی بے عزتی اور عذاب کا
 خوف نہ ہوتا تو میں اس شخص کو میں برہنہ کر کے اپنے جیسے کے تصدیق کرتا لیکن یہ سوچ کر ڈر جاتا
 ہوں کہ اگر میرا سب سے بڑا ٹکڑا تو پھر یہ سونا تھا جی کوئی عذاب نہ نازل کر دیں۔"
 چند راتوں نے جواب دیا۔ "پر رات جی نہ سونا تھا جی کے عذاب کا خطرہ ہرگز نہیں
 نہ تو میں شرم تک اس کی اصل حقیقت سے نہیں آگاہ کر دوں گی۔"

پر رات نے نہ کی نظروں سے علی مروان کو گھبراہٹ اور چند راتوں سے کہنے لگا: "اور ان
 اس کا خیال رکھنا ایسا بڑا خطرہ نہ ہو جائے۔"

علی مروان نے نجات اسی میں دلچسپی کو اپنی جو کو کوال کوٹھانے کے مصداق، انداز میں
 اظہار کر کے اس نے پورے دن کے دوران اپنے اور ترقی کے میں بولا: "اس میں کوئی شک سونا
 جی کے ایک شخص یا بڑی کو شک اور شینے کی نظر سے دیکھ رہے ہو، اگر تم لوگ واقعی مجھے
 مسلمانوں کا جاسوس سمجھتے ہو تو میں اسی وقت دعوت الگ کر کے اپنے غیلم کو بولنے کا ثبوت
 دیتے کہ تیار ہوں۔"

پر رات کچھ متاثر ہوا اور اپنے شینے پر کچھ پیشان سنا ہو گیا لیکن چند راتوں کو بھی منہ
 نہیں کیا کہ اب تم سے چاہئے اور سمجھنے کی کوشش نہ کرنا۔

مندر سے دو دن ساتھ ساتھ نکلے تو بار ایک جگہ کو طے ہو کر باقیوں کو نے لگے۔ چند راتوں
 نے کہا: "پر رات جی کو تم پر شک ہو گیا ہے، روزہ اس طرح بگڑا بات دکر نہ کرے بغیر اب تم اپنی
 تلاش اپنے پر بارہ ہو جاؤ۔ اس مسئلے میں نہیں کچھ رعایتیں تو دے سکتی ہوں لیکن رعایت نہیں
 کر سکتی۔"

علی مروان نے ہلاکت کے لئے نہ ہی سے کہا: "مجھے کوئی رعایت دے کر رہیں، تم جس طرح
 چاہو، میری طاقت سے اطمینان کرو۔ میں مطمئن ہوں، میرا غریب مطمئن ہے۔"

چند راتوں سکون ہوئی ہوں "اب تم بہت قریب آ گئے ہیں۔ میں تم پر بہت اعتماد کرتی ہوں۔
 اپنے جیوں کا سرگرم مجھے بہت اچھے لگتے ہو، تم بڑی بہتر اور گروہ ہو جس کا تم پر گروہوں کو شک
 ہے تو مجھے کوئی پروا نہیں، میں تم سے لئے دکھائی جی نہیں کی۔ میں یہ نہیں کی جانے سے چکی ہوں
 یہی میں نہیں نہیں مار سکتی، نہ جسے ایسا کیوں ہو گیا ہے۔"

علی مروان نے ہلاکت سے کہہ: "نہیں چند راتوں! تم میری جان کا گروہ اور میں جو کچھ میں
 اس سے پر رات جی کو قطع کر دو۔ میں تم سے کوئی رعایت نہیں چاہتا۔"

"پاگل کہیں گے۔" وہ خوشی سے بولی: "تمیں خوش کرنے کے لئے میں آج ناک کی محفل
 سناؤں گی۔ اچھے اچھے گیت سناؤں گی، شام کی چوہا کے جلد ایک جگہ میرے ساتھ چلاؤں وہاں
 میری قربت سے نہیں بہت لطف آئے گا۔"

علی مروان اپنے خوف اور اندیشے چھپاتے چند راتوں کے دالہا نہی سے لطف و
 مسرت حاصل کر رہا تھا۔

وہ سنا کر وہ علی مروان کو ترقی میں کے پاس لے گئی۔ ترقی میں انہیں دیکھتے ہی کھڑا
 ہو گیا۔ چند راتوں سے بڑھیا: کوئی بچا گیا؟

ترقی میں نے خوشی اور کچھ داسی سے جواب دیا: "صرف ایک شخص، دوسرا لگا گیا۔"

ہے آدمی اب بھی اس کا بھیا کرے جس بیتیال سے کہ وہ ایک دن میں وہ بھی پڑا جائے گا۔
چندراوتی نے پوچھا: "وہ بچہ اب اسے والا بخشہ کہاں ہے؟"
رتن سین اسے ایک تنہا خانے میں لیے گیا، جہاں دن میں بھی چراغ کی روشنی ڈال کر

تھی چندراوتی اور علی مردان دونوں نے اس کی عیادت کی، یہ وہی زوردار مایکل تھا
علی مردان کا دل دھک دھک کرنے لگا، مایکل نے علی مردان کو انجینئر کی صلاح دیکھی، رتن سین
نے علی مردان پر ایک اجنبی نظر ڈالی، پھر کہنے لگا: "اس کا پس کسی کی کوئی خدمت تھی، جسے
اس نے گرفتاری سے پہلے ہی اپنے کسی ساتھی کو دے کر چھوڑ دیا۔"

چندراوتی نے پوچھا: "اب تم اسے کیا سزا دو گے؟"
رتن سین نے جواب دیا: "بہت ہی عذرت تھی، جس سے ہمیں کئی فائدے پہنچیں گے۔"

"رہنمائی؟"
"یعنی جو ہم نے سزا دے کر جنوں میں قربان کر دیں گے، ہم سے رہا ہونے والے سزاورد
ہر ایک میں جس کا اس نمرانی سے بہت علاج ہو رہی نہیں ملتا۔"

چندراوتی سوار نظر آئے اسے اس کی صورت دیکھنے لگی۔
رتن سین نے چندراوتی کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا، کہنے لگا: "میں تو بے محنت کر رہی
چندراوتی لیکن تمہارے دل سے دور نہیں، میں نے سوچ دیا کہ تمہارے دل میں کتنی اپنا رکھ کر

پراختیا کی ہے کہ وہ تمہارا زہر زالی کر دیں لیکن میری یہ دعا ہے کہ تمہارے دل میں۔ پھر مجھے اس نے یہ بتایا
کہ اگر میں سوچ رہی ہوں کہ میری اپنے ہاتھ سے چندراوتی کی زبانوں کو دل میں جو منت بھی مانوں گا پوری
ہوگی، میں نے اسے اس مقصد سے شک دیا اور بت سادی کا ہنر دیکھا جب مجھے اپنے سچے ہوئے ہنر

پر اعتماد ہو گیا تو ایک دن میں نے یہ منت مانی کہ اگر سوچ رہی ہوں کہ تمہارے جسم کا پھیل کر دلی کر دیں گے
وہیں اب ایک نیا مذہب بنانے کا اس منت کے بعد میری دعا کا اثر دیکھنے لگیں جس نے سوچ رہی
دلی کو بت سادی کا کام شروع کر دیا اور سب پر بت کر شکر گزار ہو کر مجھے یہ دیکھ کر بہت غلام

ہوا کہ بت بہت ڈراؤن گیا ہے جس کا مطلب ہے کہ اگر بت حکم وقت کو بت پریشان اور اسے
جہاں دیر بادل کے رکھ دے گا۔ پھر وہ باتیں کرنا پڑا اپنے زور دے کر کہ میں داخل ہو گیا۔
علی مردان کو سختی تھی کہ اب تھا اور وہ کچھ بھی نہ تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ رتن سین نے

چندراوتی سے اظہار عشق کی تھا۔ اسی وقت اس کا من ٹوڑ دیا۔ ابھی اس کا جوش کم نہ ہوا تھا کہ رتن سین
نے ایک نئی حرکت کی، علی مردان کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے باہر لے جانا پڑا اور اسے بت بجا دیا کہ تم

ڈراؤن کر کے لیے باہر ہی رہو، مجھے چندراوتی سے کچھ خاص باتیں کرنی ہیں!"
لیکن چندراوتی نے رتن سین کو اس کا کہنے سے روک دیا۔ چلی، میںیں مت ہانپا، یہ ہے
ساتھ ہی رہیں گے، بہت بات ان کے سامنے ہی ہوگی۔
رتن سین نے رتن سین سے علی مردان کو دیکھا اور چندراوتی سے پوچھا: "چندراوتی،

کیا ست ہال جی مجھ سے زیادہ ہمدردی نوازش کے مستحق قرار پائے گئے ہیں؟"
چندراوتی نے کہا: "بات یہ نہیں ہے۔" پھر فرمایا کہ اسے اپنی میں ست ہال کی کمر
سے زیادہ بھی پسند کروں تو میری یہ حاجت نفع دلے، میں چاہوں تو ست ہال جی سے نصف انداز
ہو کر انہیں دوں کہ سوجائے دوں، لیکن میں ایسا نہیں کر سکتی، جو سب میں ایسا نہیں کر سکتی تو ست ہال

ست ہال جی سے خواہ مخواہ کا رشتہ واحد بھی نہیں رکھتا ہے۔"
رتن سین شرمندہ ہو گیا، علی مردان کے کاندھے سے ہاتھ ہٹا لیا اور چندراوتی سے بولا۔
"دوڑی! جیسی ہمدردی مرضی، پر یہ دل نہ بات ہو گا نہ ہے۔ مجھے معلوم ہے یہ غلط ہے۔"

پھر وہ دونوں کو ایک ایسے رستے کے سامنے لے گیا جس کا گال پر دو کون کے مغرب میں
اور ہر ایک طرح چٹک پڑا تھا، اظہار کشادہ اور دونوں کانوں میں آواز سے بڑے ہوئے تھے۔ گلے
میں مچھولی کی زبانیں جو سینے پر لگی ہوئی تھیں، سر نہ تھیں، اور دونوں ہاتھوں میں کول کے چھوٹے
تھے اور بائیں گلہزن تک سنا تھا یہ سورہ دینا کات تھا جو بہت بڑا تھا۔

رتن سین آہستہ آہستہ کہنے لگا: "جب سورہ دینا کا یہ بت کرنا ہو گیا تو ہم دلی
نے اس کی تعجب کشانی کی اور اس کا ٹرا کر دیکھ کر اس وقت یہ بتا دیا تھا کہ سورہ دینا کا سب سے
بڑا بت بنانے سے کہ اگر وہ ہم پر سنا ہی نڈل ہوگی۔ اتفاق کی بات کہ سورہ دینا کے ایک بت کہ بت
ابھی ذرا پچھ کر پڑے۔ اس پر روت جی نے بتا دیا کہ اس سے اطراف ہی چند لاکھ ایلے کا انڈیش ہے۔"

علی مردان رتن سین کی باتوں سے کہنا تھا: "ابا جی چندراوتی کی آواز سنی رہی۔ وہ
رتن سین سے کہہ رہی تھی: "رتن سین! ہم کچھ بھی کر رہا ہوں چندراوتی مجھ سے بڑا دیکھ کر کہ تم میرا خیال
چھوڑ دو، اگر نہ دے تو اس طرح اچھوٹا میں چھلے رہے گی۔"

"ایک کوشش اور کروں گا۔" رتن سین کہنے لگا: "مست ہی تو ہے میں سورہ دینا کا ایک بت
اور بنا رہا ہوں۔ اگر اس کوشش میں کامیاب ہو گیا تو ممکن ہے سورہ دینا کا پھر پھر بتی کر لی اور انہیں
رشت سے پاک کر دیں۔"

چندراوتی نے ہلوس سے کہا: "پر کوشش بھی کر کے دیکھ لو، لیکن میں کچھ اور سوچنے لگی ہوں
دوڑی دینا تو ہر سے میرا اعتقاد اظہار ہا ہے۔ ہمارے دیکھوں کا علاج نہ سوچ دینا کہ ہاں

چندراوتی نے ہلوس سے کہا: "پر کوشش بھی کر کے دیکھ لو، لیکن میں کچھ اور سوچنے لگی ہوں
دوڑی دینا تو ہر سے میرا اعتقاد اظہار ہا ہے۔ ہمارے دیکھوں کا علاج نہ سوچ دینا کہ ہاں

ہے دیکھی چہروں والے پر ہانکے ہاں۔
 رتن میں نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا، خوفزدہ لہجے میں بولا: جندرا داتی! تو نہ مارنا تک
 ہوتی جا رہی ہو۔ دیکھو، غلط خیالات اور جھوٹے دشواریاں نہیں کہیں کا بھی نہ رکھیں گے۔ بالکل
 صحت ہو۔

جندرا داتی نے علی مردان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا: "صحت پائی جی تم میں تمھارے چلو۔ وہاں
 کچھ دن ہو کر میں جلدی آ کر تمھیں جانوں گی اور بغیر زندگی کی کسی چیز کے نہ دوں گی۔
 رتن میں نے چونک کر کہا: کیا یہ اچلی ہو گئی ہو؟ تم اپنی بابت اتنا برا فیصلہ چاہ
 کیسے کر سکتی ہو؟ کیا وہاں پر روتیں نہیں بنائیں سے؟ بساں میں ملے جانے دیں گے؟ نہیں تو ابھی مسلمانوں کے
 بادشاہ مغربی کے غور کے لیے کچھ کرنا ہے، سننا ہو کہ جو کچھ میں آئے ہی والا ہے۔"
 جندرا داتی کی آنکھوں میں آنسو آگئے مگر جلدی اور دیلے کسی سے اس کا دل ہلکا رہا۔
 اس میں نظری، حامل میں علی مردان خود کو تنہا تھا اور ابھی ابھی غصوں سے کرتا رہا۔

مہادیو کے بت کے سامنے عقیدت مندوں اور پرستاروں کا ہجوم جمع ہو گیا تھا۔ یہی آنکھوں
 والا مہادیو جس کی میری آنکھوں دونوں آنکھوں کے درمیان چٹائی پر رکھی ہوئی تھی۔ ایک
 ہاتھ میں ترشل اور ٹھوڑا دوسرے سے اپنی پیچ کر رکھتا ہے ہوتے، جو اس کے سینے سے
 چٹنی ہوئی تھی، اس پر چاندنا تھا۔

مہادیو کے منہ پر دو کاسیراں اور تاجے والوں کے برے آمو جوڑے اور چھت میں
 دیواروں میں بے شمار دیے روشن تھے۔ جی کی روشنی سے مندر کی فضا دل کی تھی۔ علی مردان اور
 جندرا داتی اگلی صف میں کھڑے اس کیلے رنگ و نور سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ رتھ مہادیو
 گانے دایاں پیلے، اس طرح دوسرے رنگوں کے کپڑوں میں ملبوس ہو کر مہادیو کے اشارے کی منتظر
 کھڑی تھیں۔ جیہ روڑا مہادیو کے پیچھے سے ٹھوڑا ہوا اور رتھ سے پتا ہوا مہادیو کے قدموں میں
 گھلا ہو گیا۔ مہادیو باری کچھ لوگوں نے سر اٹھا کر دیکھا۔ یہ بھی دیکھ کر ایک نوعمر اور ان کی لڑا
 رتھ کو گرا کر گرنے لگے۔ وہ ان کے اشارے کیلے اٹھنے کا اشارہ کیا۔ وہ اٹھی اور جیہ روڑا کی آنکھوں
 جیہ روڑے اس کے کانہ سے برہانہ رکھ کر اسے اٹھنے کا اشارہ کیا۔ وہ اٹھی اور جیہ روڑا کی آنکھوں
 میں عقیدت و احترام سے کچھ دیکھا۔ جیہ روڑا ایک دفعہ شریعہ کر دیا۔ یہ سب کی طرح پروا رکھتی
 ہوئی کبھی مہادیو کے قدموں میں چلی جاتی اور کبھی اٹھنے کے قدموں ٹھکر کر دیتی آتی اور مہادیو کے
 پرستاروں کے سامنے جیہ روڑا کرنا پڑتا تھا۔ علی مردان کبھی اس نوعمر مہادیو کو دیکھتا اور کبھی

جندرا داتی کو دیکھتے گئے۔

ایک کے بعد ایک رتھ مہادیو کے ڈھنچے میں اندر اپنے کمال کا مظاہرہ کر کے چلی گئی۔ جیہ روڑا
 گانے والوں کی بری آتی اور انہوں نے نہایت لطیف مسروں میں معلق ہو کر تان میں جیہ روڑا
 شریعہ کر دیے۔ جندرا داتی کبھی شریعہ کر کے تان میں معلق ہو کر تان میں جیہ روڑا
 پچھلے ہر سب پر لوگ مندر سے ہاتھ لگتے تو علی مردان کو سخت ہلکے لگی ہوئی تھی اس نے
 جندرا داتی سے کہا: "تم کبھی اپنے بھائی میں سے چلو اور کبھی نہ کھڑا رہو۔"

جندرا داتی نے کہا: "کیا تم دوسروں کے گھر کھانا کھانا نہ کر سکتے ہو؟ اور جھوٹ جھات
 خصوص نہیں کر سکتے؟"

علی مردان نے جواب دیا: "جیہ روڑے رتن میں سے جیہ روڑے تان میں سے رتن میں
 کر سکتے ہو؟ گزرا تھا کرت، خشک ہو گئی ہو۔ اب جو مہادیو نے مجھے سنا رکھا ہے تو میں غصوں سے کرتا رہوں
 کہ مہادیو میں سب کچھ چاہتا ہے۔ ویسے چاہتا ہوں تو ان کی بھی بہت شہرہ میں۔"

جندرا داتی نے ایک جھپکے کے بغیر علی مردان کو دیکھا اور پوچھنے لگی: کون سی چار
 باتیں، ذرا بھی سمجھتی تو رہتا؟"

علی مردان نے جواب دیا: "مثل مشہور ہے لہجہ کر دیکھتے جیہ روڑا عجبات، مفتی نہ دیکھتے
 ذات بذات، مینڈر نہ دیکھتے توئی کھاٹ اور بائیں نہ دیکھتے رتھوں کو کھاٹ۔"

جندرا داتی نے سنا تھی سے علی مردان کو دیکھا اور کہنے لگی: پھر جیہ روڑے میں نے کھانا کھا نہیں
 کھلاؤں گی۔ میرا کھانا میرے لیے ہے، جیہ روڑے میں نہیں کر سکتی گے۔

علی مردان طنز کرنا ہوا بولا: "نہ کوئی نہ کوئی نہ کرنا ہے۔ شاید تم بھول گئی ہو کہ تم اپنی قربت
 کے باوجود اتنی دور کی باتیں کر رہی ہو۔ ایک بھلا سے درمیان ابھی جیہ روڑے دوسری رہ گئی ہے؟"

جندرا داتی ایک "ام سجدہ ہوا بھی بوجھا۔ کیا نا ارض ہو گئے؟"
 نہیں خواہ۔

پھر بائیں باتیں کر رہے ہو؟
 میں ایسی باتیں نہیں کرتا تم جیہ روڑے کو توڑنے لگے ہو۔"

جندرا داتی نے اس سے بولی: "میرے باتیں کر نہیں جانتے ست پال ہی میرے کھانے
 میں نہ رہتا ہے۔ تم ایسے کھانا نہ نہیں رہ سکتے۔"

علی مردان نے آند دیکھی سے کہا: "تم اپنی بات گھل کر سب کی کیوں نہیں بتاؤ؟ جندرا داتی
 آپ میں دشمنی ہے؟ اے کھانے میں نہ شامل ہے؟ تم یہ کیسے باتیں کرتی ہو؟"

ہندوؤں کی خدمت و عبادت سے روئے ہٹا کر اس کا چہرہ تشریف لے گیا۔ جہاں میں کسی بھی
 اپنے محبوب کو کسی طرح بھی خوش نہیں کر سکتی۔ اسے اپنے گھر کا کچھ کھانا بھی نہیں سکتی۔ نہ کچھ
 کیوں نہیں دیتے۔
 علی مردان اس عجیب و غریب و غیرہ کو پس دیکھتا رہا۔

پھر ایک کثرت مزاج اور سخت خود غل کا ملک جو ملک میرا نام، دیونا مت
 شخص گذرا اسے کرا گئے بڑھا اور اسامی علی کے پاس کھڑا ہو گیا۔ وہاں پر بہت جہم دیونے
 گردن اٹھائی اور آہستہ آہستہ بولنا شروع کیا:

”سو منات ہی کے بچار اور خدمت گزارو! یہاں تک شخص جو منات ہی کے دربار
 بندھا ہے اسے اسماؤں کے بادشاہ کا باسو میں تھا۔ اس نے غزل کے بادشاہ کو دربار سو منات کے دار
 بیچ دیے ہیں اور اب اس کی عریض نظری سو منات کی طرف اٹھنے لگی ہیں، اس شخص کا باسو میں
 کے علاوہ ایک دوسرا سنگین جرم بھی ہے۔ یہاں تھا اور وہو کے سے ہمارے مندروں میں داخل
 ہو کر ہمارے دشمن اور پڑوسیوں کو ہار کر مارا ہے۔ شاید اسی وجہ سے ہمارے ہم
 رہنما نازل کیا ہے کہ سو منات کی زمین کی وجہ سے سخت مصیبت میں گرفتار ہو گئے ہیں۔ سو منات کی
 اس مصیبت سے نجات دلانے اور اس مصلیٰ کے ہانک دینے کی گندگی کے پانچ پتے کے لئے
 ہیں اسے جھینٹ پڑھا ہے پڑے گا۔ سو منات ہی اس کی جھینٹ چاہتے ہیں۔ جب اس کا گرم گرم
 خون سو منات کے گونوں میں جائے گا۔“

تو انہیں سکون پہنچے گا اور ان کے غصے اور غم میں کمی آجائے گی۔
 پھر اچانک ان سب رجمن کا دورہ کر گیا۔ سبھی پر مہربان برٹ رہے اور اسے
 زد و کوب کرنے لگے۔ یہی جہم دیونے انہیں بٹایا اور چند راؤ کی کڑا شائے سے قریب بلایا۔
 چند راؤ کی کڑا جہم دیونے قریب بنا کر کھڑی ہوئی۔

جہم دیونے علی مردان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا: ”چند راؤ کی ایک تڑپنے ٹھہرا کے اس
 بازو کی بات اپنا اطمینان کر رہا ہے۔“

چند راؤ نے جواب دیا: ”ہاں وہاں پر رہتا ہے۔“
 جہم دیونے دل میں اترے ہائے و نظروں سے چند راؤ کو گھورا اور کہنے لگا: ”اس بازو
 سے کہو کہ سو منات ہی نے اسے اپنی خدمت کا بہترین موقع غلط کیا ہے۔ میری خواہش ہے کہ دو
 قسم آگے بڑھے اور جو دار کے ہاتھ سے گذرے اسے کرا میں مگیش کا سر اپنے ہاتھ کے ایک دار سے
 لٹک کر دے۔“

چند راؤ کی اس حکم سے گھبراہٹ ہو گئی۔ وہاں پر رہت ہے۔
 چپ چاپ علی مردان کے پاس واپس گئی اور کچھ بھی آواز میں جہم دیونے کا حکم سنایا۔ علی مردان کو ایسا
 لگا جیسے چند راؤ کی کڑا کو جس کے کنارے دار سے آکر کول میں کڑب کڑی ہے۔ انکار کا تاثر
 کا کوئی مرتبہ نہ تھا۔ وہ کچھ سوچے بغیر آگے بڑھا اور میرا نامت دوسرے گذرے اسے لیا۔ اسماعیل

چاند گز رہی پڑ رہا تھا۔ اس بڑی ساعت میں سارے بھاری پریشان اور مضطرب
 پھر بیٹے تھے۔ سو منات ہی کے سامنے ان دن کا ایک ٹھٹھٹہ لگا رہا تھا۔ وہاں پر بہت جہم
 سو منات ہی کے مندر میں لگی کے دیے جل رہا تھا۔ سو منات ہی کے سامنے کی جگہ غازی کی
 تھی۔ اور پھر باؤ داشت در پتھر کی ایک مثل کھڑی تھی جس کے پاس زرد و سرخ
 گولیاں گچھ کے لوگ اس طرح آکر اسے دیکھ رہے تھے جیسے وہ کسی دوسری دنیا کی مخلوق
 اسماعیل کا یہاں دس آدھائی تھا، مگر دیکھتے تو اسے ایسی ہی نظریں میں لگتی تھیں کہ وہ کوہِ مسلمہ
 چند راؤ کی اور علی مردان بھی اس کے قریب گئے۔ اسماعیل نے انہیں دوسری سے
 دیکھ کر بڑبڑا کر شروع کر دیا۔ اس طرح جیسے دیکھنے کی بدھشی کے کرب میں تھلا رہا ہوا اس وقت
 اپنی مادری زبان میں بڑبڑاتا ہوا۔ اس کی بڑبڑاہٹ میں علی مردان کے لئے پیغام تھا۔ وہ علی مردان
 سے کبر ہاتھ تھا۔

”سلطان عیان تک آچکا ہے۔ آتے ہوئے انجام سے متعلق کر دینا۔ میری خوشی دار کچھ نہ
 جائے گا۔ جب وہ سو منات کا قلعہ حاصر جس کے لئے تو جہم دیونے کی لوگ میں بیانات نامیہ
 سلطان کو مطلع کر دینا کو قلعے کے صدر چاہک کے بائیں طرف قلعے پر چڑھنے کی کوشش کر دینا
 وہاں مائیتوں کو اور برے جانے کی غرض سے قلعے کی تفصیل بہت چوڑی کر دی گئی ہے جس کی وہ
 سے سلطان کے ہزاروں آدمی اور بیٹے قدم جا سکتے ہیں اور سلطان کو یہ بھی بتا دینا کہ
 کے لوگ ہوش اور علی کے بجائے سو منات کی کراست پر زیادہ جھوڑ سکتے ہیں اور ہائی ایک
 بات اور نہ ہر ایک ناگن چند راؤ کی سے سرشار رہنا اور سلطان کو بھی اس کے زہر سے
 پہلے کی کوشش کرنا پرور بہت ہی اس کی دوسرے ستر نہیں کسی طرح سلطان کو لاک کر دینے
 کشش کریں گے۔ یہ خطرناک ناگن سلطان کو توں کو لاک کر دینا چاہیے گی۔ سلطان کو اس کی زہر
 محفوظ رکھیں۔“

ایک وحشی اور اشد بدلت آگے بڑھا اور اسماعیل کا منہ زکریا۔
 علی مردان سے یہ نظر دیکھا نہیں جا رہا تھا لیکن وہ دیکھنے پر مجبور تھا۔

سے ہم کر علی مردان کو دیکھا اور ہمیں کرنے کے انداز میں بغیر مندی زبان میں بوجھا۔ ترجمے میں نقل کرنا
 لیکی میری زندگی کے دن اس عورت کے زہر کے وجہ سے پہلے ہی کہہ گئے تھے۔
 علی مردان نے کوئی جواب نہ دیا۔ گندہ اسے والا تھا اور اچھا اور پوری توت سے نیچے
 اٹھیل کر جسم سے الگ کر دیا۔ اس کی ایل کا جو پھر کے لنگہ بنی کی دھند غار سے کی طرح اچھل اور
 سونوات کی کے چون تر کرنے لگی۔ کچھ چھینٹے علی مردان کی وجہ تو بھی کر کے پیادوں طرف سے
 عجیب قسم کا شور مچا اور بعض ہیئت زور زور سے اٹھ کر بڑھتے تھے۔ علی مردان کی ایل
 مکتہ ہو گئی۔ وہ اپنے پیچھے کے آواز تھپتھپاتے اور چند داتی کو ساتھ لیے بیٹوں منظر چھوڑ
 چلا آیا۔

اسا چل کر موت کے بعد متھو کے پانی کر شہر نہیں لگا گیا۔ چند داتی اس سے اور زیادہ
 قریب ہو گئی۔ دوسری طرف دن میں کے لیے علی مردان ایک سنہری گن تھا۔ وہ سرور دینا
 ایک دوسرا تہ بانے میں مروت تھا۔ اس کا عقیدہ تھا کہ اگر وہ سرور دینا کا تہ بانے میں کا مایا
 ہو گئی تو یقیناً دینا اس پر مرنی کرے گا اور چند داتی کا ہوش چوس کر اسے دام اور بے حس
 عورت بنا کر گئے۔

بڑا عرب کے ہوا میں جو کبھی پیادہ ہی تھیں جس سے طبیعتوں میں کسا مندی اور
 پیدا ہوئی تھی۔ پیادوں طرف افراد کھینچے ہوئے تھے کہ سونوات کے قریب آجکے ہیں۔
 قتلے کے درد سے بندھے جا چکے تھے اور اوکھی اوکھی ہرجوں اور فضیل سے اپنی سونوات
 محمودی لشکر کا اشترا کر رہے تھے۔ بڑے خبر میں جلی جلی ہوئی تھیں اور سونوات کے لڑائیوں
 کے دلوں میں جوش اور سہجان کے ساتھ ہی نگرانی کی نسبت اور خوف بھی کا فرو تھا۔
 چند داتی مختلف قسم کے بیٹوں اور سالوں سے اپنے جو بھی اور زیادہ نکاحا رہا
 کرنے کی کوشش کر رہی تھی اب وہ علی مردان سے بھی بہت کم فاصلے تھی۔ ہاں رن سین کی
 اعداد و صرف زیادہ بڑھ چکی تھی۔ سلطان کی آمد سے پہلے ہی علی مردان موقع بار سونوات سے
 نکل جانا چاہتا تھا اور جانے سے پہلے چند داتی سے ایک طویل ملاقات کا خواہشمند تھا۔
 ایک دن صبح ہی صبح رن سین چند داتی کو لٹا کر لے آیا اور علی مردان کے حجرے میں پہنچ گئی۔
 دیر بعد چند داتی بھی وہاں پہنچ گئی۔ چند داتی سے دونوں کو جانا طلب کیا۔ رن سین ان
 مست پال جی کے سامنے تھے۔ چند داتی میں کرنا چاہتی ہوں۔ پتہ نہیں لگا کیا ہو جائے۔ اسی لئے
 میں ایک اہم بات کو ضرور ہی کہتی ہوں۔

رن سین کے ساتھ ہی علی مردان بھی جہنم منور ہو گیا۔
 چند داتی کچھ اور پرورش رہ کر لڑی۔ میں چاہتی ہوں کہ تم دونوں کو اپنے آئندہ
 منصوبے سے مطلع کروں اور یہ بات دونوں میں سے کوئی ایک بھیجنا چاہتی ہوگی
 طرح اور کسی شرط پر حاصل کر سکتا ہے۔ پھر علی مردان کی طرف دیکھتی ہوئی بولی۔ لیکن میں
 رن سین کی خوب اور کچھ بھی نظر انداز نہیں کر سکتی۔

علی مردان کا دل بڑے ڈر سے لگا ہوا۔ چند داتی میں متھو دا پس جانا ہوتا ہوں۔ اگر اس
 بغیر میں تم پر اس قدر ہوگی تو میں شاید شوکر نہ رہوں گا اور نہ کوئی شکایت بھی نہ کروں گا۔
 رن سین مر جھکے کچھ سونوات لہا تھا۔ علی مردان کی آواز پراسے اپنا سر
 اٹھا اور غرور وہ آواز میں بولا۔ ست پال جی! تم ابھی متھو دا پس نہ جاؤ۔ ہمیں رہو۔ غزنی
 بادشاہ آج باکل میں آنے والا ہے۔ وہ سونوات رن سین کو کش کرے گا اور اس جنگ کا
 ہی نتیجہ نیکے گا جو اب تک مسلمانوں سے جنگ کرنے کا نکتہ رہا ہے۔ مورہ دینا کا غلطی سے
 پراس جانے والا بت ہمیں بتا چکا ہے کہ یہیں شکست ہوگی۔ اگر نہیں شکست ہوگی تو میں خود
 میدان جنگ میں کسا ہی کی موت مر چکا ہوں گا۔ اس وقت چند داتی کو بتا رہی عزت
 کثرت سے محسوس ہوئی۔

چند داتی رن سین کی باتوں سے بہت متاثر ہوئی، بولی۔ تم کیسے طرح کر سکتے ہو کہ
 جنگ میں ہمیں شکست ہوگی کسی تو تم میدان جنگ میں ہی مارے جاؤ گے۔
 رن سین نے اس لفظوں سے چند داتی کو دیکھا اور کہنے لگا۔ چند داتی
 نہیں معلوم ہے کہ میں سیر دینا کا ایک دوسرا تہ بنا رہا تھا۔ میں نے بہت کوشش کی کہ
 کہ تمنا سب قائم رکھوں لیکن کیا کر آؤ اور سرور دینا بہت چھوٹے بن گئے اور یہ بات
 سبھی جانتے ہیں کہ اگر سرور دینا تمنا سب سے چھوٹے بن جائیں تو بنانے والے پران کا
 قہر ضرور نازل ہوتا ہے اور وہ شخص تباہ و برباد ہو کر اپنی جان تک سے ہاتھ دھو
 لیتا ہے۔ مجھے سیر دینا کے سرور ہو چکا ہے۔ اس لئے میرا اب کوئی مستقبل نہیں۔ نہ مستقبل
 زندگی، کچھ بھی نہیں۔

پھر بھی میری ایک خواہش ہے۔ چند داتی کہنے لگی۔ میں غریب سونوات سے
 ابر علی جانوں گی۔ اور غزنی کے بادشاہ تک کسی بھی طرح رسائی حاصل کرنے کی کوشش کروں گی۔
 کچھ غزنی ہے کہ محمود میرے حق کا گروہ ہو کر مجھے اپنے حرم میں مثال کے کا بھی میرا اس
 کے ساتھ چند رن سین گرا لیں گی کئی ہوگا۔ پھر سلطان کو دینا کی کوئی طائفہ بھی لے کر سیر دینا کے

ایک کو لے میں بھیجی ہوئی سیل پاٹی کے نیچے چھپا دیا اور پھر اپنی ملک واپس آگئی۔ علی مردان
 دیکھ کر دل کی بات کچھ دیر بعد چندراتی اپنی اصلی حالت میں آگئی۔ ایک خوبصورت اور حسن
 و خوبی کے درپے ہیں۔

چندراتی اور علی مردان سونا سونے کے درہو گوشوں کے بل بیٹھ گئے اور نہ
 ایک دوسرے کے ہوتے ہیے شادی نہ کرنے کا عہد کیا۔ علی مردان کے پاس اس کے سوا
 چارہ نہ تھا کہ وہ چندراتی کے احکام کی قبول کرے۔

علی مردان نے سرگرمی میں کہا: سونا تھی: میں نے چندراتی کو دل و جان سے چاہا
 ہے اور تمہارے سامنے اس بات کا عہد کرنا ہوں کہ مازیت چندراتی کے ہوتے ہوئے
 کسی اور عورت سے شادی نہ کروں گا۔

چندراتی نے اٹھ کر کھڑکی کی آواز میں کہا: سونا تھی: تمہاری نو داسی
 اس بات کا عہد کرتی ہے کہ میں تمہارے باری مست بال ہی کے سوا کسی اور کو نہ چاہوں گی اور
 ان کے ہوتے ہوئے کسی اور مرد کو لطف آنکھ نہ اٹھاؤں گی۔

پھر چندراتی کو سجدے میں چلی گئی لیکن علی مردان گھر خفا کی تدبیریں سوچنے لگا۔
 جب یہ دونوں ایک دوسرے سے موت اور زندگی کا عہد کر چکے تو کے باہر
 تو دونوں کے چہرے مسرت سے دکھ پڑے تھے۔ چندراتی کا تو الگ الگ مسرت و رشاد
 راستے میں علی مردان نے اس سے پرچھا: چندراتی تمہاری ہر بات عجب ہے

کیا تم بتا سکتی ہو کہ یہ ناک والا واقعہ کیا اور کیوں ہے؟
 چندراتی چپکے چپکے ہنسی ہنسی بولی: ناک تو میری غذا میں مسرت بال ہی وجہ
 ٹوٹنے لگا ہے اور اعلان میں ایک قسم کا کھنچاؤ اور سستی پیدا ہونے لگی ہے تو میں ناک
 ڈھکوا کر جاتی دوچہرہ بن جاتی ہوں۔

پھر علی مردان کو نفرت سا عکس ہوا لیکن چندراتی کے حسی کا سحر ہر خون پر جاری
 علی مردان کے لیے طبعی ہے، ہر نکلے آسان کام نہ تھا لیکن مجبور و اور چندراتی
 نے اپنے منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کا ارادہ کر لیا اور یہی عمل آسان ہو گئی۔ اس رات چندراتی
 اور علی مردان قلعے کے مغربی دروازے سے نکلے اور رچی سے جھگٹنے کے انداز میں نیچے

جھانٹتے نمود کے مشکو کے قریب سے گزرے۔ یہ ۱۶ جنوری ۱۶۶۶ء اور عجلت کا دن تھا کہ ان
 اتفاق میں عموئی سپاہ دریائے ہستی کے کنارے حیران کن قتل و مصلحت کے چندراتی اور
 علی مردان کو پکڑ لیا۔ انھیں مشہور تھا کہ جوڑا اپنے ساتھ کوئی خاص بیٹھام یا راز لے کر کسی ہمسند
 راجہ کے پاس جاتا ہے۔ چندراتی کے حسی و جان نے سمجھ کر کٹا کر لیا۔ جہاں یہ لگ کر
 گئے تھے، وہاں سے نمود لڑھکا ایک میل دور تھا۔ سپاہیوں نے ان دونوں کو الگ الگ
 قید کر دیا۔ اور ان سے راز انکارنے کی کوششیں کرنے لگے۔ علی مردان نے جو کچھ بتایا، تو ان
 پر یقینی کرنے کو تیار نہ تھا۔

چندراتی پر کبھی قتل کی گنجھ پلنے بادشاہ کے دربارے چلو۔ مجھے جو کچھ بتانا ہے
 اسی کو بتاؤں گی۔

اور علی مردان نے جیسے ہو ہو کر پلٹے نکلان سپاہیوں سے یہ درخواست کر رہا تھا کہ
 راز دے کے لیے چندراتی کو گھر سے مت لانا، وہ خطرناک عورت ہے۔
 دونوں کی گفتگو دیکھ کر ان کے اندیشوں کو یہ مشہور ہوا کہ دونوں ہی اہم شخصیتیں
 ہیں اور یہ یقیناً کسی اہم منصوبے سے کہیں جا رہے تھے اور ان کو راز دل عورت سلطان سے
 شاید اسی لیے لگا پاتا ہے کہ جو کچھ کہے معلوم ہے جلد از جلد نمود کو تیار کر دیا جس میں اس کے

اس کے برعکس مرد عورت کو نمود سے لیں دور رکھنا چاہتا ہے کہ ان کا راز راز ہی رہے۔
 علی مردان کا کام رہا اور چندراتی کو نمود کی خدمت میں پیش کر دیا گیا۔
 چندراتی کے پاس ناز و انداز کے شے تیر تھے، سمجھی نمود پر جانے لگی۔ اس کی
 مسکراہٹ، آواز کی کھٹک، جال کا مستندہ انازا، گاہ ہنس کر نمود کے دل پر چلی کرانے کی
 کوشش کرتی، گاہ طویل ہو کر چہرے کو سوگواریت کے سحر کا نابالغ حفاظ غشت تھی۔

عمود نے اس پیکر معانی کو غور سے دیکھا اور بے چین ہو گیا۔ ایسا ہی سب
 اور دلکش نہایت زیب اس نے کسی دیکھا ہوگا۔ نمود کے دامن طرف ملک ایاز بڑھا تھا۔
 وہ ملک ایاز جس میں عقل اور حسی یک جا ہو گئے تھے۔ ہلائی کا کشمکش نہ ہوتے۔ جسے
 بزدلہ فرشتوں نے اس کو کر کے پریشان میں فروخت کر دیا تھا۔ اور پھر اس کی راسخمت نے
 اسے عسکریک پہنایا تھا۔

عمود نے ایاز کی طرف دیکھا اور حکم دیا: "ایاز! اس فنکار غور و نظر سے پرچھو کہ
 ہمیں کیا بتانا چاہی ہے؟"

رعب و سلطان اور اقبال عمو دھ سے چندراتی کی ساری تیری و طراری ہو کر دی تھی۔

ابانے اس سے میسر ہو سوات کر دے اور انہیں اس نتیجے پر پہنچا کہ جس وجہ سے
 ساحرہ اپنے اصل منصوبہ کے سوا کچھ بنا سکتی ہے۔ ہر سوال کے جواب میں چنداوتی نے
 نے یہی جواب دیا کہ مجھے جو کچھ بتانا ہے سلطان کو تیلے میں تباہوں کی۔

جب ابانے سلطان کو اپنی کرکٹوں کے قتل باب سے آگاہ کیا تو محمود نے لاپرواہی
 اور بے نیازی سے ٹھکر دیا۔ وہ کی کو سخت گھائی میں رکھا۔ مگر یہ غم غمی پتہ کر اس سے ملتا
 کر گئے۔ پھر ابانے کہا۔ کھانا یا تم اس لڑکی سے کہہ کر کہہ کر ضروری حرکت نہیں بلکہ
 نئے اور مضمرہ قصوں کی تفسیر سنو یہ سب سے بڑی کمزوری ہے۔ ہم نہیں چاہتے کہ ہمیں
 ہندی عورتیں فتح کریں۔

چند روزوں کے بعد ایک دفعہ میں قید کر دیا گیا۔
 اور علی مردان بہت پریشان تھا۔ وہ نہ سہا کہ کہیں چنداوتی اپنے منصوبہ سے
 میں کامیاب ہو جائے۔ لیکن جب اسے یہ معلوم ہوا کہ سلطان نے اسے ایک شخصے میں قید
 کر دیا ہے تو اس نے سکون کا سانس بڑا۔

سلطان کی ایسا برا بازاء علی مردان کے پاس بونچہ گچہ کرنے پہنچا اور جب اسلے
 حقیقت کا علم ہوا تو اس نے علی مردان کو شہر سے طرہ دیا۔ علی مردان نے ساری روزوں
 ساری اور آخر میں بتایا کہ چنداوتی کی بابت اس غلام کو کس آتما ہی معلوم ہو سکا ہے
 کہ اس کے وجود میں زہر شامل ہے اور سوسنات کے قومی اور مندر کے بڑے پرہیز
 نے اسے سلطان کی خدمت میں بھیج کر حضور کی ہلاکت کا منصوبہ بنایا تھا اور اس کے
 باوجود کہ سلطان کا غلام یہ سچا ہوتا ہے کہ چنداوتی کو کوئی نقصان پہنچنے یا بار بار ہی کہے
 گا کہ اس عورت پر سلطان کو اعتبار نہیں کرنا چاہیے۔

محمود نے بے نیازی سے کہا کہ جب بقول تیرے اس عورت کے وجود میں
 زہر گھلا ہوا ہے تو پھر تو اس میں کیوں دلچسپی لیتا ہے۔ تاہم کوڈر نے کے لیے ہاں لائے
 کی دانستہ حد کا ہے۔

علی مردان کھنگھیا گیا، بولا۔ غلام کی غشا تو یہی تھی۔ وہ ایسے حضور کی عیسوی مرضی
 ہو۔ اس کا حکم صادر فرمائیں۔

اسماعیل کی ہلاکت کا حال سن کر محمود کو دکھ پہنچا۔
 سوسنات کی برائیوں اور فضیلتوں پر محمودوں کا بوجھ تھا اور وہ صبح سیر کر سکا
 سے کہہ رہے تھے کہ اسے مسلمانوں کے لیے ایک نیا گناہ اور مردوں کو تباہ کر کے
 ہو پاپ کیلئے ہیں اسوسنات ہی نے ان کی سزا دینے کے لیے نہیں یہاں تک پہنچا دیا
 ہے۔ اب تم واپس نہیں جا سکتے۔

اوپر سے تیروں کی بوجھ پر محمود ہی تھی اور نئے مسلمان قلعے کی تفصیل تک پہنچ
 سکے تھے۔ تیروں کی باتیں ان کے ارادوں میں عین عین سے منع اور عقلی۔ یہ سوسنات
 کی مادر سے قلعے پر چڑھنے والے مسلمان زخمی ہو کر بیٹھے گروہ تھے اور سیرھیلوں کی
 غالی ہو کر دوسرے سپاہی لے لیتے تھے۔ مسلمان تیرا نڈا بھی تیروں کی بوجھ سے تفصیل
 کی ہندو سپاہ کو پیچھے چھوٹ رہے تھے۔ اس سیرھیل میں شام ہو گئی اور دونوں فریق اپنے
 اپنے ٹھکانوں پر واپس چلے گئے۔

دوسرے دن ہی وہ سپاہ پھر تفصیل پر چڑھنے لگی اور ہندوؤں کی زبردست مزاحمت
 کے باوجود اور چڑھ گئی۔ تیرا نڈا کی موت ہوئی اور نئے سپاہیاں اور سکواہیں انسانوں کو
 زخمی اور ہلاک کرنے لگیں۔ مسلمانوں کی شہما سخت اور بے جا ہو گئی سے خوفزدہ ہو کر سوسنات
 کے بھائی اور میں داخل ہوئے اور اس سے پٹ کر گریہ و زاری کرنے لگے۔ محمود سپاہ مندر
 کے دروازے پر پہنچ گئی۔ ہندو سپاہ مندر سے نکلی اور دروازہ وار سکواہیں پر ٹوٹ پڑی۔ ان کا
 پھوٹنا شہید تھا کہ تیروں کے مسلمان سپاہی ہو گئے۔ لیکن شام تک عین حقیقت سے مسلمان
 عادی رہے۔ رات کی سپاہی نے دونوں افواج کو اپنی اپنی جگہ واپس جانے پر مجبور کر دیا۔
 قلعے کا پھانگ کھل گیا لیکن ابھی تک سوسنات کی محفوظ تھی اور ایک فیصلہ کن معرکہ
 باقی تھا۔ محمود نے حملے کے پھانگ پر ایک طاقتور دستہ بٹھار دیا اور خود لشکر میں واپس
 چلا گیا۔

تیسرے دن صبح محمود یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ قرب و حصار کے ہندو راجاؤں کے
 رئیس اسے محاصرے میں لے چکی تھیں اور یہ ساری تازہ دم فوجیں تھیں۔ محمود نے
 اپنے مشیروں سے مشورہ کیا کہ اب اسے کی کرنا چاہیے۔ آخر میں علی مردان نے یہ راہ کی
 بات گوش گزار کی کہ اگر جنگ فوراً شروع کی گئی تو ہندوؤں کو مزید ملک مل جائے گی اور
 ان کا مقابلہ دشوار ہو جائے گا۔ محمود سخت پریشان تھا۔ غزنی سے ہزاروں میل دور
 تھکی ہوئی سپاہ، واپسی یا فرار کی راہیں مسدود، دشمنوں کے علاقے، حریف کی کثرت،

برساری باتیں محمود کو پریشان کر رہی تھیں۔

عمود فوری جنگ کے لیے تیار ہو گیا۔ وہ مجلس مشاورت سے اٹھ کر ایک گوشے میں چلا گیا۔ حرقان کے مشہور بزرگ شیخ ابوالحسن کا حقوق سامنے بکھا کر سمجھدے میں لگ گیا اور دو دو کر کر کے دلاری کرنے لگا۔ اس نے دوتے ہوئے کہا۔

”اے رب العالمین! اس خستہ کے مالک کے طفیل دشمنوں پر فتح عطا فرما۔ تو میرا ہے کوئی تیرا عاجز بندہ دیار ہند کے سب سے بڑے بت کی شکست و ریخت کے لیے یہاں آیا ہے۔ تو اپنے

اس ناپزیر کی مدد فرما“

پھر جب دونوں لشکر آمنے سامنے آئے تو عمود نے اپنی سپاہ کے سامنے تقریر کرتے ہوئے کہا۔

”مسلمانو! آج میں تم سے کچھ زیادہ نہیں کہتا ہے۔ تمہیں صرف یہ بتانا ہے کہ دشمنوں کی کثرت سے تم بزرگ خود پروردہ نہ ہونا۔ جنگ کے دوران یہ بات ذہن نشین رکھنا کہ غزنی یہاں سے ہزاروں میل دور ہے یہیں جنت بہت قریب ہے“

اس کے بعد نور زینب جنگ جوتی قوشام سے پہلے ہی اس کا فیصلہ محمود کے حق میں ہو چکا تھا۔ محاصرہ میں کیے شمار تعداد فتن اور بقیہ فرار ہو چکے تھے۔ محمود علی روان کی کشتی میں کرکڑ کے ساتھ سونمات کے مندر میں داخل ہو گیا۔ امد مفتوح اور شکست خوردہ وصال پر دمیت جھیم دیا اور دوسرے بھاری صف بستہ بت کے سامنے کھڑے ہو گئے۔ عمود اپنے اراکے ساتھ بت کے سامنے پہنچ گیا۔ اس کے ہاتھ میں ایک بھاری گرز تھا۔ علی روان بند دانے ہاں میں ساتھ ساتھ علی رہا تھا۔ جھیم دیو نے اسے ہیرت سے دیکھا اور نظری جھکا لیں اور اپنی زبان میں بولا تو ہم نے تمہیں جسے میں غلطی کی تھی پھر درخواست کی تھی پالی جی! ہم تمہارے اصل نام سے واقف نہیں ہیں اور نامی نام سے مخاطب کرتے۔ تم اپنے بادشاہ سے ہماری سفارش کرو۔ وہ جتنی دولت چاہے ہم نے لے لیکن سونمات جی کو رتورے“

عمود نے علی روان سے پوچھا۔ یہ کیا کہتا ہے؟

علی روان نے صاف صاف بتا دیا۔ عمود نے اپنے اراکے مشورہ کیا؟ کیا میں اس پر وہ بت کا کتنا لینا چاہیے؟

امارتے مشورہ دیا۔ اگر ہم اس پیش کش کو مان لیں تو زیادہ اچھا ہے، اس طرح ہم

صرف ان کے دل ہیبت میں لگے جلا سونمات کے بدلے خاص دولت کی حامل بھی کریں گے۔

اور اگر ہم پروہت کی پیش کش کو ٹھکرا دیں تو؟ محمود نے کچھ سوچتے ہوئے دریافت کیا۔

”تب پھر اباز کہنے لگا۔ ہم مغز حسین کے دلوں میں اپنے لیے نفرت کے بیج بو دیں گے اور یہ بات بھی ملے کہ ایک سونمات توڑ دینے سے سلطان کی پرے ہندوستان کی بت پرستی ختم نہیں ہو سکیں گے“

عمود نے فرمایا کیا، پھر کہا۔ ملک اباز، ہم یہ بھی نہیں سمجھتے کہ ہمارے بعد لوگ ہمیں بت فروش سمجھ کر بھاریں۔ ہم محمود بت شکن کہلا جائیں گے۔

دفعہ محمود کا گز والا ہاتھ اور اٹھا اور سونمات پر پوری قوت سے گرا بت کھڑی ہوئی اس ٹوٹ کر اور دھڑکنے لگا۔ جھیم دیو اور دوسرے بھاری شیخ مار مار کر دیے۔ بت کا اوپر کی چھالے کی طرح ٹوٹ چھٹھ مین اس جگہ گرا، جہاں اسما علی کے نون کا بڑا دھبہ سیاہ ہو چکا تھا۔

علی روان، سلطان سے نظری بھاری کر اس پر جھک گیا اور آہستہ سے کہا۔ اسما علی تمہارا خون رائیگاں نہیں گیا۔ جس سونمات کے قدموں سے تمہیں قربان کر دیا گیا تھا، آج وہیں تمہارے خون پر سونمات قربان کر دیا گیا ہے!“

علی روان، محمود کی اہانت کے بعد چڑھائی سے ملے گی۔ وہ مفہم اور اداس نظریں میں بیٹھ بیٹھ۔ علی روان نے اسے مطلع کیا۔ چڑھائی، سونمات قلعہ ہو گیا ہے اور آج مندر اور شہر پر مسلمانوں کا قبضہ ہو چکا ہے۔ اب تمہارے ججروں میں محمودی سپاہ رہ رہی ہے۔

چڑھائی پر اس برسی خیر کا کوئی خاص اثر محسوس ہوا۔ علی علی روان کو دیکھتے ہی پھر بولی ”اور کیا ہوا؟“

علی روان نے جواب دیا۔ اور سونمات جی کو سلطان کے گرنے پر پارہ کر دیا۔ اور سونمات جی کا سر ٹک کر وہیں گرا، جہاں اسما علی نامی مسلمان قتل کیا گیا تھا۔

چند روزاتی نے غیر جذباتی لیے میں پوچھا۔ سونمات جی ٹوٹ گئے اور اسے توڑنے

والے اپنے جی نہ دے رہا تھا۔

”ہاں“ علی مردان نے جواب دیا، ”نصف زندہ ہیں بلکہ انھیں تو سوسناٹا ہی کہیں
دش بہا خزانہ بھی باقی لگا ہے جس کی قیمت کا اندازہ سو بائیس کروڑ روپے لگا یا کر
ہے“

چندرا داتی نے پوچھا، ”وہاں پر موت کہاں ہیں؟“

اس نے جواب دیا، ”وہ کہیں پھلے گئے۔ کسی کو کچھ بھی نہیں معلوم کروہ کہاں
پھلے گئے۔“

چندرا داتی نے نیا سوال کیا، ”تو سین کہاں ہے؟“

علی مردان نے جواب دیا، ”اس کا بھی کچھ نہیں پتہ، شاید وہ میدان رنگ میں
ملا جا چکا ہے۔“

چندرا داتی نے ایک بار پھر غور سے علی مردان کو دیکھا، ڈوچھٹا، ڈوڑھ متھرا، ادا
لگاں چلا گیا۔

علی مردان ہکا بکا اور اس سے فوری کوئی جواب نہ دینا چاہتا تھا، ”میں تمہارے
ساتھ جھگڑا ہوں۔“

چندرا داتی نے پوچھا، ”تھیں کوئی مزا نہیں دی گئی؟“

”نہیں!“ اس نے ہنستے ہوئے جواب دیا، ”صرف یہ کچھ کوئی مزا نہیں دی
گئی بلکہ میری وجہ سے تم خود مختار سلطان سے محفوظ ہو۔“

چندرا داتی ہارے ہوئے، اپنی قسمت پر شکریا کی کے انداز میں بولی، ”موت
چال چلی خوب اب پرانی اصل پر آگئے۔ تم یہ ہرگز نہ سمجھنا کہ میری آنکھوں نے تمہیں چپا کر
نہیں تھا کیجی، میرا ناٹک بنا اور دل کا ٹھیکہ ڈھکا، جس نے تمہیں زندہ رکھا۔ میں اندر
سے بہت لکھی ہوئی اور اسی ڈھکے نے مجھے بے حد رحم دل بنادیا ہے، تم سلطان ہو، یہ بات
میں بہت لوگوں سے سنا چکی ہوں۔“

علی مردان کی وہ حالت مژکنے پر کسی چور کی ایک ایسے شخص کے زبردستی اکڑتی ہے
جو جانتے بوجھتے اپنے مال کی چوری کا تار مار ہو اور آخر اس کا پتہ پراکشاف ہو جاتا ہے۔

علی مردان نے انھیں سے کہا، ”چندرا داتی، میں تمہیں سے سوسناٹا تھا، وہ
پروا ہو چکا ہے۔ ہم دونوں لوگ سوسناٹا لوگوں کا ٹھکانہ کھڑا خاک میں ملنے آئے تھے۔ تم نے
مجھے جو احسان کیے ہیں، ان کا انکار نہ کرنا چاہیے۔ ہر شخص جیبت تم پر کھڑکی ہے، تم انہیں
چاہتے ہو۔“

”میرا اور تمہارا ملحدانہ بی بیگ برقرار ہے، مجھ کو شاید اس صورت حال میں تم اپنے علم پر قائم نہ رہو۔“
چندرا داتی نے ہنس کر کہا، ”اگر تم کو تو ایک کام کرو۔“

”ہرے ڈھ“

”واپس سے چلے جئے قتل کرو۔“

علی مردان نے انھیں سے جواب دیا، ”ایسا نہیں چوسکتا۔“

”پھر مجھے میرے اپنے ہی حجرے میں چلنے دو۔“

”یہ منظور ہے، ایسا ہی ہو گا۔“

اور چندرا داتی کو جسے کی قید سے نکال کر اس کے اپنے حجرے میں پہنچا دیا گیا۔
چندرا داتی ایک سوسناٹا میں ٹھہرا، اسے یہ بھیجی جاتی تھی کہ وہ مشغول رہاں
وہ جانا چاہتا تھا۔ وہ غزنی کی حکومت اپنے بیٹے مسعود کے ہزار کے گجرات کو اپنا مستقر
بنانا چاہتا تھا کیونکہ اس کے امرا اور پورے اس کے اکٹھے ہوئے تھے، محمود کے ارادے میں
مراعہ ہوتے اور غزنی واپس چلنے پر مجبور کیا۔

علی مردان چندرا داتی سے — بار بار اس کے وجود میں معلوم نہ کر کے
بات پریشان رہا، لیکن چندرا داتی ہمیشہ ٹال گئی، اس نے کہا، ”میرے اسی انکشاف سے ہندوہم
کے ایک مہلک ہتھیار کا اس کے مخالفین کو علم ہو جائے گا۔“

علی مردان نے کہا، ”یہ ہتھیار غزنی کی ایک اب کوئی را نہیں ہا۔ جسے تم چھپانا چاہتے
ہو، شاید میں وہ سب کچھ سمجھ کر ہوں۔“

پھر جب غزنی سپاہ غزنی واپس آئے تو علی مردان چندرا داتی سے الوداعی
لمات کر کے گیا، بولا، ”چندرا داتی، میں غزنی واپس جا رہا ہوں۔“

”اچھا!“ چندرا داتی نے غریب مذاق سے جواب دیا، ”اچھا!
علی مردان نے پوچھا، ”تم یہاں کس کے ساتھ رہو گی؟ سوسناٹا تو ایک انقلاب
کا شکار ہو چکا ہے۔ یہاں کا تو نظام ہی بدہم رہیم ہو گیا۔ کیا تمہیں اپنے عہد پرانے
کا خیال نہیں ہا۔“

چندرا داتی نے جواب دیا، ”مجھے سب کچھ پتا ہے لیکن ایسے عالم میں کیا مجھے پراس
تھمہ کی پاسداری لازم ہے، جب کہ بساط میں ات گئی ہو۔ بہر حال اگر تین سین زندہ ہوتا
تو میں اسی کے ساتھ زندہ رہ جاتا۔“ پھر کچھ سوچ کر بولی، ”اگر تم ایک عہد کرو تو

میں تھکے ساتھ غزنی چل سکتی ہوں۔

دن میں کے ذکر سے علی مردان نے رفاقت محسوس کی لیکن غزنی پہنچنے کی خواہش نے اسے کسی قدر غور میں بھی کر دیا۔ بولا: "بولو، تم کو کون گئی پورا کروں گا؟"
چند دنوں کے بعد "میں تم جہیز کی بندہ ہوں۔ ہندو دھرم نہیں چھوڑ سکتی، جو ہندو دھرم سے مجھے کوئی خوشی نہیں دی۔ اسی لئے زہر کا دوسرے میری زندگی بھر کی خوشیاں چھین رہی ہیں۔ پھر بھی تم میری بات نہیں ہے کہ میں اپنے قدیم مذہب سے شکست منسوب ہو جاؤں۔ علی مردان نے کہا: "تو کچھ کہنا ہے صاف صاف کہو چند دنوں کی یہ بیلیا سے نہ بچھاؤ۔"

چند دنوں کے بعد "میں اپنی پہلی کر غزنی جا کر تم مجھے مذہب بدلنے پر مجبور نہ کرو۔ تم لوگ مجھ سے میرے پرلے متفقہ نہ چھینو۔"
علی مردان نے جواب دیا: "تم اس کی بالکل نذر کرو چند دنوں کی، ہمارے رسول نے فرمایا ہے: **اَلَا اَكْفَاةَ فِي الدِّينِ** (دین میں جبر نہیں ہے)، تم پر مذہب کے معاملے میں کوئی جبر نہیں کیا جائے گا۔"
"اہی میں تم سے منہ کا ایک ایسا راستہ اختیار کیا ہوں جو میرا اور دشمنوں کی مزارعہ کے باک تھا۔ سو نہات جی کے حاکم کو میں سے دو کے اور ایک روز رواد کر لے گئے اور وہ غزنی پہنچے۔ مجھ نے سو نہات کا ایک ٹھکانہ صبح مسجد غزنی کی چوکھٹ میں اور دوسرا ایران سلطنت کے صحن میں پرست کر دیا۔ جسکے اس کا مقصد یہ تھا کہ لوگ آتے جاتے انھیں اپنے پیروں سے دھندلا کر ڈال دیں۔"

غزنی میں علی مردان کو چند دنوں کی خواہش پر اس کے لیے سانچوں کا انتظام بھی کر پڑا۔ اس پر اسے اکتفا نہیں ہوا کہ چند دنوں کی کھانے میں کسکھایا استعمال کرتے ہیں۔ کسکھایا جلا کر اگھانا کھانے کے بعد چند دنوں کی خود کو سانچوں سے رسوا کی اور پھر بے مروت ہو کر کسی شہر کی طرح بستر بردار ہو جاتی۔
ایک دن اسے سو نہات جی کے دور کو بڑا عہد بیان شدہ دے یاد آ گیا۔ اس باہر جاتے ہوئے علی مردان کو روک لیا۔ بولی: "علی مردان! کیا تم مجھے اس کی اعجاز دے گئے کہ میں تمہیں صحت پال چکی ہوں؟ غائب کیا کروں؟"
"بھئی چند دنوں کی! اس میں مجھ سے اعجاز لینے کی کیا ضرورت ہے؟"
پوچھا: "تم کس قدر غزنی میں پڑھتے ہو بھلا؟"

اس نے جواب دیا: "مجھے کیا سوال پیدا ہوتا ہے چند دنوں کی، روز ہی پڑھتا ہوں میں قرآن!"

بولی: "تم قرآن میں میرے پاس لے آؤ۔"
علی مردان قرآن پاک کے کچھ اس کے پاس لے گیا۔
کہنے لگی: "اسے لے کر سرور دھو۔"
جب علی مردان نے قرآن سرور دکھایا تو کہنے لگی: "اب میں جو کہتا ہوں تم اسے اپنی زبان سے ادا کرتے جاؤ۔"
علی مردان نے کہا: "کہو، تم کیا کہنا چاہتی ہو؟"
وہ کہنے لگی: "کہو، قرآن پاک کی قسم، جب تک میں زندہ ہوں، تم کسی اور کوئی

اعجاز سے شادی نہیں کرو گے؟"
علی مردان نے کبھی پس پیش کے بغیر قسم کھالی۔ اس کے بعد اس نے چند دنوں کو غور سے دیکھا۔ اس کے چہرے پر بلا کسکوں پا یا جاتا تھا۔ غضب کی غلٹان اور بے اعتنا سا لگا۔
علی مردان نے زہی سے پوچھا: "چند دنوں کی، اب جبکہ میں تمہاری خواہش پر گیا ہوں، کچھ میں تم سے پوچھنا چاہتا ہوں۔ کیا تم اس کا صحیح صحیح جواب دو گی؟"
چند دنوں کے اپنی شہسوار کے اچھلے اور اٹھائے ہیں ان میں سرور سرور کے کہنے لگی: "بولی: پوچھو، میں تجھ کو نہیں پریشان کر دوں گی۔"
علی مردان نے کہا: "چند دنوں کی، ہم دونوں جی بے بات خوب اچھی طرح جانتے ہیں کہ ہم ایک دوسرے سے وابستہ نہیں ہو سکتے۔ تم مجھ سے شادی نہیں کر سکتیں۔ پھر ان حالات میں ایسی قسم کی کیا ضرورت تھی؟"

چند دنوں کی اس سوال سے گھر کے بچے ہنسنا اور ہنسنے لگی، بولی: "صحت پال جی! کیا تم مجھ سے محبت نہیں کرتے؟"
"مجھے کیا تمہاری نہیں چند دنوں کی؟ میں تو تمہیں جنوں کی حد تک ہی پہنچا ہوں۔"
"علی مردان! تم نے قرآن میں لکھا ہے: **اَلَا اَكْفَاةَ فِي الدِّينِ** (دین میں جبر نہیں ہے)، کیا تم اس سے انکار کر رہی ہو؟"
علی مردان نے دیکھا: "چند دنوں کی! انھیں تم جو کہتی تھیں، شہت جذبات میں چند دنوں کی کو سینے سے لگا لیا، بولا: "چند دنوں کی! میں معافی مانگا ہوں کہ میں نے تمہارا دل دکھا دیا۔"
چند دنوں کی نے جواب دیا: "علی مردان کو دیکھا اور کہنے لگی: صحت پال جی!"

میں بہت خود مغرور ہو گئی تھی، میں تم سے محبت کرتی ہوں اور محبت خود مغرور ہوتی ہے۔
جب تک میں زندہ ہوں، میں نہیں چاہتی کہ تم پر کڑی اور سخت مشق ہو جائے سالانہ میری
حیثیت ہی کیا ہے؟
علی مردان نے اسے بڑی قوت سے پھینچ لیا۔ پسند وادبی کی کسی ننگی گئی۔

مغربی میں بے ہوش ڈھائی سال گزار گئے، کرب وادب علی مردان کی شہرہ
کی بہت بلند ہوئی اس نے بہت قریب ادا اس سے بہت دور تھی۔ علی مردان سے اس
نے عہد کیا تھا اس پر شہرہ ہی رہنے لگی تھی۔ علی مردان ادا اس، مایوس
مایوس اس کے پاس آئے۔ دلچسپ باتیں کرتا اور ہر جگہ کھانے والی کھا جاتا۔ کبھی کبھی
بات اس سے اچھے بھی کر دیتا تھا۔ مگر اس شہر میں اس میں شدت کی
جگہ تھے، غلط کارفرما ہوتی۔ جیسے کوئی ایک نوزاد ہو کر اس سے بچا ہوا ہے
چند راتوں اب کچھ بچہ پڑوسی ہی ہو گئی تھی، شاید اسے احساس شدت کے ساتھ
دیکھا تھا کہ اس نے اپنی محبت کی خاطر علی مردان پر چڑاؤ کیا ہے۔ بڑی زیادتی کی ہے۔

اسی دوران دربار عثمانی کا بے شک عالم انور یگانہ الیٰس کی ایک مغرب
زمین پر محنت سے بننے کی۔ اس عالم نے علی مردان پر ایک انکشاف کیا کہ چند نوٹ لے کر
دستوں کے لیے جو ضروریات تھیں استعمال کرتے ہیں، یہ نہیں ہو سکتی تھی اس میں
ہیں۔ اس نے تیار کیا کسی زمین ترقی مند نے یہ بھی انکشاف کیا تھا کہ اگر
خوبصورت بچوں کو نہیں ہی سے نہایت مختار طریقے سے سکھایا کا عاری نہایا جائے
افعی انسانی سکھایا سکھائی جاتے تو زندگی کے لیے سبک نہ تو اس کی مقدار سے
بندوبست اضافہ کر کے مرنے کو جوان ہوتے ہوتے نہ رہا نہایا جا سکتا ہے اور آخر
ہی سکھایا کھاتے کھاتے مرنے کے جسم کی غذا اور ضرورت بن جاتی ہے۔ پھر

ان لوگوں کو کسانوں سے ڈسوا کر ان کے خون میں مزید زہر دوڑا دیا جاتا ہے۔ جب
حسین دیکھا کہ پوری طرح زہریلے ہو جاتی ہیں تو پھر انھیں اپنے دشمنوں کے پاس بھیج
کر ان کے دشمن آرمیوں کو ان سے ڈسوا کر ہلاک کروا دیا کرتے ہیں۔

علی مردان، انور یگانہ الیٰس کی بڑی حریت ادا انھماک سے ساری باتیں سنتا
رہا۔ اسے جھجھکی ہی آگئی۔
چند راتوں کی کچھ تیز تھا کہ علی مردان سب کچھ جان چکا ہے، ایک دن شام کو
جب وہ چند راتوں سے ملے پہنچا تو وہ بہت ادا اس تھی۔

علی مردان کو سامنے بٹھا کر دیکھنے لگا، دیکھتی ہی دیکھ کر چھوٹا سا مسرت پائی جی، اب
بھارت و کشمیر کجماں ہو گیا؟
علی مردان نے جواب دیا: "میں نہیں جانتا، مگر بادشاہ کا حکم ہو گا۔"
تو علی مردان نے بولی: "تو تم بھاؤ گے ضرور؟"
"ہاں، شاید ضرور؟"

بولی: "لیکن اب تم وہاں رہنا کیونکر وہاں میری ہی جھکیس اور چند راتوں میں
میں موجود ہیں اور چند راتوں میں میری طرح ہرگز نہ ہو گی۔ ان میں سے کوئی بھی نہیں دوس
کو ہلاک کرے گی۔"
پھر کچھ دیر چپ رہا، کو علی مردان کی شکل دیکھتی ہی، اسے خیالی میں پوچھا دست
پائی جی! تم شادی کیوں نہیں کر لیتے؟
علی مردان نے جواب دیا: "چند راتوں کی کیا تم بھول گئیں کہ ہم دونوں ایک
دوسرے کی زندگی میں شادی نہیں کر سکتے، ہم نے حسین کھا رکھی ہیں۔"

چند راتوں نے اسے اسے کہا: "ہاں، وہ جتنے یا اسے لیکن میں اس عہد
کو توڑنے کی اجازت دیتی ہوں، پھر انھیں خود کر لیں، لیکن کچھ: "مجھے تم سے ایسی
قسم: "تین یس چاہیے تھی میں نے تم پر کیا ہے؟"
علی مردان نے اسے کی انھوں نے سنتے ہوئے آسمانوں کو اپنے دامن
سے پوچھ لیا، بولا: "لیکن میں اپنے اس عہد پر شہرہ نہیں ہوں۔ چند راتوں میں شادی نہ
کرے کچھ بہت خوشی ہوں۔ میرا خوب مسکے پاس ہے۔"
وہ بہت کجماں سے بولی: "تم کھوت ہو گے مسرت پائی جی، تم کجماں سے
ولی ہے، تم بہت کرب میں ہو۔"

علی مردان نے عہد کی جلدی کیا: "میں نہیں اس بات کا کس طرح یقین دلاؤں
چند راتوں کی کہ میں تم سے محبت کرتا ہوں اور تمہارے ہوتے ہوئے اور عورت کے بارے میں
میرے بھی نہیں سکتا۔"

جنگوں نے جاتا تو میں تمہارے عہد سے نجات دلاؤں گی، تم کو نہ کرو۔"
چند راتوں کی کہ انھیں نہ یقین۔ شاید اس وقت وہ سوناتا میں موجود تھی۔ اپنے
میں ہی، ابھی سے ناہ چل پل بھی، گرمیوں میں یقین، بچاؤں کا اثر، ہم، روبرو اس
پھر ان کے والوں کی کار، اس دن ان کا جمیع، یا تروں کی ریل پل، انھیں کا شہر
شہر کوں کا۔ جس میں اس کے اپنے عقیدے کے مطابق ایک عظمت تھی، ایک شان تھی۔

ایک شکوہ تھا، سومات جی کا عظیم الشان دھور اور پھر اس کا عمورو کے ہاتھوں ترشہ انا، چندرا
نے خواب دیکھا سے آنکھیں کھولیں تو علی مردان سے کہنے لگی: "ست ہال جی! تمہیں وہ دلا
یاد ہیں نا جب رتن سین اور تم نے ناسک سمجھنے لگے تھے؟"

علی مردان نے جواب دیا: "ہاں یاد میں نہیں اب اس ذکر سے فائدہ؟"
"فائدہ تو کوئی نہیں۔ پھر جی سومات جی کی تباہ کاری اور اپنے خان دار اور جیل
سے مہور ماضی کے نشان پر جب نظروں ڈالتی ہوں تو دل پر ایک گھبراہٹ سا لگتا ہے اور
مجھے اپنے آپ پر بے حد افسوس ہوتا ہے کہ میں آخر ناسک کیوں ہو چلی تھی ان دنوں
اب غریبی میں شدت سے یہ محسوس کرتی رہتی ہوں کہ میں ہندو تھی، ہندو ہوں اور ہندو
رہوں گی۔ یہ تو جہنم کا دھرم ہے۔ پر اس دھرم نے مجھ سے برابر کچھ چھین لینے کا سوا
دیا کچھ بھی نہیں۔ پھر جلی میں اُسے اپنے دل سے نکال نہیں سکتی۔ پھر آنکھیں بند کیسے کرے
سے بولی: "کاٹی میرا ماسٹی مجھے والیس مل سکتا ست ہال جی! تم مسلمان تھے سے بخت ہندو
دھرم سے محبت، کتنی متضاد محبتیں کیا ہو گئی ہیں نا خوب!"

علی مردان نے یہ محسوس کیا کہ چندرا دتی کا راجہ یعنی توازن دردت نہیں ہے۔ وہ اس
کے پاس سے اٹھ کر چلا آئے۔ اس رات علی مردان سو نہ سکا۔ اسے رہ رہ کر چندرا دتی کا
بازین یاد آتی رہیں اور اس کی بے بسی علی مردان کو خوف کے آفسرلاتی رہی۔ اس رات علی مردان
کو اس پہلے ہندو پر بھی برا غصہ آیا جس نے لہڑاؤ دیکھا وہی کا حور ابجا دیا تھا۔ وہ رات بھی بڑا
مرد تھی۔ ہرٹ باری ہورہی تھی۔ جب صبح کو دتی نے یہ آواز بلند کیا کہ "فاز فید سے نہیں
نورہ اٹھ بیجا اور فجر کی نماز کے لیے جامع مسجد روانہ ہو گیا۔"

مسجد کے دروازے پر بہت سے لوگ جمع تھے۔ لوگ مشعلیں لیے اس کی روشنی میں
چلے ہوئے کچھ دیکھ رہے تھے۔ علی مردان بھی لوگوں کو چہرہ ہوا میں پہنچا اور مسجد کی چوڑی
پر جھک گیا۔ وہاں خون میں لت پت، سروی سے کڑھی ہوئی چندرا دتی کی لاش پڑی تھی
اس نے خود ہی سنجر سے اپنا میٹ چاک کر لیا تھا۔ اس کے قریب ہی سومات جی کا وہ کتا
تھا جو عمورو نے فازیوں کے قدموں سے روندنے کے لیے دروازے کے فرش میں بڑا
نہا۔ چندرا دتی کے پیٹ سے ابل کر نکلنے والا خون سومات جی کا ٹوٹا تر کر کے دوزخ
پھوگیا تھا۔

دونوں میاں بھری فرصت کے لمحات صلاح و مشورہ اور کھردرنگی میں گزار دیتے۔ ان کی فرصت کا ایک ہی موقع تھا کہ زیادہ سے زیادہ دولت کس طرح کمائی جائے۔ بھتیان نے اسے مشورہ دیا کہ ”تمہیں ملازمت کے علاوہ کوئی کاروبار بھی کرنا چاہیئے۔“ جہاں نے اسے اس سے جواب دیا۔ ”ایسا تو کر سکتا ہوں لیکن کمپنی کو قانون میں اس کی اجازت نہیں دے گا۔“ میں رگ کہتی ہوں کہ کاروبار اپنے نام سے کمپنی کے تھے رنج زدہ بلے میں کہا۔ ”میں رگ کہتی ہوں کہ کاروبار اپنے نام سے یا خود کروا کسی دوسرے کے کاروبار میں شریک بن جاؤ اور اپنے جتنے کا نفع لیتے رہو۔“ جہاں کے لیے یہ مشورہ نکارا اثر ضرور تھا۔ اس نے کچھ دیر کی خاموشی کے بعد

میں بھری لڑائی سے ہندوستان اس لیے پہنچے تھے کہ وہ اسے دولت کی دہلی پہنچائی اور پاکستان کا جو شخص بھی ہندوستان میں کچھ عرصے رہ کر واپس گیا تھا وہ دولت مندی کے اعتبار سے امریکا سے شکر کیا جائے تھا۔ جہاں نے اور کیتھرائٹ کی شادی ایک دوسرے کی پسند سے ہوئی تھی۔ جہاں نے شاعر تھا اور کیتھرائٹ اس کی شاعری کی دلدادہ، لیکن جہاں نے کی خاموشی برسوں سے شاعری اور شاعری کا مزہ کر کر کے رکھ دیا تھا۔

۵۹

ہندوستان میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے برطانوی سیاسی قوت حاصل کر لی تھی اور اس کے دائرہ اثر میں تقریباً پورا ہندوستان آج کا تھا۔ کمپنی کے اقتدار اور ہندوستان کی دولت مندی کا ذکر دونوں میاں بھری و بھتیان اور توجہ سے سنتے اور سن کر بیٹھے تھے۔ توجہ اور توجہ سے سننے اور سن کر بیٹھے تھے۔ اس لیے انہوں نے سوچا کہ جس طرح بھی ممکن ہو کمپنی میں ملازم ہو کر ہندوستان پہنچ جائے اور دولت کا خزانہ لے آئے، تو صرفوں سے کمبندو دینی حاصل کر کے تقیر زندہ غشی و عشرت میں گزار دی جائے۔ انتہائی بجا کہ وہ اور بھتیان کے بعد جہاں نے لے لکھ کر لی اسامی حاصل کر لی اور کیتھرائٹ کے ساتھ کلکتے پہنچ گیا۔ کلکتے کے مان موئی ماسٹر نے انہیں رہائش کر دیا۔ یہاں پھر دوں کی بری بیماریاں تھیں، کیتھرائٹ بیمار بیٹھے تھے کمپنی نے انہیں بھرتی کر لیا اور وہ کے ریڈیو کے غلے میں منتقل کر دیا۔ جہاں نے کیتھرائٹ کو لے کر پھر پہنچ گیا۔ یہ غازی الدین حیدر رقیع الدولہ کا زمانہ تھا۔

ہندوستان کے گزرنے کے بعد ہی دونوں کو خوب اندازہ ہو گیا کہ خلیج تخراب سے کام نہیں چلے گا اور مستقبل کے سامنے مسلوں سے شاعرانہ خواب و خیال بن کر بھگ جائیں گے



سہا گیا۔ اور اگر اس کا بھائی چھوٹا گیا تو یہ کیونکہ جہاں تک میں ان دسیوں کو سمجھا ہوں
 یہ لوگ وفادار اور سزاوار نظر نہیں آتے۔
 کیتھرائٹ نے آؤر وگ سے جواب دیا۔ "سر حال کچھ بھی ہو، ہمیں یہ خطرہ تو مول
 لینا ہی پڑے گا۔"
 جان نے سمجھوئی سے کہہ دیا۔ "تم کہتی ہو تو میں یہ خطرہ مول لینے کو تیار ہوں اور کچھ
 جانے گا۔"

کیتھرائٹ کے صبح کی شفق جیسے رخسار رخسائی میں تہاڑے۔
 جان نے اٹھتے ہوئے صبح میں دیکھا اس سے اندازہ لگایا کہ یہاں رو رہا کچھ اور اس کے پیچھے ہی سے بڑھ گیا۔ وہ دیر تک اس رنج و حکم کا سبب دریافت
 ایسا مشکل کام نہیں۔ اور وہ حکم غازی میں لڑیں حیدر اور اس کا وزیر کا غیر معتقدانہ قول۔۔۔۔۔
 فضل خوجا میں اپنا ثانی نہ رکھتے تھے، بات بات پر ان کا دل کو ہزاروں روپے بھرتی دے دیتا تھا۔
 جانے نہ تھے وہ کسی ایسے موقع کی تاک میں بیٹھے لگا چس میں اس کی ملاقات اور وہ کے
 نکلاں یا دوسرے سے ہو جائے اور وہ انہیں بے وقوف بنا کے کچھ کمائی کرے۔ اس نے
 سردست کا دیکھا پر شاد نامی ایک ناچر سے غیظ و عداوت کر لیا اور کہنے اور لڑنے کا کاروبار جسے
 شروع کر دیا اور اس سے کچھ قریبی تعلقی آمدنی بھی ہونے لگی۔ کالاکہ بر شاد کوئی بار جان کے گھر بافت ہو اور وہ کے بادشاہ وزیر اور نوابوں کے پاس دولت کی کوئی کمی نہیں، مشاہیر
 پر بھی کیا اور کیتھرائٹ کے حسن خداداد سے بے حد متاثر ہوا۔ اس نے ایک دن جان کو کہی کہ چکا چوند اور نوابوں کی شہنشاہی و شوکت اور پرچائے پھیلانے کے انداز
 بطور خاص سمجھاتے ہوئے تیار۔ جان باب ہیکٹر تم میرے کاروبار کے ایک کشمکش لینے کو اپنے دل میں ہوتے ہیں کہ ان کا شکار بیشکلی ہی جیتا ہے۔۔۔۔۔
 جیتنے والے میں چکے ہو یہ میرا فرض ہے کہ اپنا نقصان ہو یا کسی غیر کا اس سے پہلے ہی
 تم کو مطلع کر دوں۔"

جان نے جواب دیا۔ "مجھے عربی کی پڑھل بہت پسند ہے کہ دوست وہ ہے
 جو تلخ بات کہہ کر دلا دے، کیا تم ہر وہ بات جس سے تم واقف ہو اور میں ایک
 اجنبی کی خجست سے اس سے واقف نہیں، صفات صاف ہیں تم دو گے۔ ہر وہ بات
 جس سے تم واقف ہو۔"

کالاکہ پر شاد نے شرارت آمیز ہنسی ہنسنے ہوئے آنکھ ماری اور کہا: اپنی سندناری
 کو سنانوں سے بچا کر رکھنا، ملوث کے معاملے میں ان پر کبھی اعتماد نہ کرنا۔
 جان نے کہا۔ "کیتھرائٹ میری بیوی ہے، اس کوئی تمہارا نقصان پہنچا سکتا ہے؟"
 کالاکہ پر شاد نے جواب دیا۔ "اچھا جناب بیوی ہی تو میں تم کیتھرائٹ، کیا بیویوں کو
 ورغلا یا نہیں جاسکتا؟ کیا بیاتنا عورتیں ادھر سے ادھر نہیں ہر دیا کرتی ہیں؟"

جان واقعی ٹکڑے ہو گیا، کچھ دیر بعد واپس۔ "لیکن عدالت جی، مجھے اپنی
 کیتھرائٹ پر اعتماد ہے اسے کوئی شخص بھی نہیں ورغلا سکتا۔"
 "بھگوان کرے ایسا ہی ہو۔" کالاکہ پر شاد نے شانے اٹھکائے۔ "پھر بھی
 میں یہی کہوں گا کہ ذرا ہوشیار، خود راغزور رہنا۔ مسلمان کیم جالاک نہیں ہیں۔"
 کالاکہ پر شاد تو یہ ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے لیکن جان بہت اداس اور ٹکڑے
 ہو گیا۔

جب وہ اندر کیتھرائٹ کے پاس پہنچا تو نہ میں بیوی کے شوہر کے اندر وصال
 جان کے اٹھتے ہوئے صبح میں دیکھا اس سے اندازہ لگایا کہ یہاں رو رہا کچھ اور اس کے پیچھے ہی سے بڑھ گیا۔ وہ دیر تک اس رنج و حکم کا سبب دریافت
 ایسا مشکل کام نہیں۔ اور وہ حکم غازی میں لڑیں حیدر اور اس کا وزیر کا غیر معتقدانہ قول۔۔۔۔۔
 فضل خوجا میں اپنا ثانی نہ رکھتے تھے، بات بات پر ان کا دل کو ہزاروں روپے بھرتی دے دیتا تھا۔
 جانے نہ تھے وہ کسی ایسے موقع کی تاک میں بیٹھے لگا چس میں اس کی ملاقات اور وہ کے
 نکلاں یا دوسرے سے ہو جائے اور وہ انہیں بے وقوف بنا کے کچھ کمائی کرے۔ اس نے
 سردست کا دیکھا پر شاد نامی ایک ناچر سے غیظ و عداوت کر لیا اور کہنے اور لڑنے کا کاروبار جسے
 شروع کر دیا اور اس سے کچھ قریبی تعلقی آمدنی بھی ہونے لگی۔ کالاکہ بر شاد کوئی بار جان کے گھر بافت ہو اور وہ کے بادشاہ وزیر اور نوابوں کے پاس دولت کی کوئی کمی نہیں، مشاہیر
 پر بھی کیا اور کیتھرائٹ کے حسن خداداد سے بے حد متاثر ہوا۔ اس نے ایک دن جان کو کہی کہ چکا چوند اور نوابوں کی شہنشاہی و شوکت اور پرچائے پھیلانے کے انداز
 بطور خاص سمجھاتے ہوئے تیار۔ جان باب ہیکٹر تم میرے کاروبار کے ایک کشمکش لینے کو اپنے دل میں ہوتے ہیں کہ ان کا شکار بیشکلی ہی جیتا ہے۔۔۔۔۔

کیتھرائٹ اس کا مطلب سمجھ گئی، تکلیف اور غصے سے اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔
 "کیا کہنے؟" کیتھرائٹ نے اس کا ہاتھ اور پیچھے ہٹنے کو کہنے لگا۔
 قریب صبح کو وہی۔ "تم مجھے کہنے کا ہوجاں؟ کیا میں اپنی سچی اور سچ ہوں کہ اندھ کے
 فلان کی باتوں میں جاؤں گی؟ تم نے مجھ پر اس قسم کا شبہ کیوں کیا؟ میں میں کبھی بھی حماقت
 کروں گی۔"

جان اپنے سوال پر نام ہو گیا۔ وہ فرما کر جس میں کنگے خرچا اور بوری قوت سے
 کیتھرائٹ کو اپنے سینے سے لگا دیا۔ "بود۔ غلطی ہوئی کیتھرائٹ، مجھے حماقت نہ دے، مجھے معلوم
 نہیں کیا ہو گیا تھا کہ میں تم سے ایسا بے مورد سوال کر چکا ہوں۔"
 پہلے تو کیتھرائٹ نے چہرہ اٹھانے کی کوشش کی لیکن جان کے زبردست اور ملاقات دور
 زبوں سے رانی نہ پاسی، آخر کار باز مجبور ہو کر اس کے کانہ سے پر سر رکھ کر دے لگا۔

سربہ کا وقت تھا۔ گرمی کے دن تھے۔ دونوں کے بعد کیتھرائن اور
 اسے گھر میں جا گئے تھے، کمرے کے دروازے اور کمریوں پر پٹن کی ٹیاں کھڑ
 تھیں اور ایک ملازم ذرا وقفے وقفے سے ان پر پانی پھونک رہا تھا۔ دونوں باہر
 کچھ دیر سوکر سیدار ہو چکے تھے اور ان فرض خواہوں کا ذکر کر رہے تھے جو لندن میں
 واپسی یا اپنی رستہ کا انتظار کر رہے تھے۔ ان دونوں نے یہ سوچا تھا کہ فرض کی ذمہ داری
 لندن روانہ کرتے رہیں گے، وہاں تک کہ جب وہ وطن واپس جائیں گے تو ان
 ذمہ داریوں کی ایک دھڑکی تک نہ ہوگی لیکن پورا ایک سال گزار دینے کے بعد
 جہان کی مالی حالت ایسی نہ تھی جس پر وہ اطمینان کا سامنے نہ سکتا۔ لاکھ پڑھاؤ
 کا بار میں جو رقم رکھی تھی اس کا نصف اچھی تک وصول نہ ہوا تھا۔ لاکھ پڑھاؤ کے بعد
 رقم کا بار باریش چلتی ہوئی تھی اور اس کے وقت فریقہ شطرنج میں وصول ہونے کا امکان
 جہان اور کیتھرائن ایک ایسے ہم وطن سے بھی واقف تھے جو غازی الدین خیر
 کا خاصہ شاگرد تھا۔ تھا اور چند سالوں کی مدت میں اوہ کے حکمران سے کتنے آرام
 انعام حاصل کر چکا تھا کہ بڑے بڑے امراء بھی اس کی دولتندگی کا مقابلہ نہ کر سکتے
 دونوں ہاں بھری لیے ہم وطنی کا جو کہ رنگ کی نظروں سے دیکھتے اور سوچتے کہ یہ
 بھی کوئی کام ہو جس میں شہنشاہ کے سوا کوئی توجہ نہ دے۔ جہان سوچتا کہ
 کسی طرح غازی الدین خیر کا قرب یا مصاحبت حاصل کر لیتا تو بہتر زندگی میں وہ
 دولت مند ہو سکتا تھا لیکن اس قرب یا مصاحبت کی کوئی تقریب بھی نہیں آتی تھی
 وہ بڑی ڈنٹ کے دفتر میں ملازم تھا جس کی بارگاہ میں جی آئی کہ یہ گریڈ کسی سے
 دے کر تواب کے دربار میں ملازم ہو جائے لیکن یہ سارے کام ملتے آسان نہ
 کہ ان پر توڑ پھڑ کی ضرورت نہ کہ کیتھرائن کا پس ایک ہی مطالبہ تھا کہ کسی بھی
 مالی حالت اتنی مستحکم ہو جائے جتنی اس کے والدین اور توقعات کے کرداروں ہندوستان
 تھے۔ جہان کیتھرائن کے مطالبے پر اسے جھوٹک بھی نہ سکتا تھا کیونکہ اس کا یہ مطالبہ
 فی حد درجہ درست تھا۔ وہ دونوں ابھی مسائل پر باہمی کر رہے تھے کہ غازی الدین نے مل
 کی اجازت چاہی، جہان نے اسے انداز لگایا۔ جہان نے پوچھا۔ خدا بخش! کوئی خاص
 غرض ہے؟ خدا بخش نے جواب دیا۔ "بہت ہی خاص بات ہے۔" وہ ان کا
 کیتھرائن کی صورت دیکھنے لگا، گویا اسے کیتھرائن کے سامنے وہ بات کہنے میں تامل ہو
 جہان نے کہا۔ "خدا بخش! اتنی جو کچھ بھی کہنا ہے، میرے صاحب کے سامنے
 میں ان سے کوئی بات نہیں چھپاتا۔"
 خدا بخش نے ایک ایک کر کے۔ "جناب! ذرا میرے ساتھ تشریف لائیں، میں
 میرے صاحب سے کچھ چھپانا نہیں چاہتا لیکن درمیان میں صرف جناب ہی کی ضرورت
 ہے۔ تفصیلات آپ خود ہی میرے صاحب کو بتا دیجئے گا۔"
 جہان نے معنی خیز نظروں سے کیتھرائن کو دیکھا، اس نے اجازت دے دی کہ
 خدا بخش کے ساتھ چلے جائے میں کوئی حرج نہیں۔ جہان غازی الدین کے ساتھ کمرے سے
 باہر نکلا۔
 خدا بخش اسے جگہ کے استور کی طرف لے جاتا ہوا بولا۔ "جناب! یہاں
 نہیں سے کہ میں آپ کو کسی شہر کا لالچ دے رہا ہوں لیکن یہ ضرور کہوں گا کہ اگر جناب نے اپنی خوش
 روایت کے مطابق انسانیت کا بھڑت دیا تو متیقن میں اس سے بڑے فائدے آئے گا کہ میں نے
 اور ہوں جس کی شخصیت زیادہ کا ساتھ دینا انسان کا سب سے بڑا فریضہ ہے۔"
 غازی الدین خدا بخش نے جہان کو استور کے اندر ایک ایسے شخص کے دربارہ کھڑا
 کر دیا جو تصویر کی اور جہان کی کافر تھا اور عجمی تیس سے زیادہ مہینے بھی، لکھنوی
 لباس میں میکس ریغوش وضع شخص جہان کو دیکھ کر ایک افردہ سی مسکراہٹ ہونٹوں پر لے آیا۔
 خدا بخش نے اس شخص سے کہا: "صاحب! مجھ میں جو کچھ کہنا سنا ہے فوراً
 کہہ دیں۔" امید ہے کہ صاحب آپ کو دھوکا نہیں دیں گے۔
 اس شخص نے پروتاہ لہجہ میں کہا۔ "میں کہنا سنا کچھ بھی نہیں، میں یہ جانتے ہوں کہ
 میں جہان دونوں کے لیے یہاں بھیجا آیا جائے، اس کے بعد یہ فیض آباد چلے جائیں گے۔"
 خدا بخش نے ذرا صاف صاف بات کی۔ "صاحب! اہمیت دراصل یہ ہے کہ صاحب
 نواب شہناز علی خاں ہیں، حضور بادشاہ غازی الدین خیر کے بہت قریبی عزیز۔ کل
 ایک انھیں بادشاہ کے مزاراج میں بڑا خوش حال تھا لیکن درمیان میں غلام سادوں نے
 کسی طرح بادشاہ کے دل میں ان کے خلاف مذکورہ پیدا کر دیا اور آج وہ ان کے خون کے
 پیاسے ہو رہے ہیں۔ جہان کے خون سے یہ گھر بھر رہا ہے۔ کیتھرائن نے جہان کے
 ساتھ غازی الدین میں سے ہوں، میں یہ چند دن یہاں آپ کے محل میں رہ کر خوش رہیں گے
 اور یہ فیض آباد کے بادشاہ کے رزیدنٹ صاحب بہادر یا ان کے محلے کے کسی شخص کی کافر نہیں
 لے سکتے، اس لیے یہاں محفوظ رہیں گے۔ پھر محلے کے رفع دفع ہوتے ہیں فیض آباد
 چلے جائیں گے۔ صاحب! گریہ کی خاطر سے انہیں پناہ دینے میں گویا اس ناچیس سو پر

پہر بڑھی مہربانی ہوگی۔ ۱۱

ابھی تلگے میں چھپے ہوئے تین دن ہی گزرے تھے کہ شہامت علی کی طبیعت خراب ہو گئی۔
جنار اٹھ گیا۔ معاذ اللہ تاویل تھا کہ شہامت علی کو کسی عیب کے پاس سے جانا بھی مشکل تھا اور
شیخوں کے پاس سے نہ ہوں، بادشاہ کے مزاج سے ہم اچھی طرح واقف ہو جانے کا اندیشہ تھا۔ اس موقع پر یہی خان ماں خدا بخش ہی کام آیا اور وہ حکیم سے حال
پوچھ کر دوا میں لائے لگا۔ ان خدمات کو اسے معاذ اللہ زیادہ ۵ مل رہا تھا کہ شہامت علی کے دل
میں نہ کہہ۔ لیکن میں وعدے سے پہلے پر غیبت کی اجازت حاصل کر غیبت کر رہا ہوں کہ شہامت علی کی خوش اخلاقی اور دیوانہ کی کایتیں ان بعد خاص اثر
میں رہی تھیں۔

شہادت ملی نے خدا بخش ہے کہا۔ ”خدا بخش اہم ایک رتھ لکھ دی گئے ہو جو ہم بھی یہ رتھ سے رتھ شہادت جائیں گے انہیں بس ہزار روپے مل جائیں گے ان دنوں روپوں کی دوسرے ہم کچھ نہ پا رہے تھے۔“

وہی ہزار روپوں کے ذکر کرنے جان کو قطع میں مبتلا کر دیا۔ اس نے کہا ”میرا جگر جا رہا ہے آپ شوق سے رہتے لیکن میرا مشورہ ہے کہ آپ فیض آباد جانے کے بجائے لکھنؤ ہی میں رہیں اور بادشاہ سے تعلقات خوش قرار بنانے کی کوشش کریں۔“

شہادت علیؑ نے جواب دیا: ”ہم کو گمشدہ نہ کریں گے، اے میرا خداوند منظور ہو۔“

شہادت علیؑ نے کس پر زبردستی کے دوسرے جو غیبی اثر ان کو فانی کر دیا تھا، اس میں ان کا شہکار ہو گیا تھا۔ وہ بھی جانتا تھا کہ کوئی وہ خوب اچھی طرح جانتا تھا کہ اگر وہ میرے خداوند کا

ہو جائیگا اس کی صفات خدا کی ہیں، حاجتیں پر پوری کرتا ہے اور عجیب پریشانی اس کی صفات

شہادت علیؑ کو بتانے کے لئے جو کچھ دیکھا گاہ کہ خداوند ان اور جان کی خواب گاہ

ایک دن جب شہادت دریا میں نہایت دور تھا کہ اس نے کہا: ”میرے خداوند! ہم کس دل اور کس زبان سے آپ

کا بطور خاص شکر ادا کرتے ہوئے ہیں؟“

کی مہربانی کا شکر ادا کریں! آپ شکر تین فرشتے ہیں معلوم نہیں جس اپنے کونے ناک

اعلیٰ سے فیصلے میں آپ کا کمال حاصل ہو گیا۔“

پھر ان کے شکر کا جواب دیا: ”میں نے تو کچھ کیا، اپنا فرض سمجھ کر کیا ہے کیا

مذنی اور قبول ہوئے؟“

ایک دن جب شہادت دریا میں نہایت دور تھا کہ اس نے کہا: ”میرے خداوند! ہم کس دل اور کس زبان سے آپ

کا بطور خاص شکر ادا کرتے ہوئے ہیں؟“

کی مہربانی کا شکر ادا کریں! آپ شکر تین فرشتے ہیں معلوم نہیں جس اپنے کونے ناک

اعلیٰ سے فیصلے میں آپ کا کمال حاصل ہو گیا۔“

پھر ان کے شکر کا جواب دیا: ”میں نے تو کچھ کیا، اپنا فرض سمجھ کر کیا ہے کیا

مذنی اور قبول ہوئے؟“

ملحق تھا۔ شہناز کے منگوائے ہوئے کسی غلام کو روکے آگئے اور ان کا پیشہ حصہ جان
 حواس کر دیا۔۔۔ مٹھے بٹھائے خود بخود اسی بیڑی پر لگا ہاتھ آجماؤں کوں کے لیے مچھڑے۔
 کہ تھا۔ دونوں شہناز علی کے گرد یہ ہر یکے سے اور انہیں صاف نظر آ رہا تھا کہ گشتہ

بارشاہ کے عتاب سے بچ گیا اور دوبارہ اپنی سابقہ حیثیت حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے تو ان روزوں نے دوست مندی کے آبِ لبیک جتنے خواب بھی دیکھے ہیں تیرے تیرے سر پریش گئے۔ جان کے کھیر تیرے خاص طور پر ولایت کر دی کہ اس شخص کو کسی بھی طور پر غرض نہیں ہرے نہ دیا جائے گا۔ کھیراں اور جان میرا حق تھے کہ تیرے جس رعبی سے نہ

بولتا تھا، اسی روانی سے آخر تک یہی استعمال کرتا تھا۔ بابتیں انہی دتھپ کرتا تھا کہ مزہ
 پھیر کر بھرتے تھے۔ ذرا سنج، لطیف، گڑ، عامر، خواب، اس شخص میں بڑی خوبیاں تھیں، ابا
 خوبیاں جو اسے کسی بھی حالت میں طلب کرنا شروع کر کے طبع و فرمان بردار بنانے کے لیے کافی تھیں۔
 اہل ۶

کیخسرو نے افسوس سے جواب دیا: "ایک کلک کی خواہ کا آپ خود ہی انداز کر سکتے ہیں؟"

شہناز نے کہا: "آپ اپنے شوہر سے کہیے تاکہ بادشاہ جیانی کا بیٹا کی خدمت میں حاضر ہو کر فرمائیں؟"

کیخسرو نے جواب دیا: "ہم دونوں میں میری یہ دعا ملے گی کہ آپ کسی طرح اپنی سادہ قیمت حاصل کریں تو مجھے کچھ خواہش کریں۔"

شہناز نے کیخسرو کی طرف نگاہیں اٹھا کر پوچھا: "اس میں سے کیا رکھنا چاہئے؟"

کیخسرو نے صندوق کا نالا اٹھول دیا: "شہناز علیٰ غلّی رکائے کیخسرو کو دیکھتے ہیں۔ ان کی نظروں کی برس اور یکساں دید کا شوق کیخسرو سے جیسے زور سکے اس نے بظاہر لا بروائی سے پوچھا۔"

شہناز نے جواب دیا: "خدا باریں گے جس میں دیکھتے تو وہاں ایک یقینی رکھی ہے اسے اٹھا لائے۔"

یہ یقینی کیخسرو کی تلاش نہیں کرتی تھی۔ کیخسرو نے جب اسے ہاتھ میں اٹھا تو یہ ہلکا کر دہ روتی ہے۔ اس نے یقینی شہناز علی کے ہاتھ میں ہتھکڑی

اس نے دانستہ یقینی کو اس طرح پکڑا کہ کیخسرو اس کے ہاتھ سے ہرگز نہ کیخسرو کی شاید محسوس بھی دیکھا ہو لیکن شہناز علی کے رگ دہنے میں ایک آگ سی دوڑ گئی۔

نواب نے یہ یقینی دوبارہ کیخسرو ہی کی طرف بڑھا دی کہنے لگے: "منہ کیخسرو نے کیخسرو کی طرف سے قبول فرمائیں۔"

کیخسرو کو کہنی گئی، لیکن اس نے ضبط سے کام لیا، بولی: میں یہ یقینی لے کر کیا کروں گی؟"

شہناز علی نے آذر دگی سے جواب دیا: "اسے ہماری طرف سے حق قرار دے سچ کر قبول فرمائیں، میں اس روپوشی اور ہنہ گزینی کی حالت میں آپ کی کوئی اور مدد

نہیں کر سکتی ہوں؟"

شہناز علی نے جواب دیا: "منہ کیخسرو نے کیخسرو کی طرف سے قبول فرمائیں، میں اس روپوشی اور ہنہ گزینی کی حالت میں آپ کی کوئی اور مدد

کچھ عرائش نے گراں بہہ مجبوری روپوں کی عقلیت قبول کر لی، کہا: "میں آپ کے خیال پر
کے پیش نظر عقلیت قبول کر رہی ہوں ورنہ میرے شوہر بہت سوں سے بہت زیادہ اچھے ہیں سے سختی نہیں کر سکتا تھا۔ جہاں نے اسے نرمی سے چھٹی دی، کہا: "مشرک لکھنؤ رشاد اگر یہ
شہادت ملی نے جواب دیا۔" ان کی برائی کن کر رہے ہیں خود بخود ہی
ہیں کوڑا جان بہت اچھے آدمی ہیں، ان ان کی کسی ایک بات ایسی ہے جو زیادہ نہیں کہہ سکتے
نہیں کرتی۔"

"وہ کون سی؟"
"وہ یہ کہ جب سے ہم یہاں مقید ہوئے ہیں، غالباً ان کے دل و دماغ نفسان
باقول میں اٹھ رہے ہیں۔ وہ مجھے کسی طرح ہم اس شخصیت سے نجات پالیں، جس
تہیں دیکھنے کا۔"
گنہگار نے دعا یہ امان میں اٹھ اٹھا کہ چند دماغی کتاب استعمال کیے اور ہا
ہینے گرائے۔
دونوں بڑی دیر تک رہا نہ بھری باتیں کرتے رہے اور ہذا اس وقت ہوسے
سب جان کی دہائی کا وقت غریب آگیا۔

بعض عرائش نے جب عقلیت کی طرف گئی تو چند عداوت بڑھ رہے تھے۔ کچھ عداوت
میراں علی کہ یہ نیا انسان سے جسے روپوں پر اس سے ذرا بھی جھگڑت نہیں، وہ اس دور
بزاروں روپے بہن نہ رہا ہے۔ وہ اندر ہی اندر شہادت علی کے پی میں متوجہ ہوا کہ
تھی۔ اب جان لے بعض لوگ نظر آتا تھا۔ جس سے وہ دیر تک فکروں اور کاغذوں
کھو ہوا کہ غلطی غلام، اس کے مقابلے میں شہادت علی تھا۔ ایک ایسا شخص جو خود
اور اوصاف کا مجموعہ تھا، گنہگار نے اس عقلیت کا جان سے کوئی ذکر ہی نہیں کیا۔

کا دل پر رشاد اور جان کر کے یہ کچھ کسی کتاب میں اچھے ہوئے تھے۔
کہا تھا۔ "میرے بڑے بھائی اور بھائیوں پر دیکھا کہ اس سے انکار کرتے تھے۔
کا لکھنؤ رشاد نے نہایت نرمی اور ہنرمندی پر دیکھا کہ اس سے انکار کرتے تھے۔
نرمی پر رشاد کا ایک ہی رُوح دیکھتے ہوئے دیکھتے ہوئے وہ بزار روپے ملنے جانتے تھے کہ
میرے جو ترکہ بزار میں چھل رہی ہے وہ تو بہت سہل بہت سہل ہی وصول ہوگی۔
جان کچھ دنوں سے یہ محسوس کرنے لگا تھا کہ لکھنؤ رشاد کچھ صحیح آدمی نہیں ہے
اور حساب کتاب میں گھبرا کر رہے لگا ہے۔ جان کے ساتھ مجبوری رہی کہ اس کا کاروبار

کا کاروبار رشاد نے دھکی دھکی کا جواب دھکی بولا "وہ کوئی بات نہیں۔ آپ کو
اختیار ہے کہ کاروبار جاری رکھیں یا ختم کر دیں لیکن اگر اپنے جیسے کا کاروبار ختم کر دیں گے
تو اس میں بھینس ہوئی رشتم بھی تو ب جاوے گی۔"
جان بدتراس ہو گیا۔ بولا "میری رقم کیوں دو ب جائے گی، کیا ہندوستان میں
اسی طرح کیس دین ہوتی ہے؟ یوں کہ کاروبار کے جاتے ہیں؟"
کا لکھنؤ رشاد نے جواب دیا۔ "تمہارے انگشت میں کسی طرح کا کاروبار کیے جاتے
ہیں، میں نہیں جانتا لیکن اپنے ملک کی توہ اور کاروبار کی ریت سے میں خوب اچھی
طرح واقف ہوں اور میں اسی کا پابند ہوں جو اپنے ہاں مروج ہے۔"
جان نے سوچا اس بے ایمان شخص سے انجان مناسب نہیں ہے۔ اولیٰ سے نہایت
خوش اخلاقی اور عقلیت سے بچا چھڑا۔ بہتر ہے۔ اسی لمحے اسے شہادت علی کا خیال
پڑا۔ جان نے سوچا، اگر شہادت علی اور وہ کے بادشاہ غازی الدین حیدر کے عتاب سے
برائوں روپے بہن نہ رہا ہے۔ وہ اندر ہی اندر شہادت علی کے پی میں متوجہ ہوا کہ
تھی۔ اب جان لے بعض لوگ نظر آتا تھا۔ جس سے وہ دیر تک فکروں اور کاغذوں
کھو ہوا کہ غلطی غلام، اس کے مقابلے میں شہادت علی تھا۔ ایک ایسا شخص جو خود
اور اوصاف کا مجموعہ تھا، گنہگار نے اس عقلیت کا جان سے کوئی ذکر ہی نہیں کیا۔

کا لکھنؤ رشاد نے نہایت نرمی اور ہنرمندی پر دیکھا کہ اس سے انکار کرتے تھے۔
نرمی پر رشاد کا ایک ہی رُوح دیکھتے ہوئے دیکھتے ہوئے وہ بزار روپے ملنے جانتے تھے کہ
میرے جو ترکہ بزار میں چھل رہی ہے وہ تو بہت سہل بہت سہل ہی وصول ہوگی۔
جان کچھ دنوں سے یہ محسوس کرنے لگا تھا کہ لکھنؤ رشاد کچھ صحیح آدمی نہیں ہے
اور حساب کتاب میں گھبرا کر رہے لگا ہے۔ جان کے ساتھ مجبوری رہی کہ اس کا کاروبار

کرتی ہے، وہ بکھڑاؤ کی خوش اخلاقی سے کچھ غلط فہمی کا شکار بھی ہو گئے تھے۔ انہیں عجیب تھا کہ آخر جان ان کی مروجہ اور کثیر القائی کی تیارواری کی کوئی طرح برداشت کر رہا ہے۔ ان کے منشور اور غیر مروجہ اخلاقیات میں یہ بھی تھا کہ کاش وہ آزاد ہوئے اور خزانہ اللہ حیدر کے مغرب سے ہوتے اور کثیر القائی سے ان کی ملاقات ہو جی مونی تو وہ اپنی اہمیت اور نوابیت کا منہ شاہ خاندان اختیار کرتے۔ ان ناشائستہ اور کثیر القائی کو ٹھانواؤں کو دیتے لیکن اب تو وہ بکھڑاؤ اور جان۔ کچھ رحم و کرم پر رہے جسے دیکھ کر گراں سے رہبر گزرتے۔ ان کی کچھ بھڑکھڑ تھا کہ انہیں کیسے کرنا چاہیے۔

فانسانوں میں خدا تعالیٰ اپنے انداز میں سوچ رہا تھا۔ گو اب شہادت علی کے سامنے اس کا نام نہ تھا لیکن وہ بھی مرنے لگا تھا کہ کس منہ پر اس اور شہادت علی کے درمیان کیا فرق ہے؟ یہاں شہادت علی کے زیادہ قیام سے بڑا فرق ہو جائے اور بات بڑی پریشان ہو، دوسرے پر اس کی زیادہ شہادتیں آج آ رہی ہیں نظریات شہادت علی اور کئی باتوں کی قربت اور بہت زیادہ بات حقیقت سے کچھ اور پتھر بھی محسوس کرنے لگی تھیں۔ کئی ایسے لوگ بھی آ رہے تھے جن کو بائبل نے ہی کوشش کی کہ لیکن کھٹکے انگریزوں میں ہو کر جی، اس لیے اس کے کچھ بھی پتے نہ مل سکتے تھے۔ مرد کا جہیز بھی اس میں بڑا ہو گیا تھا۔ اس کا ریکس جس تو جہیز بڑا شہادت علی اور کئی باتوں سے بڑا کرنے کی سازش شروع کر دی۔ شہادت علی کو شراب پینے کی عادت تھی اور شراب خدا تعالیٰ ہی کہیں سے لانا تھا۔ شہادت علی شراب کے سلسلے میں جان اور کئی باتوں کو تکلیف نہیں دینا چاہتے تھے۔

بہارِ شہادت علیٰ کرار اب کی تو ملیں جیتے ہوئے خدا بخش ہے کچھ ایسا میرا نہیں
 کہ وہیں نواب سمجھ گئے کہ خاندان ان سے کچھ کم کرتا ہے اور اس کے مزاج میں کسی
 قسم کا کھنکھار پیدا ہو چکا ہے۔ انہوں نے خدا بخش سے کہا: "میرے کچھ کنہا ہے تو
 خدا بخش نے باغی سے بواب دروازہ حضرت سے کیا کہہ سکتے ہیں، خدا نے آپ کو
 سبھی کچھ وافر مقدار میں عطا کیا ہے، دولت بھی، عقل بھی، ہمت بھی اور تہ بھی، یہ خادم
 تو میں آشنایا ہی عرض کرے گا کہ حضرت کو یہاں زیادہ دن تک مقیم نہیں رہنا چاہیے، شل
 مشورہ ہے کہ آج آقا رب کل مغرب، مہمانی ایک دن کی دیوان کی اور زیادہ سے زیادہ
 میں دن کی ہو سکتی ہے جب آدمی اس سے زیادہ حکم چاہے تو اس کا یہ مطلب ہو گا
 کہ وہ میرا ہی ہے، سرِ صحبت ان گیا ہے، حضورِ عزت و اکبر کو رکھتے ہیں یہ خادم آپ کی
 بے عزتی کی ہو کر گرا کر نکلتا ہے۔"

شہادت علی نے پوچھا۔ ”کیا تم سے کسی نے ہمارے بارے میں کوئی بات کی ہے؟“
خدا بخش نے کچھ اس طرح جواب دیا کہ انکار میں بھی اثبات کا پہلو موجود تھا،
”اگر کوئی کہے گا کہی تو یہ بات صاف صاف عقیدہ ہی کہے گا۔ ہندو لوگ ہیں،
ہمارے پتہ چل جاتا ہے۔“

شہادت علی کو دواؤں کو پینچا مکلفہ ہم ان کے سر پر نہیں بنے ہیں مجبوراً ٹھہرے ہیں۔
 اچھے ہم ان کی ایک پانی بھی پینے اور خیر نہیں ہوئے دینے۔ اگر اس کے باوجود بھی
 تھوڑا اور جان ساری کو توڑی خواہ سہ کرے ہیں تو ہم جلد ہی یہاں سے چلے جائیں گے۔

خدا بخش اس خواب سے خوش ہوا، بولا: ”یہ ناچیز نوٹس درخواست ہی کر سکتا ہے، وہ بھی اس لیے کہ حضور اس ناچیز ہی کے ذریعے اس سنگین مرنے والے کو داخل ہوئے تھے۔“

شہادت علی نے کہا: ”مجھ جانے کو تو جیلے جائیں گے لیکن اس سلسلے میں ہم ان سے حیلہ گفتگو بھی کریں گے۔ اس مہذب جوڑے کا ہماری وجہ سے دل نہ ٹوٹے۔“

خدا بخش گھبرا گیا، بولا: "تو! نا حضورؐ گر نہیں! اس سلسلے میں کوئی بات بھی نہیں
 کی جاوے گی۔ میں آپؐ کو اپنا گھجھتا ہوں اس لیے سب کچھ بے تکلفی سے عرض کر رہا ہوں اس
 سلسلے میں کہ حضورؐ اس طرح واضح بات حقیقت کا دروازہ کھلا دیں جو میری ذرا کر رہی۔"

شہادت ملی خاناں کی حق پرستی سمجھنے سے بڑے "چل" اچھا تھا۔ اسے کہنے سے بات بھی ان دونوں سے نہیں کر لی گئی۔ لیکن ایک بات ضرور کریں گے، اس سے متنبہ رہنا ضرور دیکھنے کا کرم ہمارے محلے میں دریاں سے نکل جاؤ گے، "حقاً بخش نے پوچھا۔ "حضور والا وہ کس طرح؟"

شہادت علیؑ نے جواب دیا: ”ہر کلمہ کے بعد بھی اگر اس بیٹے میں رعب و بوسہ نہ ہو تو کیا میں اس کے ساتھ کھڑا ہوں؟“

در بارہ سرکار کے سازشوں سے خوب اچھی طرح واقف تھا پھر نیز ابدلہ بنو ابوالہ حفصہ
نیان بوری سے جبرجائیں کہیں اس خاکسار کا کیا جاتا ہے حفصہ کا یہ قدیم ملک خوارزم

پہلے تو اس لئے زیادہ پریشان تھا کہ آج مجھے حضور کا غامضہ ملامت اور وزیر اعظم حکومت اور ہونے طلب کی تھا اور یہ سوچ رہے تھے کہ کیا نواب شہناز علی خاں مشرعیان کے جیسے مجھے میرے روپوش ہیں؟ میں سمجھتا تھا کہ یہی حضور کی عورت و آبرو کے خیال سے اس ناچنے والے خلعت اٹھا کر جھوٹی جھوٹی باتیں بیان کی ہیں۔ وزیر اعظم نے روپے پیسے کا لالچ بھی دیا لیکن میں نے اس کی بھی کوئی پروا نہیں کی کیونکہ میرا ضمیر یہ بات کیونکر گوارا کرتا کہ میں نے جس کا منک کھیا ہوا ہے اس کی تک عوامی بھی کروں؟

گر شہناز علی کو خدا بخش کی باتوں پر یقین نہ آیا۔ اس کے باوجود دل میں یہ کانٹا ضرور چبھ گیا کہ اگر اس میں کچھ صداقت ہوئی تو کیا ہو گا؟ کیا انہیں یہاں سے براہِ مکر کے ذلیل و رسوا کیا جائے گا کیسے ایک خیال یہ بھی نکلتا تھا کہ یہ سب کچھ خدا بخش کی ہرزہ سرائی اور افترا پردازی ہے، یہ بھڑک بول رہا ہے اور بہت مکی ہے، خدا بخش آپس طرح سے دھکی دھکے رہا ہو گا اگر اس کی بات نہ مانی گئی تو وہ شہناز علی کی روپوشی کی وزیر اعظم سے مخفی کر دے گا۔ خدا بخش آدمی معمولی ہی سہی لیکن اس وقت اس کی قیادت سے انکار نہیں کیا جاسکتا تھا۔

خدا بخش جاتے جاتے دھکی دھکی گئے۔ "حضور کو اپنی عزت و آبرو کا خود ہی خیال ہونا چاہیے۔ میں سچ ہی کہیں ہاں نیچے والا ضرور ہوں۔ اب میں حضور کی خدمت سے دست کشی اختیار کروں گا کیونکہ مجھے اپنی دانی براہِ عورت اور بال بچوں کا خیال رکھنا ہی پڑے گا۔"

کیونکہ ان نے خدا بخش کو ناراض جاتے دیکھا تو تیز قدم اٹھائی شہناز علی کے پاس پہنچ گئی۔ شہناز علی بھی سر جھکائے ٹکرتے بیٹھے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ میں نے کون کون سا کچھ کر کے آکر یہ غریب نہ ہوئی۔ کیونکہ ان دنوں میری شہناز علی کو دیکھتی رہی لیکن جب لٹے یہ یقین ہو گیا کہ وہ مخاطب کیے بغیر نہیں چوکیں گے تو اس نے آہستہ سے سوال کیا "نواب صاحب! آپ کو منہ کیوں ہیں؟"

کیونکہ ان کی شہر کی آواز اور سر پہ لڑتے مخاطب نے شہناز علی کو کسی حد تک نشان کر دیا۔ وہ جواب دینے کے بجائے اس مرتبہ قیامت کو دیکھنے لگے۔ بنگلہ راجہ پر حشمت پس قیامت برآمد تھا۔ سنہری زلفیں، نیلی نگینیں، امیرہ شہابی رنگ اور متناسب اعضاء کی شہناز علی کی شکل اختیار کر کے نواب شہناز علی کے دربار و دفتر اٹھائے تھے۔ شہناز علی کی خاموشی اور نوحیت نے کیونکہ ان کو دل سا خوفزدہ کر دیا اس نے پھر

سوال کیا۔ "نواب صاحب! آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے؟ یہ پریشان پریشان کیوں نظر آ رہے ہیں؟"

شہناز علی نے کھینچا کہ کوکوش پر بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "کیونکہ ان کی ہمدردی موجودگی میں پریشان کر رہی ہے؟"

کیونکہ ان نے جواب دیا۔ "نہیں تو؟"

انہوں نے پھر سوال کیا۔ "کیونکہ یہاں سے فی الفور رخصت ہو جانا چاہیے؟"

"نہیں تو یہ کس نے کہا؟"

"کیونکہ غازی الدین حیدر یا وزیر اعظم کو ہمدردی یہاں موجودگی کا علم ہو چکا ہے؟"

"میرا خیال ہے یہ بھی غلط ہے۔"

"کیونکہ اس جگہ میں ہمارا قیام خدا بخش خاناں کی وجہ سے ہے؟"

"ایسا بھی نہیں، کیونکہ کہتا ہے؟"

"کیونکہ بات مکی ہے کہ اگر حکومت اور وہ کو ہمدردی اس ننگے میں روپوشی کا علم ہو جائے تو وہ ہمیں تلاش کر دے گی ہوتی یہاں تک آجائے گی اور میں گرفتار کر کے لے جائے گی؟"

"اب کیونکو ہوسکتا ہے۔ آپ کے بادشاہ کی یہ مجال نہیں کہ ہمارے ننگے کی کٹکٹائی لینے کی جہت بھی کوسمیں۔"

شہناز علی نے کہا۔ "ہم نے سوچا ہے دو چاروں میں ہم فیض آباد چلے جائیں، اب ہم ہمارے بھی نہیں۔ خدا بخش کہتے ہیں آج آفتاب کل عجب اب؟"

کیونکہ ان نے ذرا آواز سے کہا۔ "آپ اس وقت تک میں دہلی کے عجب ملک طبیعت پر میری طرح ٹھیک نہ ہو جائے۔ دوسری بات یہ ہے کہ ہم کوئی کوشش کر رہے ہیں کہ آپ بادشاہ کی نظر میں سادہ حقیقت پھر حاصل کریں۔"

شہناز علی نے پھر کہا۔ "کس طرح؟"

"پرنسپلٹ بہادر کی مداخلت سے آپ کا کام قطعی ہوسکتا ہے؟"

"بالکل ہوسکتا ہے لیکن پرنسپلٹ بہادر میں کام کیوں کرنے لگے؟"

"ان سے ہم رنگ کہیں گے اور ہمیں یقین ہے کہ وہ انکار نہیں کریں گے۔"

"خدا کرے ایسا ہی ہو۔ اگر ایسا ہوگی تو منہ کیونکہ ان آپ دیکھو کہ ہم آپ کے لیے کیا کرتے ہیں۔"

کیسترائی نے مسکو کو سر جھکا لیا، بولی، "آپ اپنی سابقہ حیثیت حاصل کریں، میں اس سے ہی خوش ہوں گی۔"

کیسترائی نے شہامت علی کو بڑی حوصلہ افزائی سے دیکھا اور اس کے چہرے پر ہنسٹا ہوا تھا۔

شہامت علی کچھ کہنے نہ کہنے کے پس میں پڑ گئے۔ کیسترائی کا جہلی تھا کہ اس کا شریک اذکار اور نظروں جھکا کے جواب دینے کا طریقہ شہامت علی کو کھانا دینے کے لیے یہ ہے کہ گاؤں کے کچھ عبادتیں ضرور کریں گے لیکن شہامت علی محتاط تھا، کہنے لگے "منہ کیسترائی! ہم کسی طرح بادشاہ کے خواب سے نہات حاصل کریں، اس کے بعد دیکھیں گے ہم کتنے دنوں تک آپ کا رانا بھاننہ دیکھتے ہیں۔"

کیسترائی نے اس سے یہ دعا پڑھا اور شہامت علی نے اسے ہاتھ میں لے لیا۔ پھر تھیں کی پشت کو بوسہ دے کر چھوڑ دیا۔ کیسترائی نے شرفی سے کہا "مشرقی رواج کی شہامت علی نے جواب دیا۔ "میں نے دنوں تک آپ خود ہی عاجز آجائیں اور پھر کوئی چیز دینا بڑی سیو بات سمجھی جاتی ہے لیکن آپ نے یہی کیا ہے۔ کیا میں پوچھ سکتی ہوں کہ آپ نے ایسا کیوں کیا؟"

شہامت علی نے جواب دیا۔ "کیسترائی! آپ نے کسی طرح سمجھ لیا کہ میں آپ کا ہاتھ پکڑ کر چھوڑ دیا ہے؟ ہاتھ پکڑنے کا ایک خاص مقاصد ہے۔ اس قاعدے سے جب کہنے کو نہ شہامت علی نے اتنی بات کہ دی لیکن انداز میں اس سے کہہ دیا کہ آپ کا ہاتھ پکڑنے کے تو بے شک نہ بھڑکیں گے۔"

کیسترائی غور سے ہر جہت سے شہامت علی سے اس کے جذبات اور احساسات کا جو اندازہ لگایا تھا وہ مست افزا اور کیفیت اور بھی تھا اور خوشنک اور شرمیلے ناک بھی۔ کیسترائی ایک انگریز لڑکے کی تھی، ایک انگریز نوجوان کی بوری تھی، ریڈیٹ کے محلے کا لازم نوجوان کیسترائی کا شرم بھی تھا اور عارضی بھی۔ ان دیواروں اور دشواریوں کے ہونے کی وجہ سے وہ کیسترائی کا شان چہرے میں لقمہ بھی نہ کر سکتے تھے۔ انہوں نے اسے اپنی مجرما پوری کی طرح بانٹے تھے۔ بجا رہیں کیسترائی کی طرف سے وقوع پزیر ہورہی تھیں، جواب شہامت علی دے رہے تھے لیکن کیا یہ عبادتیں اور شہامت علی کی طرف سے دیے جانے تو جواب نہ ہوتے اور اگر جواب نہ ہوتے تو یہ خبر نہ ہوتی جس سے آپ نے یہ بڑا جلد سے بہت پریشان کیوں کیسترائی کا ہنسنے اور غارت گراہی اس اور نواز شہامت علی نے دیکھا۔

کیسترائی اس دن بھی نہیں سمجھتا کہ وہ ہی متاثر ہو گئی، بولی، "آپ کیسے بھی ہوئے اور کچھ بھی ہوئے، مجھے یقین ہے کہ آپ یہی ہوئے، اتنے ہی نیک اور شریف کیسترائی ان کی طرف خود بڑھ رہی ہو۔ جتنے اس وقت اب ہیں۔"

"مشاید؟" شہامت علی نے غور سے جذبات چھاننے کے لیے کئی بار منھیں جھکا کر سر جھکا لیا۔

جان اور کیسترائی نے ریڈیٹ کو مجبور کر دیا کہ وہ بیچ میں پڑ کر بادشاہ سے شہامت علی کی صلح صفائی کرادے۔ ریڈیٹ نے غازی الدین حیدر سے ملاقات کی اور شہامت علی کی طرف سے زبردستی وکالت کی۔ غازی الدین حیدر نے کہا کہ "ہم شہامت علی

کے خلاف نہیں ہیں لیکن ہمیں یہ معلوم ہوا تھا کہ شہادت علیؑ، ول عہدی کے سلسلہ میں فتویٰ کو دے رہے ہیں۔ اگر یہ الزام غلط ہے تو ہم اپنا عقاب واپس لیتے ہیں۔ وہ جہاں کہیں رہا ہوں وہاں آجائیں۔ ہم ان سے کچھ بھی نہ کہیں گے، نہ کفر میں کریں گے۔
 وہ شہادت علیؑ کے بارے میں کہیں نہ کہیں گے، نہ کفر میں کریں گے، نہ کفر میں کریں گے۔
 منظروری کے بغیر کسی غلط شخص کو ول عہد نہیں بنایا جاسکتا۔ شہادت علیؑ کی کیا مجال ہے کہ اس سلسلہ میں گڑبڑ کریں۔

اسی دن شہادت علیؑ جان کے بچے سے نکل کر اپنے محل میں چلے گئے۔ اس دن شہادت علیؑ بہت خوش تھے لیکن کیتھرائٹ بہت اداس ہو گئی۔ جان سلسلے کھڑا تھا کہ کیتھرائٹ نے اس کی موجودگی پر کھڑا تھا۔ "نواب صاحب، آپ کو اپنی سابقہ حیثیت پر بحالی مبارک ہو" بھی بھی یاد فرمایا کیجئے گا۔

شہادت علیؑ نے جواب دیا تھا: "یا دوسرا، کیا، ہم تو اس کا ایسا غیر معمولی دہی لے کر آپ لوگ ہمیشہ یاد رکھیں گے۔"

جان نے کہا: "میں آپ سے ہندو کام مزدوروں کا لیٹی ایسی اس کا ذکر نہیں کروں گا۔"
 "بعد شوقی مشر جان، آپ کے لیے تو ہم اپنی جان تک دے سکتے ہیں۔"
 کیتھرائٹ نے شرمیلی سے سوال کیا۔ "مشر جان کے لیے اگر آپ اپنی جان دے دیں تو میرے لیے کیا قربانی دیں گے؟"

شہادت علیؑ نے سسرور کہا: "ہمارے پاس آپ کے سوال کا نہایت شاندار جواب ہے لیکن وہ لکھا ہے کہ اس جواب سے مشر جان، راضی نہ ہوا۔"

جان غصہ نہ کر کے دلی سے اجازت دے دی۔ "مشر شہادت علیؑ، ہم دونوں قدامت پرست نہیں ہیں، آپ آزاد ہیں، اخلاقی حدود میں رہ کر کچھ بھی کہیں گے، ہم نہیں مانتے ہیں۔"

شہادت علیؑ نے جواب دیا۔ "مشر جان کے لئے اور جان آپ کے لیے ایمان کا جواب ہے دونوں بننے لگے لیکن کیتھرائٹ شرمناک ہوئی، بولی: "مشر کہیں گے؟" جان نے چونک کر کیتھرائٹ کو دیکھا اور شہادت علیؑ کی باتوں سے جان کو دیا لگے لیکن کیتھرائٹ کو ان دونوں کی برادری تھی، اسے جو کچھ تھا کھانچا بھی تھی۔

شہادت علیؑ نے علیؑ میں داخل ہوئے ہی پہلا کام یہ کیا کہ جان اور کیتھرائٹ کو کھانا کا ایک زوردار خط لکھا اور خط کے ساتھ ہی دس ہزار روپے اسی لیے روانہ کیے کہ ان

خان میں ان دونوں کی رہائی اور کیتھرائٹ کو ضرورت تھی۔ شہادت علیؑ نے یہ بھی لکھ دیا تھا کہ جان، کار کا پرشاد کے ساتھ چوکا کر دیا اور کھانا اس کے نفع کی رقم جو کچھ بھی نہیں لے رہی تھی، اس لیے انہیں دونوں کی شدید سخت ضرورت تھی۔ خط کی آخری سطروں میں یہ بھی لکھ دیا تھا کہ اگر اس رقم کو قبول کرنے میں ناکام یا تذبذب سے کام لیا گیا تو انہیں سخت تکلیف پہنچے گی اور ساتھ ہی یہ بھی لکھ دیا تھا کہ جب نفع کی رقم مل جائے گی تو جان اس رقم سے اس رقم کو واپس کر سکتا ہے!

قبول کر لینے کے سوا کوئی دوسرا چارہ بھی نہ تھا۔ جان نے رقم وصول تو کر لی لیکن کیتھرائٹ سے کہا: "کیتھرائٹ، ہم شہادت علیؑ سے جو کام لینا چاہتے ہیں، پہلے دے دیا جائے نہ لواب صاحب کے جذبات سرد پڑ جائیں گے اور ہم کہیں ایک بڑے فائدے سے محروم ہو جائیں۔"

کیتھرائٹ نے جواب دیا۔ "میں ان کے قرض اتار دے، نواب شہادت علیؑ رحمت کے فرشتے ہیں، ہم ان کی قدر کرنی چاہتے ہیں۔ اور ان کے بھتیجے بونے کھنے خالص شکر سے کے ساتھ قبول کر لینا چاہتا ہوں!"

جان ایک دم آرزو ہو گیا، بولا: "مشر کیتھرائٹ، تمہیں باور ہے، مگر ہم دونوں کی شادی محبت کے بعد ہوئی تھی، لوگ کہتے ہیں کہ مشر کی آب و ہوا میں مرد و عورتوں کے دشا دار نہیں رہتے لیکن جہاں تک میرے ذاتی تجربے اور شہادت علیؑ کا تعلق ہے، مجھے یہی معلوم ہوا ہے کہ یہاں کی آب و ہوا میں عورتیں بھی دشا دار نہیں رہتیں۔ میں چاہتا ہوں کہ تم مجھے دھوکا نہ دے، نہ دنا کرنا ہو، نہ تم سے محبت کرنا ہو، نہ محبت، نہ بد محبت، واپس نہ محبت!"

کیتھرائٹ نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ "مجھے معلوم ہے کہ تمہارے دل میں میری طرف سے شک کیوں پیدا ہوا ہے۔ میں نے بے اختیار میں نواب کو "شرعی نہیں" کہہ دیا تھا۔ شاید اس سے تمہارے دل میں اس قسم کے وسوسے اور شکوک پیدا ہو گئے۔" اس کے بعد اس نے جان کو اپنی خوشحالی سے لیا اور انگلیوں سے شانے لے کر دوسرے جان کے سینے کو سہلائے لگے۔

جان بھی محبت سے کیتھرائٹ کی پشت سہلائے لگا۔
 ایک شاندار رات لکھی گھوڑا جان کے چنگے میں داخل ہوا۔ گھوڑے سے ذرا فاصلے پر بیٹھے بیٹھے سپر سوار آ رہے تھے۔ خان ماں خدا بخش نے آگے بڑھ کر نواب شہادت علیؑ کا

استقبال کیا۔ نواب کا دل اس سے صاف نہ تھا، بے مروتی سے کہہ دیا: "خدا بخش آدم
 سامنے سے ہٹ جاؤ۔ کیونکہ ہم نہیں چاہتے کہ تم ہمارے معاملات میں مداخلت ہو جاؤ۔"
 خدا بخش نے خوش دہ سے ہنسی نکال دی، کہا: "موصوفہ اگر دے جوتے بھی مار لیجے گا، یہ کس طرح ممکن ہے کہ تو نے جان کا ذکر تو وہی ہی برسیل نہ کر دیا۔"
 توندہ ملک صلائی کا ثبوت دے گا اور اُت بھی نہ کرے گا۔ یہ کس طرح ممکن ہے کہ تو نے جان کا ذکر تو وہی ہی برسیل نہ کر دیا۔"
 قسطنطنیہ لائیں اور یہ خاکسار کاب کے نیچے اپنا سر نہ رکھے، محصور کے پائے مبارک
 اور خادم کا سر اگر جو تون کے گرد کی تبرک سے خادم کو عزت بخش دی جائے تو نصیب آریں۔
 کی بات ہو گئی۔"

شہادت علی نے خاموشی اختیار کی، معلوم نہیں کس طرح کیتھرائٹ کو خبر ہو گئی، وہ محصور
 والہانہ انداز میں باہر نکل آئی، ہلکا گلابی اسکاٹ سے نہجا ہوا تھا اور گریش اور کیتھرائٹ نے
 جس کے شب و فراز مایاں تھے، بے پردہ اور بے حجابانہ شہادت علی کو دیکھتے ہی
 ہو گئے، کیتھرائٹ نے ہنسنے لگا، مارا کہتے ہائے!

کیتھرائٹ نے نواب شہادت علی کا ہاتھ پکڑ لیا اور دھڑلنگ قدموں میں
 چلی گئی، خوشنویں اور اشتہائی اس شے ایک ایک رویش رویوں سے ٹپک پڑے تھے، کیتھرائٹ نے ہنسنے لگا،
 کوچ پر بیٹھا کر سامنے کھڑی ہو گئی، بولی: "میں تو کچھ بھی تھی کو اب آپ نہیں آئیں گے۔"

شہادت علی نے ہنس کر پوچھا: "آپ نے کیوں سوچا تھا؟"

کیتھرائٹ نے جواب دیا: "اس لیے کہ اب آپ اودھ کے بادشاہ غازی الدین ہیں۔"

کے رشتے کے جانی ہیں اور آپ اپنی اصل حیثیت پر بحال ہو چکے ہیں!"

"آپ نے یہ کیوں نہیں سوچا کہ اس معاملے میں آپ کی مہر نایاں اور فرائضیں بیشتر وغیرہ دیکھیں وہی رات کٹ جائے گی۔"

پیش رہی ہیں۔"

کیتھرائٹ نے کہا: "ہم نے کیا کیا ہے کچھ بھی نہیں، یہ کام تو آپ کا بہ حال کسی نہ کسی
 طرح ہو رہی ہیں۔"

"خیر، چھوڑ دے اس ذکر کو، مشر جان کہاں ہیں؟"

کیتھرائٹ نے کہا: "دفتر میں ہوں گے، کیونکہ ان سے کوئی خاص کام ہے۔"

شہادت علی نے جواب دیا: "میں تو ہم یہاں آئے تھے تو ان سے بھی مل لیا
 چاہتے تھے۔"

کیتھرائٹ نے نا اطمینانی سے کہا: "میں غلطی سے سمجھ بیٹھی تھی کہ نواب صاحب جوں کاس کے لیے وقت بھی آتا ہی بارہ چاہتے۔ آپ کے بیٹے میں پراگش نہیں ہے۔"

سے منے آئے ہیں لیکن اب یہ معلوم ہو گیا کہ نواب صاحب مشر جان سے ملنے آئے ہیں۔"

"آپ مجھ سے کس قسم کی باتیں کرنا چاہتے ہیں؟"

"یہ جانے میں بتائیں گے، یہاں نہیں۔"

کیتھرائن نے کہا، "آپ کی مرضی! پھر پوچھا۔" آپ نما آئے ہیں یا کوئی اور؟
آپ کے ساتھ ہے؟

شہامت علی نے فستے سینہ تان کر جواب دیا، "خدا ہمارے ساتھ ہیں!"
"ابھی صبحی اندر بلا لیجئے!"

نہیں ایسا نہیں ہو سکتا، شہامت علی نے جواب دیا۔ "وہ خادم میں ہم نواب، اور مرتضیٰ میں خدا کی طرف سے طلب ہے، ہم نے ضامن کیوں کریں؟"

اسی لمحے انہیں محسوس ہوا کہ کوئی ان کی باتیں سن رہا ہے۔ کیتھرائن سے پہلے اشارہ دے کر اسے میں پہنچ گئے۔ وہاں خدا بخش جھارو پوچھ میں مصروف تھا۔ شہامت علی گئے کہ خدا بخش ان رہائے اور جھوٹے کہہ سارے کر انہیں بے وقوف بنا رہا ہے۔

شہامت علی نے شدید ناخوشی سے اشارہ کیا۔ "تم یہاں کہا کرتے تھے کہ ہم کبھی نہیں ہوں گے۔"

ہاں ایک بات ہمیں البتہ معلوم ہے۔ وہ یہ کہ ہم غیر ضروری صورت حال کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے۔

آئندہ خیال ہے۔

"بہت بہتر۔" غصا ہونے لگا۔ جواب دیا اور ان کا کہہ سوتا انجام دیتا رہا۔

شہامت علی پھر کیتھرائن کے پاس پہنچ گئے۔

دونوں درپردہ باتیں کرتے تھے۔ اس کو طبعی حقدار سے کہیوں میں محبت کے پستل تھا۔ کچھ ادھر ادھر کی باتیں بھی پرکھیں۔ جان بھی تھیں اور اس کے آگے ہی گفتگو کا یہاں بدل گیا۔ شہامت علی نے اس کے لیے بھی ایک موضوع رکھ چھوڑا تھا۔ جان ان سے گرم چوٹی سے ملا۔ شہامت علی نے کہا، "مشرعوان! آپ نے ہم پر جو احسان کیا ہے ہم اس کوئی مدافعت نہیں دے سکتے۔ غازی الدین حیدر میرا ہیں کہ آخر ہمارے تعلقات بدتر ہو گئے ہیں۔"

اسے کسی طرح نام ہوئے، بہر حال جو کچھ تھا مناسب اللہ ہوگا۔ باتیں کرتے کرتے وہ ہو گئے اور کسی اور چیز میں پڑ کر کچھ سوچنے لگے۔

جان نے پوچھا، "اگرچہ سوچنے کے نواب صاحب؟ غیرت تو ہے؟"

شہامت علی نے جواب دیا، "مشرعوان! وہ بات ہی ایسی ہے کہ کھتے نہیں ہم سوچتے ہیں کہ اگر اسے ہم اپنی زبان سے ادا بھی کریں گے تو اس کا آپ پر کیا ناخوشی ہوگا؟"

معتز آئینہ آئینہ سے کہیں، اگر وہی سوچ کر زبان کھولتے ہوئے گھبراتے ہیں۔

کیتھرائن نے نہیں کر کہا، "آپ باتیں کرتے ہوئے اترتے ہیں میں غور تو کرتا ہوں کہ کب کب کبنا سنا ہے کہ میں جیسے کامل اور غیر ضروری سوچ ہمیشہ پریشانی کی طرف سے بدلہ باہر نکلتا انہیں خدا بخش نے روک لیا، بولا، "قید نواب صاحب! خدا آپ کو زندہ اور ہیں!"

شہامت علی نے کہا، "آفریں! ہمارے توبہ، اگر وہ بات سنا ہی چاہتے ہیں"

کیتھرائن نے جواب سے اور شاہ غازی الدین حیدر کو معلوم ہوا ہے کہ ہمارے آپ لوگوں کے ساتھ ہے؟

شہامت علی نے فستے سینہ تان کر جواب دیا، "خدا ہمارے ساتھ ہیں!"

"ابھی صبحی اندر بلا لیجئے!"

نہیں ایسا نہیں ہو سکتا، شہامت علی نے جواب دیا۔ "وہ خادم میں ہم نواب، اور مرتضیٰ میں خدا کی طرف سے طلب ہے، ہم نے ضامن کیوں کریں؟"

اسی لمحے انہیں محسوس ہوا کہ کوئی ان کی باتیں سن رہا ہے۔ کیتھرائن سے پہلے اشارہ دے کر اسے میں پہنچ گئے۔ وہاں خدا بخش جھارو پوچھ میں مصروف تھا۔ شہامت علی گئے کہ خدا بخش ان رہائے اور جھوٹے کہہ سارے کر انہیں بے وقوف بنا رہا ہے۔

شہامت علی نے شدید ناخوشی سے اشارہ کیا۔ "تم یہاں کہا کرتے تھے کہ ہم کبھی نہیں ہوں گے۔"

ہاں ایک بات ہمیں البتہ معلوم ہے۔ وہ یہ کہ ہم غیر ضروری صورت حال کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے۔

آئندہ خیال ہے۔

"بہت بہتر۔" غصا ہونے لگا۔ جواب دیا اور ان کا کہہ سوتا انجام دیتا رہا۔

شہامت علی پھر کیتھرائن کے پاس پہنچ گئے۔

دونوں درپردہ باتیں کرتے تھے۔ اس کو طبعی حقدار سے کہیوں میں محبت کے پستل تھا۔ کچھ ادھر ادھر کی باتیں بھی پرکھیں۔ جان بھی تھیں اور اس کے آگے ہی گفتگو کا یہاں بدل گیا۔ شہامت علی نے اس کے لیے بھی ایک موضوع رکھ چھوڑا تھا۔ جان ان سے گرم چوٹی سے ملا۔ شہامت علی نے کہا، "مشرعوان! آپ نے ہم پر جو احسان کیا ہے ہم اس کوئی مدافعت نہیں دے سکتے۔ غازی الدین حیدر میرا ہیں کہ آخر ہمارے تعلقات بدتر ہو گئے ہیں۔"

اسے کسی طرح نام ہوئے، بہر حال جو کچھ تھا مناسب اللہ ہوگا۔ باتیں کرتے کرتے وہ ہو گئے اور کسی اور چیز میں پڑ کر کچھ سوچنے لگے۔

جان نے پوچھا، "اگرچہ سوچنے کے نواب صاحب؟ غیرت تو ہے؟"

شہامت علی نے جواب دیا، "مشرعوان! وہ بات ہی ایسی ہے کہ کھتے نہیں ہم سوچتے ہیں کہ اگر اسے ہم اپنی زبان سے ادا بھی کریں گے تو اس کا آپ پر کیا ناخوشی ہوگا؟"

معتز آئینہ آئینہ سے کہیں، اگر وہی سوچ کر زبان کھولتے ہوئے گھبراتے ہیں۔

اقبال مندر رکھے، جھنڈے معلوم نہیں کیوں اس ناچر سے مخفا ہو گئے ہیں۔ اگر حضورؐ نے اذبحیٰ کو نہایت عزت سے بچایا اور دیر تک اس کے پیٹھ کی باتیں اگھواتے رہے۔
فرمانیں تو یہ ناچیز بڑے کام کا نہایت ہو گا۔

شہادت علیؑ نے کئی یکنی مرد مہری سے جواب دیا۔ ”ہم تمہارے شکر اے عجبت کرنے والے ہے۔ دونوں میں اس موضوع پر بات بہت کا آغاز کیے ہو، وہ
میں سبب ضرورت ہوگی کہیں تکلیف دیں گے۔“

خدا بخش کھنٹی کی ملازمت پر ناز تھا اور اس کے دل میں کسی کا بھی خود شریک ہونے سے انکار کرنا تو کھنٹیؑ نے صاف صاف کہہ دیا کہ جہاں اس دعوت میں
مخارج میں آنا ضروری ہوگا اسے کہ وہ کچھ سے اپنی کوئی بات بھی نہیں بچیا میں ایک اور سے باز رکھنا چاہتا ہوں۔ آخر جہاں سے چلا کر کہا کہ اس نے اپنے
سے جھنڈے کی بابت کچھ معلوم حاصل کر رہی تھیں، میں نے بھی بول ہی آئی، یا نہیں شہادت علیؑ نے اس دعوت میں شرکت کی تو اس کا بہت برا نتیجہ نکلے گا۔
ہوایات دے کہ ان کی پرستی بند کر دی۔“

یہ ایسا نفسیاتی چل تھا کہ شہادت علیؑ ہر مان گئے، سراپا اشتیاق بن کر پوچھا
”کیونکہ ہماری بات کسی قسم کی معلومات حاصل کرنا چاہتی تھیں؟“

”یہ حضورؑ کی کئی بیویاں ہیں اور یہ کہ اسلام میں چار شادیاں جائز ہیں کیا حرج
ایک اور شادی کر سکتے ہیں یا نہیں؟“

شہادت علیؑ نے بے یقینی سے سوال کیا۔ ”پھر تم نے انہیں کیا جواب دیا؟“
اب خدا بخشؑ کی ماری تھیں اس نے جواب میں سرد مہری اور لبرالی سے کہا کہ

اپنے کچھ آدم کی طرف جانا ہو گا۔ میں کیا جواب دیتا۔ وقت اور موقع دیکھتے ہوئے میرے پاس کچھ آدم تھے۔
جواب مناسب تھا، اسے دیا۔“

اس کے بعد وہ شہادت علیؑ کے پاس ایک منٹ کے لیے بھی نہ بٹھا، شہادت
سے بھی سے اسے دیکھتے ہی رو گئے اور انہیں فرمایا خیال آ کر خدا بخشؑ کی تھوڑی کاغذ

سے اور شاید اس کا راز دار اور ہم راہ بھی، اس لیے وہ اتنا معمولی آدمی نہیں ہے۔
نظاہر نظر آتا ہے۔ یہ سوچ کہ شہادت علیؑ نے فیصلہ کر لیا کہ ہر دم خدا بخشؑ سے لگا ہوا
نہیں، اس سے تعلقات رکھنا ہی نہیں گئے۔

خدا بخشؑ نے نواب شہادت علیؑ کو یہ بہت انگریز خیر شاہی کی کھنٹیؑ اور شہادت
میں ان ہی بہت سے تھے اور اس کا سبب شہادت علیؑ کو پھر لایا ہے جس دن انہیں

خبر ملی تھی، اس کے دوسرے دن دونوں کو دعوت میں شرکت کی تھی۔ خدا بخشؑ نے بتایا
کہ جہاں نے نواب کی دعوت میں شرکت سے منع دہری کا اظہار کیا ہے کہ وہ کوئی نہایت

چاہتے تھے کہ ان کے محلے کے لوگ لڑائی امر اور دزدوں سے خدا لا کر ہی۔ شہادت علیؑ
نے جواب دیا۔ ”حضورؑ کو خوشی کہ وہ کھنٹیؑ میں خدا کا نام لے کر ہی جاتی ہیں۔“

یہودیوں کو باتیں بھی ہوں ان سے میں خبردار رکھنا؛

خدا بخش نے عاجزی سے جواب دیا۔ "حصنور یہ بھی کوئی کہنے کی بات ہے، یہ خاکسار پہلے تو حصنور کا غلام ہے اس کے بعد کسی اور کا۔ میری نظروں میں حصنور سے بڑھ کر کسی اور کی کیا عزت ہو سکتی ہے۔"

خدا بخش چلا گیا۔ نواب شہامت علی ابھی جاں کے پاس جانے کا ارادہ کر رہے تھے کہ جاں موڑ دی ان کے پاس پہنچ گیا اور دعوت میں شرکت نہ کر سکنے کے لیے پہنچ چکا ہے۔ شہامت علی نے اس کی خدمت قبول کرنے میں پس و پیش سے کام لیا لیکن جاں نے بھی نہ پیچھا اور اپنی بات پر اڑا۔ اس نے نہایت خوش اخلاقی اور خندہ پیشانی سے شہامت کو یہ بتا کر وہ ایسا کسی بڑی شہادت یا کسی اور وجہ سے نہیں کر رہا بلکہ اس میں چند سیاسی اور فتنائی دشواریاں مل رہی ہیں۔ شہامت علی نے اس کی خدمت قبول کر لی لیکن اس شہادت پر کارگرد خود شریک نہیں ہوتا تو کوئی بات نہیں کیجھڑائی کو ضرور بھیج دے۔

جاں نے اس کا وعدہ کر لیا اور کہا۔ "میں کیتھرائٹ کو خود نہیں روکوں گا۔ اگر وہ شہر کے بغیر دعوت میں شریک ہونا پسند کرے تو قصور و شریک ہوں گی۔"

شہامت علی کو کچھ ہنسا کہ شاید کیتھرائٹ بھی دعوت میں شرکت نہ کر سکے کیونکہ جاں کے گفتگو اور سبور سے انہیں یہ اندازہ ہوتا تھا کہ وہ کیتھرائٹ کی شرکت پر بھی بخوشی رضامند نہیں

جس بارہ دہائی میں دعوت کا اہتمام چڑھا تھا، اسے نہایت پہلے اور غیر معمولی طور پر اور سے آراستہ کیا تھا۔ یہ بارہ دہائی ایک معمولی جھیل کے چھوٹے پنج میں ہوئی تھی۔ جھیل کوئی نہایت صاف شفاف تھا۔ آنا شفاف کر اس میں نمودار و پیل، صنبرے اور دوسرے رنگوں کی مختلف انواع اور قد و قامت کی تیرتی ہوئی جھیلیں صاف نظر آتی تھیں۔ ان جھیلیں کی جتا فٹ ڈیڑھ فٹ لمبی تھی۔ اس بارہ دہائی تک پہنچنے کے لیے جو کہ گامدین پڑتی تھی۔ یہ بوجھال گمارے سے لگا رہتا تھا اور اس کا رخ جھیل کے سامنے اس عمل کی طرف رہتا تھا جس میں شہامت علی کا خاندان رہتا تھا۔ جھیل کے کناروں پر رنگ برنگے چھوٹے چھوٹے قطاروں جھیلی ہوئی تھیں۔ ان قطاروں کے بعد لمبی لمبی گھاس بکھری تھی۔ گھاس کے اس پار عمل کی عمارتیں تھیں اور وہ دور سے بڑی بھلی لگتی تھیں۔

شہامت علی نے اس دن بارہ دہائی کو بطور خاص سجاایا تھا اور مختلف انواع کے کاٹھیر لگا دی تھا۔ خدمت گاہ میں عورتوں کا ایک پرانے حکام کی خاطر موجود تھا۔ ایک طرف خواجہ سرا بھی کھڑے تھے۔ شام کے چار بجے شہامت علی کو اطلاع ملی کہ کیتھرائٹ

خدا بخش کے ہمراہ آج بھی ہے۔ شہامت علی فوراً اس کے استقبال کو پہنچے اور اس کی تشریف آوری کا شکریہ ادا کیا۔ کیتھرائٹ نے کا فراندا انکار کیا اور ہوشیاراً عتبہ سے شکوے کا جواب دیا۔ شہامت علی نے رکھا کہا۔ "میں انہوں سے کاس پر لطف و دعوت میں مسترمان نہیں شریک ہو سکے۔"

کیتھرائٹ نے مزید ناگہ گارسی سے جواب دیا۔ "اس معاملہ کا آپ ذکر ہی نہ کریں نواب صاحب دیکھئے اس کے نام سے بڑھوٹے لگی ہے۔"

شہامت علی نے راز ماز نہ کیا کہ "بہر حال وہ آپ کے شوہر ہیں۔ ہم کیا کہہ سکتے ہیں۔" "یہ تم کہیں! کیتھرائٹ نے خدا دشتی سے کہا۔ "اگر آپ برا نہ مانیں تو میں ایک بات کہوں؟"

"کیسے؟" شہامت علی اس کی صورت دیکھنے لگا۔

کیتھرائٹ نے پوچھا۔ "میں پتا کہاں ہے، یہ باتیں کرنے کی جگہ نہیں ہے۔"

شہامت علی نے بوجھال کی طرف سے کیتھرائٹ سے دو علاج آگے بڑھے اور بڑا کھولا۔ شہامت علی کیتھرائٹ اور خدا بخش کے مائدہ بھرے میں بیٹھ گئے اور ملا حول کر چلنے کا اشارہ کیا۔ کیتھرائٹ کو یہ جگہ اور یہاں کا منظر بہت پسند آیا، کچھ لکھی۔ "نواب صاحب اگر میرا میں چلتا تو میں یہیں کی بود باش اختیار کر لیتی۔"

شہامت علی نے جواب دیا۔ "آپ کہاں رہنے سے کون منع کر سکتا ہے۔ اگر آپ چاہیں تو شرقیہ میں رہ سکتے ہیں، ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔"

جو کہ کھجور کھجور ہوئی اور وہ آہستہ آہستہ معاملے سے دور ہونے لگا۔ کیتھرائٹ ان کے منظر میں گم ہو گئی۔ بخدا دھیرے دھیرے بارہ دہائی کی طرف بڑھتا ہوا۔ کیتھرائٹ نے کہا۔ "نواب صاحب! آپ کی بارہ دہائی کا محل تو عرصہ کنوٹش اور پناہ ہے۔ اگر میرا میں چلا تو۔۔۔ تو۔۔۔"

اور اس کی آواز اندر گھل گئی۔

شہامت علی کیتھرائٹ سے بالکل قریب بیٹھ کر بیٹھ گئے تھے۔ انہوں نے بے اعتبار کیتھرائٹ کا ہاتھ پکڑ لیا۔ "لو۔۔۔" کیتھرائٹ نے کہا۔ "آپ کتنی چھٹی ہیں۔ ہم آپ کا کس زبان سے شکریہ ادا کریں کہ آپ ہماری دعوت میں شرکت فرما رہی ہیں۔"

کیتھرائٹ نے نہ تو کوئی مزاحمت کی اور نہ ہی کوئی جواب دیا۔

یہ نواب شہامت علی کا علاقہ تھا یہاں ان کی حکومت تھی، ان کا اقتدار تھا اس لیے وہ مڈر تھے۔ انہوں نے قاصد اور خدا بخش کی کوئی پراماں کو لے کر کیتھرائٹ کے ہاتھ کو بوسہ دیا اور

کھٹے لگے۔ اسے کاشمیر میں پیدا ہوئے ہوتے، اسے کاشمیر میں پیدا ہوئے۔
 کیتھرائٹ نے جڑ کھجور دیا۔ آپ کیوں اس قسم کی خواہش کرتے ہیں۔ آپ کی عمر
 چوبیس سے محبت کرتی ہوں، وہ مغربی نہیں شرعی ہے۔ اگر آپ کسی طرح انگریز ہو جائیں تو میرا
 علاقہ تباہ کارہ آخری دن ہو گا۔

میں نے نہایت محبت اور اشتیاق سے کیتھرائٹ کو دیکھ دہی یقین۔ انہیں یہ بلے باگ اور
 بہت ساری بات چیت اور اچھے شکلوں کے بعد دعوت شروع ہوئی اور یہی کھانڈنے
 کیتھرائٹ کو بہت محفوظ کیا۔ کھا، کھا چکنے کے بعد نواب صاحب نے پوچھا: "اب آپ کا کیا پروگرام
 اس نے جواب دیا۔ "فصلی ویرودوں کی کرکٹ میں کریں گے۔"

نوشہ کے کیتھرائٹ کا بڑا حال تھا۔ نواب صاحب: "وہ کھینے لگی۔ اگر آپ چاہیں گے تو میری بہن ہے؟"
 زندگی کا لقمہ زمانہ نہیں اسی بارہ دہی میں گزار دینے کو چاہتا ہے۔
 شہادت ملنے کا۔ ہم کل ہی اسے خلی کرادیں گے، آپ ہمارے پاس رہنے کو چاہتے
 تو ہوں۔"

کیتھرائٹ نے جواب دیا: "میں خوش رہنے کو آمادہ ہوں اور یہاں کی یہ محال نہیں کہ میرا
 ایسا کرنے سے روک سکے۔ میں ڈراما ہیچ ہے جو مجھے پائیدار بنائے ہوئے ہے۔"
 شہادت ملنے کا۔ "اور وہ ہیچ کیا ہے؟"

کیتھرائٹ نے جواب دیا: "وہ ہیچ یہ ہے کہ میں جان کی ہوس میں لیکن اس کے لیے میں
 نے یہ طے کر لیا ہے کہ جس دن بھی غصہ ہو جاوے اس وقت کو کھانڈ کر دوں گی۔"
 "آپ حسن دہی میں ایسا قدم اٹھائیں گی میں اسے نظر نہ کر سکیں گی۔"
 کیتھرائٹ نے غصہ نہ بھریں کیا۔ "لیکن ایسا کرنے میں چند ایسی دشواریاں مائل ہو جائیں
 ہیں کہ میں غصہ کر پاؤں ہر مائل ہوں۔"

"وہ دشواریاں کیا ہیں۔ ہمیں بھی تو کچھ بتائیں!"
 کیتھرائٹ نے جواب دیا: "کچھ کچھ بتاؤں گی۔"
 بارہ دہی کے ساحل پر حسین گزروں اور خواجہ سراؤں کا مجمع ان کے استقبال کے

عرص سے تھا۔ عجب ان کا بچہ بارہ دہی کی ٹیڑھیوں سے گھبر کر گھبرا کر گھبرا کر گھبرا کر
 لکے دے سے باندھ دیا۔ شہادت ملنے نے ہاتھ اور دھنکڑا لے کر کیتھرائٹ کو بارہ دہی
 کی ٹیڑھیوں پر آنا۔ ان کے پیچھے خاشاں بھی آکر گئی۔ تیزوں اور خواجہ سراؤں نے انہیں
 خوش آمدید کہا اور شریف آکر ان کا بطور خاص شکریہ ادا کیا۔

بارہ دہی کی دیواروں کے پیچھے سے موسیقی کی بجلی کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔
 کیتھرائٹ نے محبت اور محبت کے لیے جیسے ملاقات کا یوں اظہار کیا کہ مجھے ایسا گتا ہے کہ میں پرستش
 میں آگئی ہوں۔"

شہادت ملنے نے کوئی جواب دیا۔
 کیتھرائٹ نے لکھے کے جھروک میں کہا: "جان لاچی انسان ہے۔ اگر اسے دیر لاکھ
 ۸۴

رو پہلے دے دیے جا میں تو شخص با سائی میرا بچپا چھوڑ دے گا۔
 شہامت علی نے کیتھرائٹ کو اپنی آنکھوں میں لے لیا کہا۔ اگر آپ کہیں تو ہم جان
 پانچ لاکھ روپے یاد کر کے اس سے بیشک کے لیے پچھا چھڑالیں۔ ہم اتنے بڑگ اور بڑا
 منسلے پر غور کر کے سنے کہ آپ نے خود ہی مل کر دیا۔

کیتھرائٹ ای کی آغوش میں جھکی گئی تھی۔ وہ ان کے سینے میں دھک لگائی تھی۔ اس
 آہستہ آہستہ لاکھ پر شاہ کے شکر کا دوا کرنا کر کے ہوئے کہا۔ وہ تم ایک جھلک
 اب ہم آپ کے حق میں دعا کر رہے ہیں کہ خدا آپ کی مگر قائم اور با عزت رکھے۔
 شہامت علی نے کسی قدر اس پر ہر کہا۔ آپ کی دعا میں سرگاہوں پر لیں اور
 اور میں لکھنا کچھ کہ حفظ نہ کہ نہیں ہے۔
 "تھیک کہتے ہیں آپ، لیکن آپ کو بھی ہرے خدا ایسے کام کرنے ہوں گے کہ
 جان خوش ہو جائے گا اور ہم اس سے نجات حاصل کر لیں گے۔"

شہامت علی نے کہا۔ کل ہم لاکھ پر شاہ کا علاج کر دیں گے۔ اسی کے بعد جان کو
 میں پیش کر کے انعام و اکرام دلاؤں گے۔
 "شکر، شکر، کیتھرائٹ نے جواب دیا۔ لاکھ پر شاہ دے جان کو جو کچھ میں
 وہ اس کا حق ہوگا سستی ہوں یہاں کہ دربار میں گھائے بہت زیادہ ہو کر گئے ہیں۔
 شہامت علی نے کیتھرائٹ کو خوب خوب بھینچا اور پرا دیا۔ کیتھرائٹ بھی گریا۔
 کر کے آئی تھی کہ کسی بھی مرحلے پر آج دنا نہیں کرنا ہے۔

دونوں کے تفصیل بات بیت کلاب باب یہ تھا۔
 کیتھرائٹ مغرب جان سے طلاق لے لے گی۔
 اس طلاق کے سلسلے میں جو بھی مصداق و پیش ہوں گے۔ نواب شہامت علی نے اسے اس میں پندرہ ہزار روپے اپنی طرف سے
 جان کو دیے اور خط میں لکھ دیا کہ آپ کا پر شاہ سے اس سلسلے میں کوئی بات نہ کہیے گا۔
 جان بہتر رہے کہ بہت خوش ہوئے اور شہامت علی کا بہت بہت شکر یہ ادا کیا۔
 خدا بخش رہے جان سے سلام میں کی کچھ چین دیا اور دونوں میں زوردار رنج ہوئی اور جان

انہیں برداشت کریں گے۔
 ازراہ ترجمہ اور میرانی نواب شہامت علی جان کو پندرہ ہزار روپے اور خاتون
 گئے تاکہ جان خاتون اختیار کرے اور زیادہ عمر شریف ذکر سے۔
 لاکھ پر شاہ کے پاس ہو تو ہم نہیں ہوئی ہے۔ اسے نواب شہامت علی لکھا اور لے لے منسلے میں کہا۔
 نواب شہامت علی جان کو بہت جلد اور دھ کے بارشہ غازی الدین حیدر سے
 اور کر کش کریں گے کہ جان کو وہاں سے طبع معمولی فائدہ پہنچ جائے۔
 جان پر عین فزائیں بھی کی جائیں گی ان کا ایک ہی مقصد ہو گا۔ وہ یہ کہ سر
 کا طبع معمولی وزن اس کی زبان بند کی ہو کر وہ کیتھرائٹ کی جذباتی خوشی گوارا کر لے۔
 ۸۲

جس طرح چاہو ہو مگر وہ
جان لے چھٹکار کر چھوڑا۔ "تھا ہے پاس یہ رقم کہاں سے آئے گی؟"
کیونکہ اس نے جواب دیا۔ تم مجھ سے یہ سوال نہیں کر سکتے۔"
"کیوں؟"

"اس لیے کہ جب تم ایک خطیہ رقم کے عوض مجھ سے طبلہ کی منتظر کرو گے تو اس کے
میں سے پوچھنے کا کوئی حق نہیں پڑتا کہ وہ خطیہ رقم میں سے کہاں سے حاصل کی؟
جان نے غصے میں کہا۔ "میں سب سمجھتا ہوں اور قریب قریب یقیناً سمجھنے پر آمادہ
ہوں گا۔ اب وہاں شہادت ملی ہے۔ میں نے بھی اگر اس کو اب کے پتے کو کوئی ایسی ہی نہ
دی ہو تو میرا نام نہیں۔"

کیونکہ اس نے پوشش میں کہا۔ "مبارک باد غلاب ہو گیا ہے۔ آخر تم چاہتے کیا ہو؟
جان نے جواب دیا۔ "تم دونوں میں سے کسی ایک کا قتل یا پھر دونوں ہی کا قتل وہ
کہ وہ اب مجھ سے ڈروں لڑا لے۔"

کیونکہ اس نے کہا۔ "تم یقیناً پاگل ہو گئے ہو جب میں اپنی طبلہ کی گے تو ان میں سے
خطیہ رقم ادا کرنے پر آمادہ ہوں تو پھر خون خرابے اور ڈول کی کیا ضرورت رہتی ہے؟"

جان نے غصے میں کہا۔ "میں اس کو اب کے پتے کو کسی ضرورت سے روک رہا ہوں۔
میں نے اس پر اعتبار کر کے اس کی غیر انسانی کام کی تھا؟ وہ مترتب تھا میں نے پناہ دی۔
دوران اور ان احسانات کا بدلہ اس طرح چکانا چاہتا ہے کہ تم اپنی سب سے زیادہ
نہیں اس کے معاملے کے کنارہ کشی اختیار کر لو، اب کبھی نہ ہو گا۔"

خاندان خدا بخش نے پوری زور دیا کہ اب شہادت ملی کے گوش گزار کر دی اور عیاض پہلو کی غمخیزی ہوتی تھی۔
مسکرانے لگے کیونکہ وہ اس درازے سے خوب واقف تھے۔

خدا بخش نے کہا۔ "حضرت ایضاً وفات بھی کیا تھی ہے۔ نئی ہے تھی۔ آج کے شہادت ضرور کرے گا۔ لیکن اس نے ایسا نہیں کیا۔ شہادت ملی نے اس سے یہ نتیجہ نکالا
پھر پورے ترک اس پھیل پر اسے کہیں ضرور نہیں ہے۔"

اب شہادت ملی نے کہا۔ "جان بائیں خواہ عوام کو رہا ہے۔ یہ سفید نام کر گا۔
میں جان کو کیا پتہ چلے گا کہ اس کی میری کب اور کس کے پاس چلی گئی۔"

خدا بخش نے کہا۔ "حضرت! اس سے ذرا پریشانی رہیے گا۔ وہ شیطان آپ کے
کامیاب رہا ہے۔"

شہادت ملی نے نہیں کر جواب دیا۔ "مبارک باد غلاب ہو گیا ہے۔ وہ ہر جگہ بھی تھی اور غازی الدین حب راہی پر زانو ڈوگر بیٹھ گئے۔ تخت کے اوپر ایک مبلغ

لج کر بہت چپچٹا لگا۔
خدا بخش نے بڑے گھٹے کی بات سمجھا، "مبارک باد غلاب ہو گیا ہے۔ وہ ہر جگہ بھی تھی اور غازی الدین حب راہی پر زانو ڈوگر بیٹھ گئے۔ تخت کے اوپر ایک مبلغ
پھر کے چپچٹا ہی کب ہے؟ پاگل کے اور ایک عاشق میں زیادہ فرق نہیں ہوتا۔ دونوں
ہی خواہ عوام سامنے آجائے۔

"مبارک باد غلاب ہو گیا ہے۔ وہ ہر جگہ بھی تھی اور غازی الدین حب راہی پر زانو ڈوگر بیٹھ گئے۔ تخت کے اوپر ایک مبلغ
لے گا۔ شہادت ملی نے ایک لمبی سانس بھری۔ عاشق تو ہم بھی ہیں۔ تو ہم بھی
لے گا۔ شہادت ملی نے ایک لمبی سانس بھری۔ عاشق تو ہم بھی ہیں۔ تو ہم بھی
کے شہر سے ملے ہیں ہم بڑے عاشق ہیں۔"

خدا بخش نے مصروف سے جواب دیا۔ "حضرت بھی ٹھیک ہی کہتے ہیں، اسی طرح کہتے
عاشق تو حضرت ہی ٹھیک تھے میں اپنے صاحب نوا قلمی اب صرف شہرہ گئے ہیں نہیں، لہذا
وہ کیا کہنے گا۔"

اب شہادت ملی کو کہنی مگنی۔

اب شہادت ملی نے کہاں کا مطلع کیا کہ ادا کر کے دو صبح دی بجے اسے بادشاہ کی خدمت
جان درباری آداب سے واقفیت حاصل کرنے کے لیے اب شہادت ملی کے پاس

جان درباری آداب سے واقفیت حاصل کرنے کے لیے اب شہادت ملی کے پاس
دوران اور ان احسانات کا بدلہ اس طرح چکانا چاہتا ہے کہ تم اپنی سب سے زیادہ
نہیں اس کے معاملے کے کنارہ کشی اختیار کر لو، اب کبھی نہ ہو گا۔"

خاندان خدا بخش نے پوری زور دیا کہ اب شہادت ملی کے گوش گزار کر دی اور عیاض پہلو کی غمخیزی ہوتی تھی۔
مسکرانے لگے کیونکہ وہ اس درازے سے خوب واقف تھے۔

خدا بخش نے کہا۔ "حضرت ایضاً وفات بھی کیا تھی ہے۔ نئی ہے تھی۔ آج کے شہادت ضرور کرے گا۔ لیکن اس نے ایسا نہیں کیا۔ شہادت ملی نے اس سے یہ نتیجہ نکالا
پھر پورے ترک اس پھیل پر اسے کہیں ضرور نہیں ہے۔"

اب شہادت ملی نے کہا۔ "جان بائیں خواہ عوام کو رہا ہے۔ یہ سفید نام کر گا۔
میں جان کو کیا پتہ چلے گا کہ اس کی میری کب اور کس کے پاس چلی گئی۔"

خدا بخش نے کہا۔ "حضرت! اس سے ذرا پریشانی رہیے گا۔ وہ شیطان آپ کے
کامیاب رہا ہے۔"

شہادت ملی نے نہیں کر جواب دیا۔ "مبارک باد غلاب ہو گیا ہے۔ وہ ہر جگہ بھی تھی اور غازی الدین حب راہی پر زانو ڈوگر بیٹھ گئے۔ تخت کے اوپر ایک مبلغ

شہزادہ شہناشاہ تھا جس کی چوبیس اقد سے لکڑی کی تھیں اور ان پر سونے کا نول پڑھا ہوا تھا۔
شہناشاہ نے اور شہناشاہ کے چاروں میں بیٹے بہاؤ چار چڑھے ہوئے تھے۔

نواب شہناشاہ علی اور جان باہنوں میں رمان اور رمان پر اثر نہیں رکھے ہزار
کے ساتے حاضر ہر کسی کوئی بار چھک کھک کر شہناشاہ کے سامنے اند باؤ شاہ کی خدمت
نذرانے پیش کیے۔ بادشاہ نے اندازہ خوشنودی نذرانوں کو ہاتھ سے چھو کر شرف قبول
بخش۔ شہناشاہ علی تخت کے بائیں طرف اور جان باہن کا منہ جانب کھڑے ہو گئے۔ نواب شہناشاہ
نے سر جھکا کر جان کا تعارف کیا۔ "حضرت والا یہ میرے جان ہیں! انہیں حضور کے دیدار کی
مقامی کو حد اور میں اور بیٹ شہناشاہ صاحب بہادر کے عظیم ملازم ہیں لیکن خواہش رکھتے ہیں
بادشاہ سلامت انہیں اپنے نیاز مندوں میں شامل فرمائیں۔"

پچاس سال بادشاہ کے چہرے پر خوشتر آئین مسکراٹ نوردار ہوئی کہ "تم میرا
صاحب بہادر کے غمے کے کسی آدمی کو ان کی اجازت کے بغیر اپنے نیاز مندوں میں کس طرح شام
کر سکتے ہیں؟"

اسی وقت وزیر محمد اولہ جان کے قریب پہنچا اور نذرانے کی اشرفیاں لے کر
چلا گیا، یہ اشرفیاں تخت کے پیچھے ایک جگہ جمع کی جا رہی تھیں۔

شہناشاہ علی نے وزیر کو رشک کی "حضرت والا! یہ عین ملے لگے حضرت بادشاہ سلامت
کی بابت ہے! علاوہ اخلاص اور بلذات اور نعمت رکھتے ہیں۔ اس ناچنے سے جو کچھ بھی ملے
میرے جان کے ساتھ سلوک کرتا تھا۔ جان کہہ کہ انہوں نے حضور کے دیدار کی خواہش کی اور تا
اور وہ کہ نہ ملک شہناشاہ حضور کے درباروں لے آیا۔"

بادشاہ نے جان سے پوچھا "میں یہاں کوئی تکلیف کو نہیں، کوئی دیش نہیں
مستحق تو نہیں؟"

جان نے سر جھکا کر عرض کی "یوں تو حضور کی اقبال مندی سے یہ ناچنے اس
عاقبت کی زندگی گزار رہا ہے اور اسے ہر طرح سکون حاصل ہے لیکن ابھی کچھ دن پہلے اس
خاک کے ساتھ ایک سانپ پیش آیا ہے جس نے منہ بہت پریشان کر دیا ہے اور یہ
نرسنی اور طبی سکون تو بالاکر گئے رکھ دیا ہے۔"

بادشاہ کی تیموری پر ہل چڑ گئے، مونو جو ہو گیا، منگی سے پوچھا "واقعات صاف
بیان کیے جائیں۔"

جان نے نواب شہناشاہ علی کو غصے اور حسد کی نظر سے دیکھی، نواب شہناشاہ علی کا
جو حال تھا، بیان سے باہر تھا۔ انہیں اپنے پاؤں تلے سے زیر کھینچنے جھک رہی تھی۔

جان کی خاموشی سے بادشاہ پر ہم ہر گز۔ ذرا بلند آواز میں غصے سے کہا "واقعات
صاف صاف بیان کیے جائیں۔"

وزیر محمد اولہ جان کے قریب پہنچا اور بولا "کیا آپ نہیں جانتے کہ بادشاہ سلامت
کے سوالات پر خاموشی اختیار کرنا جرم ہے، آپ جو کچھ بھی کہنا چاہتے ہیں، صاف صاف کہہ
دیں۔ یہاں تک کہ اگر اس معاملے میں کھل کوئی بڑی سے بڑی شخصیت بھی قیامت ہے تو آپ
نے یہ کیفیت اس کا بھی نام لیں۔ بادشاہ اس سے ناراض نہیں بلکہ خوش ہوں گے اور اس کو
قرار دینی سزا دی گئے۔"

جان نے کبھی تو آواز میں جواب دیا "ایک معزز شخص جس پر میں نے کسی احسان کیے
وہ مجھ سے اس طرح پیش کر رہا ہے، انتہائی غیر شریفانہ اور اہانت سوز ہے۔"

بادشاہ نے کہا "تم اس کا نام لیں نہیں لیتے۔ واقعات تفصیل سے یوں بیان
کیا کرتے؟"

جان نے جواب دیا "ہند احسان اس نے بھی اس ناچنے پر کیے ہیں اور یہی چیز میری
ذہان کو کھینچنے سے روک رہی ہے۔ میں نے اس واقعے کو سرسری طور پر حضور والا کے آس پاس
گوشت گزار کر دیا ہے کہ اگر بات بڑھ جائے اور یہ شخص اپنی حکومت سے باز نہ آئے تو بادشاہ
سلامت کو اس کے کرتوتوں سے بلا رو عارت صاف صاف آگاہ کر دیا جائے۔"

بادشاہ نے کہا "تم جاہر تو سب کچھ اسی وقت بیان کر کے تم سے انصاف حاصل
کر سکتے ہو۔"

جان نے جواب دیا "حضرت والا! میں انگریز ہوں اور نہیں جانتا کہ کوئی ایسا دیا
قد اٹھا کے میں دیشی لوگوں میں بڑی لگا سے دیکھا جاؤں۔ میں ایک بار پھر یہ کوشش
کر رہا کہ میرا معاملہ میری اپنی کشش سے مدھر جائے اور حضور کو دل نہ دیا پڑے۔"
بادشاہ نے معذرت دلو کو حکم دیا کہ "اس فرخی کو خلعت قافور اور باریک ہزار
انگریزوں سے قرا جائے۔"

مگر برائی انصاف علی بڑا جب دہر بار برخواست ہوا اور جان نواب شہناشاہ علی کے
ساتھ فرج خلی سے باہر آگئے تو شہناشاہ علی کی جان میں جان آئی۔ وہ جان سے کہنے لگے
کے سلسلے میں بائیں کرنا فرما جاتے تھے لیکن اس گفتگو کا بنا دیشی نہ کیا ہو بات نہیں سمجھ
میں آئی تھی پھر بھی شہناشاہ علی نے شک نہ کیا، "آج آپ نے تو کہا ہی کر دیا تھا کہ انکم
یہ خیال تو کیا ہوتا کہ آپ کو کم سے کم دربارت ہی تک پہنچا دیا تھا۔"

جان نے غصت سے جواب دیا "نواب صاحب! آپ کو بھی بعض اقدار کا حینل

دکھنا تھا لیکن آپ نے نہیں رکھا۔ پھر مجھ سے یہ امید کیوں رکھی کہ میں درگزر اور رحم پر عمل کر لوں گا؟

شہادت علی نے پوچھا: "آپ ہم پر جو شرط کر رہے ہیں، کیا آپ کو یقین ہے کہ کام میں سچائی موجود ہے؟"

عنان نے دستبرخی سے جواب دیا: "کیونکہ میں نے خود بھی اس بات کا مذاق اڑا ہے کہ وہ آپ کو پسند کرنے لگی ہے۔ اس نے مجھے یہ مشورہ دیا ہے کہ اسے میں لکھنؤ میں ہم کو لندن چلا جاؤں، جہاں اچھے اور بہت مادی لوگ ہیں۔"

"لیکن اس سے یہ کہیں ثابت ہوتا ہے کہ ہم خود بھی کیتھرائٹ کو پسند کرنے لگے ہیں؟" جان پھر بادوام ہو گیا کہا: "نواب صاحب: آپ کچھ عجیب باتیں کر رہے ہیں۔ خود مجھے بتایا ہے کہ آپ نے مالی ادا دے رہے ہیں اور اس بات پر راضی ہیں کہ میں ایک خط لکھ کر کیتھرائٹ سے کہہ دوں گا کہ وہ اپنی اختیار کروں۔"

شہادت علی نے ہیلی کی بیوی کو جواب دیا: "پھر بھی آپ کو زیب نہیں دیتا تھا کہ بادوام کے دو برو جہادی شکایت کرتے۔"

جان پھر اصرار پر ہو گیا کہ میں ابھی میں بولا: "نواب صاحب: آپ اپنے دماغ کا علاج کریں۔ آپ میری بیوی کو درد فراہم اور پھر مجھ سے یہ امید بھی رکھیں کہ میں بے حیا بن کر کچھ گوارا کروں گا۔"

شہادت علی نے سوچا کہ جان سے الجھنا فضول ہے۔ اس مسئلے میں کسی طرح حرج نہ ہو سکتا تھا۔ بات کرنی چاہیے۔ وہی اس کا کوئی عمل نکالے گی۔

جان دفتر میں تھا اور نواب شہادت علی لگے لگے برکیتھرائٹ کے پاس۔ وہ دونوں ایک کمرے میں بند ہو گئے اور مستقبل کے بارے میں مشورے کرنے لگے۔ شہادت علی نے جان کی تنبیہ کرتے ہوئے سب کچھ بتا دیا تھا۔ کیتھرائٹ بہت مت مت ہوئی۔ اس نے کہا: "نواب صاحب: میں نے تو یہ طے کر لیا ہے کہ جان سے علیحدگی اختیار کروں گی۔ اس مسئلے میں مجھے آپ پر بھروسہ کرنا پڑے گا۔ وہاں میں کوئی مشیروں سے مشورہ کروں گی۔ اس کے بعد گورنر جیالاس کو مسئلے میں اطلاع دیں اور اس سے ہمیشہ کے لئے بھارت حاصل کروں گی کیونکہ اس کے بغیر کام چرنا نظر نہیں آتا۔"

شہادت علی نے کہا: "ہم کچھ نہیں جانتے کہ اب کیا ہونا چاہیے۔" جان یہ کہہ کر گئی۔

کہ کام اس طرح ہونا چاہیے کہ اس خاکسار کی عزت و آبرو خاک میں نہ مل جائے۔" ایک بے فکر مگر بہت نواب صاحب: "کیونکہ اس نے کہا۔" میں آپ کو ہرگز ذلیل نہ ہونے دوں گی۔"

نواب شہادت علی جلدی میں تھے، کیتھرائٹ کو انوشی میں لے کر چند برسے بٹھ گئے اور وہاں ہوتے ہوئے کہا۔

"کیا جان کے لیے کھلتے تھے خود بھی جانا پڑے گا؟" "جی ہاں! کیتھرائٹ نے جواب دیا: "وہ تو جانا ہی پڑے گا کیونکہ گورنر کے اجلاس میں اپنے کسی کی جتنی شان دار دولت میں ہونے کو کہوں گی کوئی دروازہ نہیں کھلتا۔"

شہادت علی نے کہا: "تم جیسا کہ سب سمجھ کر دے، میں کیا اہم تو میں یہ چاہتے ہیں کہ کام بھی ہو جائے اور عزت و آبرو بھی محفوظ رہے۔"

کیتھرائٹ نے نفرت اور افسوس کے ساتھ جذبات سے کہا: "جان! ابی بہت ہے۔ کیا آپ نے اس کی ذلیل فطرت کا یہ مزاج کا حفظ فرما کر ہم دونوں کے معاملے میں اسے جو مالی امداد اور فائدے حاصل ہو رہے ہیں، وہ انہیں خوشی خوشی قبول کرنا چاہیے، ورنہ میرا عزت کا تو یہی نقصان تھا کہ وہ اس مسئلے سے لے کر والی بڑی سے بڑی دولت کو بھی لات مار دیتا۔"

"ہاں اسے گونا گویا چاہیے تھا۔"

کیتھرائٹ نے کہا: "بس پھر جب ہم جان کی فطرت کے اس رد و بدل پہلو سے واقف ہو چکے ہیں تو ہمیں اس کے اسی کردار پہلو پر توجہ مرکب لگانا چاہیے یعنی اسے زیادہ سے زیادہ دولت دے کر بھارت کو دینا چاہیے۔"

"بات تو ٹھیک ہے۔" شہادت علی بولے: "لیکن ہمارا اگلیتے جا کر طلاق حاصل کرنا بہت ضروری ہے، اس مسئلے کے سارے معاملات ہم خود اٹھانے کو تیار ہیں۔"

کیتھرائٹ نے نرمی سے کہا: "ابھی میری رائے بھی ہے۔ میں جان کو لے کر کھلتے ہیں جانوں گی اور گورنر کی کوشش سے طلاق لینے کی جتنی اشد کوشش کروں گی۔"

شہادت علی نے پوچھا: "وہاں اگر تم اپنی کوشش میں ناکام رہو تب پھر کیا ہوگا؟" کیتھرائٹ نے جواب دیا: "ناکامی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ میں طلاق لینا چاہتی ہوں۔ مجھے قانون کا حفظ اور سارا معاملہ حل رہے گا۔ میں کسی سے بھی نہیں ڈرتی۔"

شہادت علی نے جواب دیا: "خدا کرے کہ تم ہمیشہ کسی سے بھی نہ ڈرو لیکن کسی کا سارے جان کو جانا مسئلہ کی نظر میں کچھ زیادہ عزت کا باعث نہیں بنے۔"

کیتھرائٹ نے کہا: "وہ کچھ بھی نہیں لیکن اب میں اس مسئلے کو طول نہیں دینا چاہتی،"

دروں دیدنک اسی طرح تو تو میں میں کرتے رہے لیکن آخر میں خدا بخش نے یہ بھی دیکھ کر
دروں کی نرم ہو گئے اور کہنے لگے کہ یہ کراہیدہ ہو گئے، جہاں نے بھڑائی ہوئی آواز میں کہا۔
کیسٹھرائی این کم سے سخت کرنا ہوں۔
کیسٹھرائی کی آواز بھی بھڑکائی تھی، بولی۔ ”کیا تم سے میں نفرت کرتی ہوں؟“ ہم دروڑوں
ہی ایک دوسرے سے سخت کرتے رہے ہیں لیکن اب وقت اور حالات کا تقاضا ہے کہ ایک
دوسرے سے علیحدگی اختیار کر لیں، میں زاب شہامت علی کو بھی کم نہیں چاہتی۔ اس کے لیے
میں پوری دنیا کو لڑا کر سکتی ہوں۔
جہاں نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ ”جب پھر میرے ہم میں میں علیحدگی لگے کے لیے ایک
شرط ہے۔“
”وہ کیا ہے؟“

”وہ یہ کہ میں اپنی منجبر کو اسی شرط پر چھوڑ سکتا ہوں کہ مجھے اس کے عوض اتنی زیادہ دولت
دے دی جائے کہ میں وطن واپس جا سکے کسی دوسری لڑائی سے شادی کروں اور بقیر زندگی
عیش و آرام میں گزار دوں۔“
”ہاں یہ ممکن ہے،“ کیسٹھرائی نے جواب دیا۔ ”میں تمہاری پیش کش زاب صاحب کے
سامنے رکھ دوں گی۔ وہ جہاں مناسب سمجھیں گے جواب دے دیں گے۔“

یہ باتیں خدا بخش نے سہیٹ میں ایک کونہ میں تھیں اور پھر اس صدمت میں کہ زاب شہامت علی
کی طرف سے منجبری کی صدمت میں اسے انعام و اکرام بھی مل رہا تھا۔ فوراً شہامت علی کے
پاس پہنچا اور میان میں ہی کی گفتگو کا لب لباب ان کے گوش گزار کر دیا۔ زاب شہامت علی نے
خدا بخش سے کہا۔ ”مگر جہاں ہم سے بات کو کریں، وہ کیسٹھرائی کے عوض جتنی رقم بھی طلب
کر لیں گے، ہم انہیں دے دیں گے۔“

خدا بخش نے مشورہ دیا۔ ”لیکن حضور اہم صاحب کو طلاق حاصل کرنے پر رضامند
آئادہ کر لیجئے گا۔ تیرا اس مسئلے میں انہیں شک ہے کیوں نہ جانا پڑے کہ تو کو طلاق کے
بغیر معاملہ فرما سکتا رہتا ہے۔“

زاب شہامت علی نے جواب دیا۔ ”ظاہر ہے جب ہم کیسٹھرائی کے عوض اسے من
مانع معاوضہ دیں گے تو طلاق بھی چاہیں گے اور کھٹے سے طلاق منگوالین گے اور خدا بخش
ہم خود بخود کھٹے جانے سے رہے ان دونوں کے ساتھ کھٹی کر جانا پڑے گا اور کیسٹھرائی کو طلاق
کے ساتھ کھٹے والیں لانا پڑے گا۔“
”خاک پر خدا کے لیے حاضر ہے، حضور نکو کریں؟“

کسی بھی طرح خسار کرنے کی کوشش کروں گی۔
زاب شہامت علی کے دل پر بلاؤں کی چوہکی سی گھٹا چھا گئی تھی، وہ کیسٹھرائی کی بارگاہ
سے چھٹ گئی۔

کیسٹھرائی نے معلوم نہیں کیا کہ کھٹے سے کہا۔ ”اگر آپ مناسب سمجھیں تو کھٹے کے
سفر میں آپ بھی ہمارے ساتھ چل سکتے ہیں۔“
شہامت علی نے جواب دیا۔ ”نہیں، ہمارا وہاں جانا کسی طرح بھی درست نہیں
تم ہمارا کراؤں پہناتو۔“
”خوب پہناتی ہوں اور جب یہ معاملہ آنتا کہ پہنچے گا تو آپ خود میری ایجنسی دینا
ملاحظہ فرمائیں گے۔“

شہامت علی کیسٹھرائی کی طرف سے خوب مطمئن ہو کر ملانے لگے تو راستے میں ان کی
خدا بخش سے ٹڈ بھڑک گئی۔ خدا بخش نے شہامت علی کو دیکھتے ہی سلام کیا۔ انہوں نے
سلام کا جواب دیا اور در خواست کی کو ان کی اس آمد کے بارے میں دوسروں کو کچھ بھی نہ
بتایا جاتے۔

خدا بخش نے وعدہ کر لیا لیکن جہاں کے آتے ہی اس نے زاب شہامت علی
کی تشریف آوری کا ذکر جہاں سے کچھ عجیب طرح سے کر دیا۔ جہاں غصے سے پتھر پتھر
کا پختہ لگا رہا۔ اس نے کیسٹھرائی کو کہہ میں بلاؤں اچھی طرح بھڑا دیا اور یہ عجیب سی بات بتائی کہ
وہ جب بھی چاہے گا، زاب شہامت علی کو زبردست نقصان پہنچا سکتا ہے۔

جہاں نے کیسٹھرائی کو دھمکی دینے ہوئے کہا۔ ”کیسٹھرائی! ہم زبردست کھٹے کر رہے
ہم علم نہیں ہوتا۔ یہ میری ہم موجودگی میں زاب شہامت علی کیوں کیا کھٹا ہے؟“

”کیسٹھرائی نے جواب دیا۔ ”آپ کی شکایت کو نہ۔“
”کوئی شکایت؟ کوئی شکایت؟“
”تم نے بادشاہ کے دربار میں زاب صاحب کے خلاف جو کچھ کہا تھا وہ نفاق اور
معافی ہے۔“

جہاں نے کیسٹھرائی پر ہاتھ اٹھایا۔ کیسٹھرائی نے غصے میں لکڑی سمیٹ لی، جہاں نے
پریکٹس کر لیا۔
”میں تین طلاق دے دوں گا۔“

کیسٹھرائی نے بھی اسی لمحے میں ترکی ترک کر دیا۔ ”تمہارے ساتھ میں خود بھی کھٹے
چاؤں گی اگر درگزر کے اجلاس سے طلاق حاصل کروں گی۔“

نواب شہادت علی کے توفیق ایک اور محبت اٹھ کھڑی ہوئی، کاٹھنکار ارشد اپنے دو لاکھ روپیوں کا نہایت شدت سے تقاضا کرنے لگا۔ نواب صاحب یہ رقم نوے لاکھ تھے کہیں تک نہ مل سکتی تھی اس کا سد یک سوئے ہو۔ وہ یہ رقم انہیں کرنا چاہتے تھے۔ اگر سہائی کا اخلاقی کردار نوابی وفادار کے منافی نہ ہو تو وہ نقدیوں کے لیے کے دھندلے کا محتاج نہ تھا۔ پھر وہ کس طرح سے اس وقار کی تھی، ریزہ ریزہ کسی کے ایک معنی لوگ سے ایک نواب کا محتاج نہ تھا۔ پھر وہ کس طرح سے اس مان لیتے۔ انھوں نے یہ سہ کرنا تھا کہ اگر اس مسئلہ میں وہ خود بھی ایک عاجز اور غریب مذہب کے مالدار سے تو اسے تشدد ان نہیں ماننا چاہیے۔ یہ تو محض نوابی کے معنی قیمت تھی۔ آج انھوں نے اس کا معنی صاف دیا۔

جب کاٹھنکار ارشد نے نواب شہادت علی کو یہاں سے معزلی اور شدت سے تنگ کر دیا تو وہ ہمارے ساتھ رہے گا۔ خلاف دیتے ہیں، خدا بخش کے ساتھ ہمارے ہاں آجائے، ہم تمہیں بھی سکون یا تو دے دیکھ گئے کہ اس میں میں کسی کی ضرورت شاید ہے اور جب تمہارا ہونے سے تمہارا کاٹھنکار کو کھینچ گئے!

اس دروانِ مسرت میں سے کئی ملاقاتیں کر چکا ہے تو ان کی سچھی میں سادہ بات آگئی۔ فواد شہناز
 قلی نے پہلی بار شہناز کے اٹھان لی اور یہ فیضیہ کر گیا کہ مسرت میں سے چھٹے کا کچھ پرشاد کا غلاف ملو
 سچے انٹولی سے غلاف میں کونواں دے کر اس بات پر مجبور کیا کہ وہ کسی بھی طرح کچھ پرشاد
 کو اس پر مجبور کر دے کہ وہ اپنے محلے میں بادشاہ سے ملنے کی گوشیش کرے۔ اور اس
 طرح بادشاہ سے شکایت کرے جس طرح ایک باری جان کر چکا ہے۔
 کا کچھ پرشاد، غذا بخش کرے گا وہیں آگے اور اس نے فواد شہناز قلی سے درخواست
 کی کہ اگر اس کا بادشاہ سے سامنے کھڑا جائے اور اسے بادشاہ سے بات کا یہ حق ملے، اس

جو حوائج تودہ فرستے کی یہ رقم معاف کر دے گا۔ ورنہ یہ سچے لیکن اور اس کے اور تھے۔
 نواب شہادت علی نے لاکھ پانچ سو دس روپے وعدہ کر لیا کہ وہ اسے باز شام سے ملو، مگر وعدہ نہ کیا۔
 اس دوران کو قیصر علی بھی اس سے ملے آگئے اور خواجہ شمس کی کو نواب شہادت علی سے
 قبیل والی بارہ داری میں سے چلیں، بکرا تیار تھا۔ دونوں قبیل کے بچوں پر بارہ درہی میں
 عداوت کے اور عداوت پرست بھی میں بیٹھے رہے۔ بارہ درہی کے ایک کنارہ پر کھڑے میں جب
 یہ دونوں نے تکلف سے ہم آغوش ہوئے تو قیصر قافانہ روئے ملکی کہنے لگی کہ نواب صاحب! میں
 آپ کو بہت گراں کر رہی ہوں اور میرے لئے آپ کو کئی طرح کی تکلیفیں ادا کرنا پڑ رہی ہیں، نقد
 رقم کی بھی ادھر عزت و اکبر کی ہیں۔

وہ شہادت ملنے سے ایسی آغوش میں یوں تھپکیا جیسے فاقہ پر اور جسم مرغا
 اپنے چوں میں کسی کو زخم مرئی کو کھجائے، تو اب صاحب اس کی زلفوں اور عید میں لب
 زخا سے کھینچنے لگے۔ جذبات سے بھرانی ہوئی، کاواڑ میں جواب دیا: "متم فرم کی کوئی پروا نہ کرو
 مجاں نے جواب دیا: "کمپری بیوی کے کھینچے کیوں کر گئے ہیں؟"
 تو نے کہا: "مٹھی، تم قرابت غلط انسان، اب ایک طرف تو تم اپنی بیوی کی قیمت متعین
 کرلو، دوسری طرف غیثت کو مصلحتی خطا پر مقرر کرنا چاہتے ہو، ہم تم سے یہ چاہتے ہیں کہ اگر وہ

تھا کیا ہے؟

عنان نے قطعاً میں کہا میں آپ سے کوئی کرنے آیا ہوں؟
نواب اللہ بخش نے ہنسنے پر بھی ہنس کر جواب دیا کہ اس سے کیا بددلی سے ہے؟
عنان نے جواب دیا کہ جس طرح چاہیں میں دونوں طرح سے تیار ہوں؟
نواب شہادت علی نے سنا ہی بھائی، انداز سے ایک خدمت گار حاضر ہو گیا، انھوں نے کہا
"دیکھو انداز سے دو دروازے اور دو دروازے ہیں؟ آؤ یہ دیکھ جانے سے کہا؟ ہم دونوں جی جیڑیں اس
ساتھ لے جیتے ہیں جس تمھارے ساتھ کرنا پڑے کہ اس سے ہماری طرف سے
جہان کچھ نرم چڑھی کر لواتے ہیں بددلی سے ڈولیں کر دیں گے؟
"ہم بھی اسی سے نرمی کی؟

عنان نے حسرت سے پوچھا کیا بددلی چھوڑنا ہوتے ہیں آپ؟
نواب شہادت علی نے غصہ جواب دیا کہ تمھیں اس سے کیا توقع ہو اگر ہم بددلی چھوڑ دیا
ہم بددلی تو تمھاری بددلی سے ہم بھی بددلی کر لیتا؟

عنان نے کہا کہ آپ ڈولیں کرنے پر آمادہ ہیں لیکن یہ نہیں کریں گے کہ کچھ ان کا بیچ
نواب کو غصہ آئی گرجا کر کہے "تو کچھ ٹاپشٹہ دروازہ گھر فرمیں۔ مکیا یا ہو تمھاری ہوا
پاس جاتے ہیں یا وہ ہمارے پاس آتے ہیں۔ دور سے یہ کہ جب تو نے خود ہی اس کی خدمت منگوا
ہے اور ہم اسے مہمانی جیت رہے ہیں کہ وہ اس میں تو کچھ کیوں تکلیف پہنچ رہی ہے؟

عنان نے بھاری سے جواب دیا "میں کچھ دلی سے محبت کرنا ہوں؟
نواب شہادت علی نے کہا "تم تو گڑبگڑ محبت تاجر کو رہے ہو اور کچھ نہیں کرتے کیسے
کو اپنی محبت کی قیمت دوسروں کے اس سے شہزادہ کی کا اعلان کرنا چاہتے ہو؟
خادم و دولہاں اور دو بندہ تاجی سے کر رہی۔
نواب شہادت علی پھر اس سے کہنے لگے۔

عنان نے مسکرتی صورت بن کر کہا میں میرا بیویوں کو اگر ڈولیں کرنے میں میں مارا گیا تو نڈر
میں سے ان باپ بہت پریشان ہوں گے اور اگر تمھارے گھر تو اس کا کچھ ان پر اثر پڑا اور اثر پڑے
اور شاید وہ میرے عہد پر بددلی کر کے اور پانچل ہو جائے اور اگر ہم دونوں ہی ایک دوسرے کی گورنر
ہوں گے تو کچھ ان کا کیا بنے گا؟
نواب شہادت علی نے پوچھا "اس طرح تم کی کہاں جاتے ہو؟
عنان نے جواب دیا کہ یہ تو کوئی کرنا چاہتا رہا ہے، بہتر یہی ہے کہ آپ نے کہنا

جس رقم کا وعدہ کیا ہے مجھے غایت فرماؤں میں کلنے کی کو نسل کے سامنے طلاق کی درخواست کروں
چاہیے ہی کی جہان کی آپ کی تحریف پر قبضہ کر لینے گا؟
نواب صاحب نے مزید توجہ دی "تب پھر اصل بات ہے کہ تم نے وعدہ کر کے کہ آتہ ہو کچھ
پاس قسم کا اہام نہیں لگاؤ گے؟ ہاتھ میں نہیں لگتے؟
عنان نے ہنسنے سے جواب دیا "میں اس کا خیال رکھوں گا؟
نواب نے بے اعتنائی سے جواب دیا "تمھاری غلطی رقم قلم بیچ جائے گی؟
عنان اداس اداس اپنی جگہ سے اٹھا اور تیزی سے باہر نکلی۔

عنان کچھ ان کے توشہ سے اتنی دولت اٹھی کہ چیکا تھا کہ اب اسے مستقبل کی فکر نہیں
دی تھی اسے اپنا تھا کہ اب اس کا وطن میں اس میں شادمانی ہو جائے گا۔ اس نے ہنسنے
سے مسخ کر کے دیا اور کلنے کے لیے تیار کی کہنے لگا۔ نواب شہادت علی کا خیال تھا کہ کچھ ان
کلنے والی سے پہلے اس سے ملنے ضرور آئے گی لیکن وہ نہیں آئی۔ اس کی ہر گز خدا بخش
ایا اور اس نے بتایا کہ کچھ ان نواب صاحب سے اپنے بھنگے میں ملاقات کرنا چاہتی ہے۔ نواب
شہادت علی کو اب بھنگے میں ملنے میں تاخیر تھا۔ انھوں نے خدا بخش سے کہا "تو کچھ ان سے
کہا کہ دو کر ہمارے بھنگے میں نہیں آئیں گے کیونکہ اس کے شوہر عنان سے بڑی بڑی نفرت کر
رہے ہیں؟

اس جواب پر کچھ ان خود ہی حاضر ہو گئی اور نواب شہادت علی سے شکایت کرتی ہوئی۔
نواب صاحب "جب میں یہ کہہ چکی ہوں کہ وہ ان ایک حسانہ لائیں ہے تو آپ کو اس سے زیادہ شکایت
نہیں ہونی چاہیے اور فرمایا تھا کہ آپ مجھ سے محبت کرنے میں لیکن آج یہ میری گھر میں غلطی کر رہی؟
تو اسے گھر کا جواب دیا "کچھ ان فرم گئے خدا بخش ہم تم سے واقعی محبت کرتے ہیں اور
کہا کہ ان اور قمار کے دخل سے یہ شہادت نکالو کہ تم سے محبت نہیں کرتے؟
کچھ ان نے آکر وہ بیٹھ کر کہا "محبت میں کیا یا تو قمار کا خیال کہاں رکھا جاتا ہے۔
اب کو کچھ سے ملنے ضرور آنا چاہئے تھا؟"

نواب شہادت علی نے کہہ کر شان نوازی سے جواب دیا "مشرق اور مغرب کے اندازوں میں یہ
فرق ہے۔ ہم ملاقات محبت میں ہیں و قمار دان کا انداز خیال نہ رکھتے ہیں؟
کچھ ان نے انھیں سے کہا کہ "آپ لوگ کہیں کسی شادیوں کر کے ہو کر آنا اور قمار کو نہ فرمیں
انہیں نہیں اور اپنے ذاتی ملاقات میں مانا اور قمار کی بھٹی فاش کرنے لگتے ہیں؟
نواب شہادت علی کو کچھ ان کی باتوں سے کچھ محبت ہوئے گی، پوچھا "آؤ ان باتوں سے

تھھا اور مطلب کیا ہے؟
 "مطلب کچھ بھی نہیں، کیتھرائٹ نے جواب دیا، میں عدم تحفظ کا احساس سلسلے میں
 ہے اور کچھ نہیں ہے۔"

نواب نے یقین انداز میں کہا، "لیکن تمھیں یہ یقین رکھنا چاہیے کہ تمھارے عمل کے
 کوئی عزت ثابت ہوگی جس کے بعد کوئی اور عزت تمھارے دل یا عمل میں عبور یا پوری تک نہیں
 داخل ہو سکے گی؟"

کیتھرائٹ کی ہنس مکھ اور اسی کی ہنسی تھی۔
 "خدا تعالیٰ نے مجھے نواب سے زیادہ کیا؟ تم کو ایک اور ایسا کہاؤ گی؟
 کیتھرائٹ نے جواب دیا، "ابھی کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ دیکھئے گورنر کی کونسل میں کب
 تک غائب رہتی ہے؟"

نواب شہادت علی کی اس وقت کسی وحشت زدہ کی سی حالت تھی، انھیں وہ الفاظ
 دل سے تھے۔ میں سے وہ اپنی پریشانی اور وحشت زدگی کا کیتھرائٹ کو دکھانا کر سکتے۔
 کیتھرائٹ نے کہا، "جو حال آپ کا ہے وہی سر جان کا بھی ہے۔ اس پر بھی رہے ہے۔
 وحشت کا دورہ پڑے۔ وہ کل پانچ گھنٹوں کا عرصہ کے معاملے میں کوئی نتیجہ نہیں ہی سکتا
 وہ اس کو کونسل میں ہٹا کر کسی طرح ایک بار چھوڑے بارش سے ملاقات کرے اور وہ آپ کا کام
 لے کر پورا ایجنڈا بیان کر دے؟"

"پھر پھر تم نے کیا کیا؟
 "پھر میں نے یہ کیا کہ اس کے پیشانی کا کام سے روک دیکھا۔
 "خدا را بہت بہت شکر کیتھرائٹ، میں تمھاری محبت اور دانا داروں کا یقین ہے۔
 تم بھی سکتی ہو لیکن اس بات کی کوشش کرنا کہ غلطی جلد بھی ہو جان سے چھپا پھڑکا رہا ہے۔
 جلد ہی ان کے خیال میں قیامت کے دن ہوں گی؟"

کیتھرائٹ نے کوئی جواب نہ دیا اور نواب کو کچھ ایسی نغزوں سے کچھ بچ میں غصہ آئے۔
 سب یقین سے یہ کہ اس کو کوشش نہیں کی جا سکتی تھا لیکن نواب صاحب ان میں سے کسی اور مددگار
 کے علاوہ کچھ بھی محسوس نہ کر سکتے۔

کیتھرائٹ نے کہا، "اگر تم سوچو کہ تو میں تمھیں اپنے ساتھ لے کر
 چلوں، اور تمھیں یہیں کہیں کسی اور مرد میں سے، اس عزم رکھو اور ان
 خدا تعالیٰ نے نواب دیا، یہ سطور میں ہندوستان میں چھوڑ کر رکھا۔ کچھ نہیں کہیں ملازم کو
 لے کر آئے۔"

کیتھرائٹ نے سرگرمی سے کچھ سوچ کر ہی تھی، جان نے دیکھا، "وہ تم کی سوزش میں کیتھرائٹ؟"
 کیتھرائٹ نے سرگرمی سے دیکھا، "ولی، کچھ نہیں، اچھی اس اور کدھی پر پورے گورنر کی
 جو میں نے نواب شہادت علی کی محبت کا ڈھونڈا، جا کر ادا کی،
 جان نے محبت سے کیتھرائٹ کو اپنی آخر میں سمجھ لیا، "ہو اور میں میری اداکاری

کیتھرائٹ نے سرگرمی سے کچھ سوچ کر ہی تھی، جان نے دیکھا، "وہ تم کی سوزش میں کیتھرائٹ؟"
 کیتھرائٹ نے سرگرمی سے دیکھا، "ولی، کچھ نہیں، اچھی اس اور کدھی پر پورے گورنر کی
 جو میں نے نواب شہادت علی کی محبت کا ڈھونڈا، جا کر ادا کی،
 جان نے محبت سے کیتھرائٹ کو اپنی آخر میں سمجھ لیا، "ہو اور میں میری اداکاری

کا بھی لوہا ماننا پڑے گا۔
 کلپنی کا جہاز انگلستان روانہ ہو گیا۔ جہان اور کیتھرائن خوش خوش وطن کی حسین نصیب
 کا تصور قائم کیے ہوئے سفر کرتے رہے۔

نواب شہامت علی، خدابخش اور کیتھرائن کا مدتوں انتظار کرتے رہے یہ انتظار آہستہ
 آہستہ بالورسی میں تبدیل ہوئے لگا۔ انہیں آخر تک یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ کیتھرائن نے ان کے
 ساتھ بے وفائی کی ہے اور یہ کہ ان کے ساتھ زبردست فریب کیا گیا ہے۔ وہ آخر تک اسی جگہ
 میں مبتلا رہے کہ گورنر کی کونسل نے کیتھرائن کو مجبور کر دیا ہو گا کہ وہ جہان سے طلاق نہ لے، وہ
 کہ اگر کیتھرائن نہیں آتی تھی تو آخر یہ خدا بخش کہاں مر گیا۔ اسے تو واپس آنا ہی چاہیے تھا اس کے
 سادہ لوح نواب کے پاس اس کا بھی ایک معقول جواب موجود تھا وہ یہ کہ خدا بخش نے ناکامی
 زخم کھانے کے ہمیشہ کے لیے منہ چھپا لینا ہی مناسب سمجھا ہو گا۔
 کالکا پر شاد کو دو لاکھ روپے اپنے پاس سے ادا کر دیے۔

کچھ دنوں تک تو نواب صاحب کا یہ حال رہا کہ وہ گم سم رہے لیکن تدریجاً ان کی طبیعت
 سنبھلنے لگی اور کیتھرائن کی مفارقت کا انتقام انہوں نے یوں لیا کہ غل میں عمرتوں کی تعداد میں سے
 اصفیہ پر لگا اور نواب شہامت علی نے اس سید صاحبہ و شباب میں خود کو ڈبو دیا۔ شراب
 اور شباب کی مستی میں انہوں نے اک گونہ بے خودی حاصل کر لی تھی۔ بھرکتے ہوئے چراغ کا نور
 وہ مرد و شراب میں بھرکتے رہے اور دل میں کیتھرائن کی محبت کی خاموشی اور روشن کیے رہے۔ ہم
 اور دولت کی چروٹی اس لوہے گھنٹی پر ہی تھیں انہیں یہ کہاں معلوم تھا کہ اس لوہے وہ تنہا نہیں جا
 رہے تھے پورا ہندوستان میں جل رہا تھا، پورا ہندوستان پر رہا تھا اور آہ اس آگ نے ۱۸۵۷ء
 اس صبر کو ختم کر دیا کہ بدلی کر دیا اور یہ انا، عزت اور وقار کی علت اس خاموشی اور خفیہ آگ
 میں جل چکی کہ نظروں سے اوجھل ہو گئی۔



جاوید آج

سفیان کو کچھ دھندلا دھندلا سایا دآ رہا تھا کہ تقریباً سترہ اٹھارہ سال پہلے
 وہ چھ سات سال کا رہا ہو گا تو اس کے باپ کو آذربائیجان میں اردو بیل کے
 رپ کسی قلعے کا محاذ **قطر** بنا کر بھیجا گیا تھا۔ نانا نانی اس سے بیحد محبت کرتے تھے
 انہوں نے سفیان کو اپنے پاس ہی روک لیا تھا اور باپ اس کی ماں کو لے کر قلعے
 واری کا منصب سنبھالنے آذربائیجان چلا گیا تھا۔ پھر مدتوں باپ نے کوئی خبر ہی
 نہ لی۔ دولت مند اور با اثر نانا نے سفیان کو ایسی شفقت دی کہ اس نے باپ کو
 اپنے ذہن ہی سے نکال دیا۔ پھر ایک دن باپ کے قاصد نے اچانک آ کر یہ خبر
 سنائی کہ سفیان کی ماں کا انتقال ہو چکا ہے اور اس کے باپ نے کئی شادیاں
 کر لی ہیں اور وہ رنگ رلیوں میں پھنس گیا ہے۔

نانا نے قاصد سے پوچھا تھا "میری بیٹی کے کتنے بچے اور ہیں؟"
 قاصد نے جواب دیا "دو بچے لیکن وہ دونوں اپنے باپ کی بے نیازی
 اور لاپرواہی کے شکار ہیں!"

نانا نے داماد کو برا بھلا کہنا شروع کیا اور قاصد کے ذریعے اپنے
 داماد کو یہ پیغام بھیجا کہ ان کے دونوں بچوں کو ان کے پاس روانہ کر دیا جائے
 قاصد چلا گیا اور نانا مدتوں اپنی بیٹی کے دونوں بچوں کا انتظار کرتے
 رہے لیکن وہ نہیں آئے، پھر ایک دن اچانک یہ معلوم ہوا کہ سفیان کا باپ
 آذربائیجان کے باغی اور خرمیہ فرقتے کے بانی بابک خرمی کے ہاتھوں شکست
 اٹھا کر ہلاک ہو چکا ہے اور اس کا خاندان قتل یا اسیر ہو چکا ہے۔ اس عرصے
 میں نانا نے سفیان کو تعلیم و تربیت سے اس حد تک آراستہ کر دیا تھا کہ خلافت
 کو سفیان کے باپ کی جگہ کسی اور کو متعین نہیں کرنا پڑا۔ خلیفہ مقتصد باللہ نے

باب کی جگہ سفیان کو اس قلعے کا قلعدار بنادیا۔ چلتے چلتے سفیان نے اپنے نانائے سے وعدہ کیا کہ وہ انہیں بھی وہیں بلائے گا۔

تب یہ چوبیس چوبیس سالہ نوجوان اپنے تین ہزار سپاہیوں کے ساتھ آذر بائجیان کے پہاڑی سلسلوں میں داخل ہوا سردی اپنے پورے عروج پر تھی۔ انگلیاں گلی جا رہی تھیں اور نمک کی لوگ ٹھنڈکی وجہ سے سن ہو گئی تھی۔

کے بادلوں میں چھپا ہوا چاند دھواں ہو رہا تھا اور کسی غریب اور محروم جوان کے شباب کی طرح اپنی بے معنی کا اعتراف کر رہا تھا۔ اس کا راہبر

بابک خرمی اور اس کے پیروؤں کی بابت دلچسپ باتیں بتاتا چل رہا تھا۔ اس نے سفیان کو بتایا کہ بابک خرمی کتنا سے کہ غورلوں کی مشترک ملکیت بن گیا، وہ رشتوں کے تقدس کا بھی قائل نہیں کیونکہ وہ تباہی کا قائل ہے۔

اور کہتا ہے کہ انسانی روح قالب غیری چھوڑنے کے بعد کسی دوسرے قالب میں داخل ہو جاتی ہے اور کسی انسان کو یہ کس طرح معلوم ہو سکتا ہے کہ اس

کی ماں یا باپ کی روح کسی حسین لڑکی میں حلول کر گئی ہے یا کس لڑکی کے باپ جوش میں اسی طرح انکار ہے کہ جب تدبیر انا منصوبہ بنا چکتی ہے تو اس پر

یا بھائی کی روح کس مرد کے قالب میں جلوہ گر ہے؟ چونکہ اس کا پتہ چلنا ناممکن بات ہے۔ اس لئے لاعلمی اور ناواقفیت میں ماں یا باپ کی روح

کسی نوجوان کی محبوبہ یا بیوی میں موجود ہو سکتی ہے اور وہ نوجوان اپنی محبت میں کئی بڑے بڑے سپاہی غار نظر آئے، اتنے بڑے کہ ان میں سیکڑوں آدمی

یا بیوی کو کسی جھجک کے بغیر استعمال میں لا سکتا ہے چنانچہ بابک خرمی کے چپ کھٹے تھے، سفیان کے دل میں کچھ بھر کے لئے اندیشے نے جنم لیا جیسے آسمان

خیال میں بہتر سی ہے کہ تمام رشتوں کا تقدس دل سے نکال دیا جائے۔ کی بے کراں نیلی فضا میں کوئی چھوٹا سا تیز پرواز پرند اپنی جھلک دکھا کر نظروں

اور حرم نا حرم کی مصیبت سے ہمیشہ کے لئے نجات حاصل کر لی جائے۔ چنانچہ وہ اوجھل ہو جائے۔ بابک خرمی کے پیروؤں میں ہر عورت کو مرد کے لئے مباح قرار دیا گیا ہے، بابک

خرمى شراب نوشی کو بھی جائز قرار دے چکا ہے۔ راہبر کی باتیں اور بابک خرمی کی باتیں انکشافات بڑے دلچسپ تھے وہ نہایت توجہ اور ذوق و شوق سے سب کچھ سنتا رہا۔ اسی راہبر نے اسے خوش ہو کر چند آدمیوں کو اپنے ساتھ لیا اور قلعے کے دروازے کی طرف

یہ بات بھی بتائی کہ بابک خرمی کے پیرو سفیان کے باب کی بیویوں، اولاد دلائی تھی سے بڑھا۔ اور بہت سارے مسلمان خانہ لڑوں کی عورتوں اور بچوں کو بھی پکڑ لے گئے ہیں اور وہ انہیں اس بات پر مجبور کر رہے ہیں کہ خرمیہ فسادے میں داخل ہو جائیں!

دھواں دھواں فضا اور دھندلی دھندلی چاندنی میں سفیان کی نظر میں ایک اونچے گھوٹے اور آگے ترچھے دھبے پر دو گئیں، اس نے راہبر سے پوچھا: عزیز

راہبر! یہ سائے دھبہ سا کیا نظر آ رہا ہے؟ راہبر نے جواب دیا: "یہ اردیل کی حدود کا پہلا قلعہ ہے" ابھر ذرا

وقف سے کہا: "میرا خیال ہے رات میں اسی قلعے میں بسر کرنی چاہئے کیونکہ اس وقت ہم خیموں کی حدود میں داخل ہو چکے ہیں، کچھ پتہ نہیں کہ رات کے سناٹے

اور اندھیرے اور پریش سپاہی راشنوں سے فائدہ اٹھا کر وہ لوگ کس وقت ہم پر شب خون مار دیں؟ اور ہم سب مصیبت میں مبتلا ہو جائیں!"

سفیان نے نوجوانی کے جوش کا اظہار کیا۔ کہا: "میں لڑنے مرنے سے نہیں ڈرتا، میں اس خطرناک اور دشوار میرا آیا ہی اس لئے ہوں کہ اپنے

باب کے قتل اور تباہی کا بابک خرمی اور اس کے ساتھیوں سے انتقام لوں!" کی ماں یا باپ کی روح کسی حسین لڑکی میں حلول کر گئی ہے یا کس لڑکی کے باپ جوش میں اسی طرح انکار ہے کہ جب تدبیر انا منصوبہ بنا چکتی ہے تو اس پر

یا بھائی کی روح کس مرد کے قالب میں جلوہ گر ہے؟ چونکہ اس کا پتہ چلنا ناممکن بات ہے۔ اس لئے لاعلمی اور ناواقفیت میں ماں یا باپ کی روح کسی نوجوان کی محبوبہ یا بیوی میں موجود ہو سکتی ہے اور وہ نوجوان اپنی محبت میں کئی بڑے بڑے سپاہی غار نظر آئے، اتنے بڑے کہ ان میں سیکڑوں آدمی

یا بیوی کو کسی جھجک کے بغیر استعمال میں لا سکتا ہے چنانچہ بابک خرمی کے چپ کھٹے تھے، سفیان کے دل میں کچھ بھر کے لئے اندیشے نے جنم لیا جیسے آسمان خیال میں بہتر سی ہے کہ تمام رشتوں کا تقدس دل سے نکال دیا جائے۔ کی بے کراں نیلی فضا میں کوئی چھوٹا سا تیز پرواز پرند اپنی جھلک دکھا کر نظروں

اور حرم نا حرم کی مصیبت سے ہمیشہ کے لئے نجات حاصل کر لی جائے۔ چنانچہ وہ اوجھل ہو جائے۔ بابک خرمی کے پیروؤں میں ہر عورت کو مرد کے لئے مباح قرار دیا گیا ہے، بابک خرمی شراب نوشی کو بھی جائز قرار دے چکا ہے۔

راہبر کی باتیں اور بابک خرمی کی باتیں انکشافات بڑے دلچسپ تھے وہ نہایت توجہ اور ذوق و شوق سے سب کچھ سنتا رہا۔ اسی راہبر نے اسے خوش ہو کر چند آدمیوں کو اپنے ساتھ لیا اور قلعے کے دروازے کی طرف

یہ بات بھی بتائی کہ بابک خرمی کے پیرو سفیان کے باب کی بیویوں، اولاد دلائی تھی سے بڑھا۔ اور بہت سارے مسلمان خانہ لڑوں کی عورتوں اور بچوں کو بھی پکڑ لے گئے ہیں اور وہ انہیں اس بات پر مجبور کر رہے ہیں کہ خرمیہ فسادے میں داخل ہو جائیں!

سفیان اپنے آدمیوں کے ساتھ جب قلعے کے دروازے پر پہنچا تو قلعے کے پہرہ داروں نے راہبر سے ضروری سوال و جواب کے بعد قلعے دار کے پاس قلعے کا دروازہ کھولنے کی اجازت حاصل کرنے کے لئے چند

۱۰۴

آدھی صبح دیے، تقریباً گئے پون گئے بعد چند مشعل برداروں کے ساتھ ایک اندرون
 قلعہ دار اپنے جسم اور سر کو پولش میں چھپانے ان کے پاس آیا اور خلافت کے کاغذ
 اور خزانہ دیکھ کر قلعہ کے دروازے کھلوا دیئے اور انہیں سر درجنوں کے ساتھ
 کے اندر بلا لیا۔ سفیان نے مشعلوں کی روشنی میں دروازے سے آگے چند لائیں پڑی گئی
 اور پھر قلعہ دار نے سفیان کی اندرونی کیفیت کا اندازہ لگاتے ہوئے کہا: ”یہ ان
 باغیوں میں سے چند کی لائیں ہیں جنہوں نے آج مغرب کے وقت اس قلعہ میں داخل
 ہونے کی کوشش کی تھی، یہ خرمیہ فرمے کے لوگ تھے اور چاہتے تھے کہ اس قلعہ پر
 قابض ہو جائیں!“

سفیان نے تشویش سے کہا: ”ان گنہگاروں میں اتنی بہت پیدا ہو گئی ہے کہ
 باقاعدہ حکمران قلعہ کی طرح لشکر کشی کرنے لگے ہیں، اب میں دیکھوں گا کہ یہ کس
 طرح ہمارے مقابلے میں خیرے ہیں۔ میں کوشش کروں گا کہ اس تدبیر سے خرمیہ فرمے
 کے بانی بابک خرمی ہی کا خاتمہ کر دیا جائے، ایک ایسا کام جو پورھوں اور خجے کے
 کی عقل نہیں کر سکتی، میں کر دکھاؤں گا!“

قلعہ دار فوجوں کے اس بلند بانگ دعوے پر سسکا رہا۔
 رات سوئے سے پہلے سفیان بابک خرمی کو بھانکے لگانے کی مختلف تدبیریں
 غور کرتا رہا، کئی تدبیروں میں سب سے زیادہ موثر تدبیر یہ تھی کہ وہ کسی بھرے جو
 کو گراں قدر معائنے کا پلچ دے کہ بابک خرمی کی خدمت میں روانہ کرے گا، یہ لوہ
 خرمیہ فرمے میں داخل ہونے کا اور ان کا غیر معمولی اعتماد حاصل کر کے کسی
 موقع پر بابک خرمی کو قتل کر دے گا۔ منصوبے کے نشیب و فراز پر غور کرتا ہوا
 کچھ ہی دیر بعد کسی نے دروازہ پیٹ پیٹ کر اسے بیدار کر دیا۔ وہ
 نیم خوابیدہ حالت میں اٹھ بیٹھا۔ اس نے دروازہ کھول دیا۔ اس کا ایک بیا
 اندر داخل ہوا اور وحشت ناک خبر سنائی ”جناب والا! ہمارے ساتھ
 دھوکا کیا گیا ہے، ہمارا باہر بابک خرمی کا آدمی تھا اور یہ قلعہ بھی اسی
 سے ہمارے سپاہی قید کیے جا چکے ہیں، میں معلوم نہیں کس طرح نکل جا
 ہوں، آپ بھی یہاں سے نکل بھاگنے کی ترکیب کیجئے ورنہ یا تو ہمارا ایسا
 جائے گا یا پھر جان!“

سفیان نے جلدی جلدی جسم پر پولش ڈالی اور چند ہتھیار

کے سے باہر آ گیا قلعہ کا راستہ دیکھا بھالا نہ تھا۔ اس کی سمجھ میں نہ آتا
 تھا کہ قلعہ سے باہر کس طرح نکلے، اس کے ساتھ سیاحی نے کہا: ”ہمیں اس
 نالے کو تلاش کرنا چاہیے جو آخر کار باہر کی طرف نکلتا ہے!“

اندھیکہ میں یہ کام انجام دینا آسان نہ تھا اور خاص کر اس حالت
 میں کہ بابک خرمی کے آدمی انہیں تلاش کر رہے ہوں، وہ کس طرح نکل سکتا
 سکتے تھے وہ دونوں بھاگتے بھاگتے ایک نالے میں اتر گئے اور اس کے اندر
 بھاگتے ہوئے باہر جانے کا راستہ تلاش کرتے رہے۔ جب وہ نالے کی آخری
 حد پر پہنچ گئے تو بہت جلد کمالا بند ہے اور باہر جانے کا کوئی راستہ نہیں
 وہ دونوں ابھی نالے سے باہر نکلے بھی نہ تھے کہ ایک کئی مشعل برداران
 ان دونوں کی طرف بڑھے اور انہیں روک لیا، انہیں میں سے ایک شخص نے
 تمسخر آمیز ہنسی میں کہا: ”تم بھاگ رہے تھے!! ہم سے بچ کر منہ چھپانے
 کہاں جا رہے تھے آخر؟“

سفیان نے اس شخص کو اس کی صورت اور آواز سے پہچان لیا، یہ
 وہی قلعہ دار تھا۔ اس نے اپنے آدمیوں کو کوئی اشارہ کیا جواب میں انہوں
 نے سفیان سے اس کے ہتھیار چھین لئے، قلعہ دار نے کہا: ”تم محفوظ رہو،
 بھاگ مت!“

مقابلہ کر کے جان دینا بہت آسان بات تھی لیکن اس سے حاصل کیا
 ہوتا، سفیان نے یہی سوچ کر خود کو قلعہ دار کے حوالے کر دیا اسے دوبارہ
 اسی کسے میں پہنچا دیا گیا جہاں سے بھاگا تھا لیکن اس بار کسے کو باہر سے
 مقفل کر دیا گیا، اس کی نیند اڑ چکی تھی اور اسے پہلی بار یہ احساس ہوا
 کہ جس دشمن سے اس کا مقابلہ ہے وہ غیر معمولی چالاک اور طاقتور ہے،
 تلگوں پر اس کا قبضہ ہے اور باقاعدہ فوج رکھتا ہے، رات کا بقیہ دھکے
 اس نے جاکر کر گزار دیے۔ اس کا ذہن خیالات کی آماجگاہ بن گیا۔ بابک خرمی
 پر قابو پانے اور پھر بابک کر دینے کے ہتھے منصوبے سوچے تھے اب وہ سب
 غلط اور بے کار ثبات ہو چکے تھے۔ اب ان خطرناک اور مجبور حالات میں
 کیا کرنا چاہیے؟ ذہن یہ سوچنے میں مدد دے رہا تھا اور صبح ہوتے ہوئے وہ
 اس نتیجے پر پہنچا کہ دشمن موقع غل و دیکھ کر مناسب حال حربے اختیار کرتا

ہے، عیاری چالاک، مکر و فریب اور جنگ جونی غرضکہ وقت کا تقاضا جس حربے کے حق میں ہوتا ہے، بایک خری اور اس کے پیرو ہی حربہ استعمال کرتے ہیں، اس نے طے کیا کہ اسے اپنے دشمن ہی کے نقش قدم پر چلنا ہو گا اس لئے یہ بات امید فساد تھی کہ دشمن اس کے ساتھ نرم رویہ اختیار کرے ہوئے تھے اور قلعے دار نے اسے یقین دلا دیا تھا کہ تم محفوظ رہو گے، مگر موت! اس نے سوچا عقلمندی کا تقاضا یہ ہے کہ عیاری اور چالاک سے کام لیا جائے۔

تالے میں کبھی والے کی آہٹ محسوس ہوئی اور جب دروازہ کھلا تو دو شمشیر بردار سپاہیوں کے ساتھ قلعے دار اندر داخل ہوا اور خوش اخلاقی سے ساتھ چلنے کی درخواست کی، سفیان کسی مزاحمت یا چسک پر نفرت کا اظہار نہ کیا جو ایک اڑتالیس پچاس سالہ مضبوط اور توانا شخص کے رویہ و چہرہ پر کلمات ادا کر کے شخص غور کر کے اپنی طرف چلے جاتے تھے، قلعے دار نے نہایت ادب سے جھک کر اس مضبوط اور توانا شخص کو سلام کیا اور سفیان کو اپنی تقلید کا حکم سنا دیا لیکن سفیان نے "السلام علیکم" ہی پر اکتفا کیا۔

قلعے دار نے دشت لیجے میں کہا "لو جان! اس وقت تو روح جاویدان کے ساتھ ٹھہرا ہے، روح جاویدان جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ موجود رہے گی، اب وہ تیسکر سامنے موجود اعلیٰ حضرت بایک خری کے جسم میں حلول کر چکی ہے، جو پر فرض ہے کہ اسے جھک کر سلام کرے!"

سفیان نے حیرت اور حیرت آمیز نظروں سے بایک خری کو دیکھا۔ بایک نے بھی سفیان پر اچھٹی نظر ڈالی اور قلعے دار کو اشارے سے منع کیا کہ وہ سختی اور دشمنی سے کام نہ لے، سفیان کے سپاہی ایک ایک کر کے بایک پر ایمان لانے کے کلمات ادا کر کے دوسری طرف چلے جاتے۔ سفیان کو حیرت تھی کہ یہ سپاہی تو اس کی سرکردگی میں بایک خری سے جنگ کرنے آئے تھے اور آج وہ بایک پر ایمان لا رہے تھے اور اسے گویا سچا بتاتے ہی نہ تھے، دو پہر بعد یہ عمل ختم ہوا تو بایک نے اٹھتے ہوئے قلعے دار کو حکم دیا کہ سفیان کو ساتھ لے کر اس کے پیچھے چلے جس کی تعمیل کر گئی۔

تخلیے میں بایک نے سفیان سے کہا "کیا تمہارا نام سفیان ہے اور قلعے

عباسی نے تمہیں کو ارد بیل کے حماد والے قلعے کا محافظ بنا کے بھیجا ہے؟" سفیان نے جواب دیا "ہاں میں وہیں جا رہا تھا کہ مجھے دھوکا دے کر تمہارے حوالے کر دیا گیا!" "یہ بات نہیں ہے!" بایک نے نظریں ملائے بغیر کہا۔ "کیا حماد تمہارا باپ تھا؟" "ہاں!"

"وہ جاہل اور مسکرتھا!" بایک نے نرمی سے کہا "اور شاید بے وفا اور غیر ذمے دار بھی!"

سفیان نے جواب دیا "اگر میرا باپ جاہل اور مسکرتھا تو خلافت عبا کی اسے قلعے داری کا منصب بزرگ نہ سونپی اگر وہ تمہارے بقول بے وفا اور غیر ذمے دار ہوتا تو خلافت کے لئے اپنی جان نہ دے دیتا!"

بایک نے ہنس کر کہا "تم میری بات سمجھنے کی کوشش کرو، تمہارا باپ جاہل اور مسکرتھا اس لئے تھا کہ اس نے روح جاویدان کا انکار کیا، جو مجھ میں حلول کر چکی ہے، وہ بے وفا اور غیر ذمہ دار یوں تھا کہ اس نے جنہیں اور تمہاری ماں کو چھوڑ کر ایک دوسرے خاندان کی بنیاد ڈالی، کیا تم ایسے بے وفا شخص کو اپنا باپ سمجھتے ہوئے کوئی شرم نہیں محسوس کرتے؟ بایک کی بات کا ایک حصہ پہنچ تھا لیکن بات کے نصف اول سے اسے انکار تھا۔

بایک نے نرمی اور شفقت سے کہا "تم کچھ دن ہمارے ساتھ رہو، ہمیں تم جیسے پرورش لڑکوں کی ضرورت ہے، وہ قلعے جس کا قلعے دار تمہیں مقرر کیا گیا ہے اب وہ ہمارے قبضے میں ہے اگر تم ہمارے پیروؤں میں شمولیت اختیار کرو گے تو تمہیں ہم اپنی طرف سے اس قلعے کا محافظ بنا دیں گے!"

سفیان کو فوری فیصلہ کرنے میں ہچکچاہٹ محسوس ہو رہی تھی۔ بایک کی تیز نظروں نے سفیان کے چہرے پر پھیلے ہوئے تذبذب کو محسوس کر لیا۔ بولا "نی الحال تم ہمارے خاندان میں رہو، آدم کے بیٹوں کا خاندان جہاں خرم اور نا خرم کی باندیاں نہیں ہیں، ایک ایسا خاندان جہاں مائیں اور بہنیں تقدس کے فرضی اور مصنوعی پردوں کے پیچھے نہیں بھائی جاتیں

میں جہاں مرد مرد ہے اور عورت، عورت، عورت صرف عورت ہے اور مرد صرف مرد۔ ہمارا خاندان ایسا نہیں ہے جہاں مرد اور عورتیں شرم و حیا کی دہریں جادروں میں اپنی فطری اور حیثیتی خواہشات نفسانی کو باندھ کر شرم منوعہ کی طرح دور رکھ دیں۔ میں تمہیں اپنے فرشتگان کے حوالے کر دوں گا وہ نہیں اس جدید معاشرے کا خوش قسمت انسان بننے میں پوری پوری مدد دیں گے۔ سفیان متحیر اور تشدد بابک کی باتیں خواب و خیال کی طرح مستحسب رہا۔ ایک ایسا معاشرہ جہاں مرد اور عورت ایک ہی نقشہ رکھتے ہوں۔ ایک ایسا خاندان جہاں مرد عرف مرد ہے اور عورت عرف عورت۔ ان باتوں میں ایک نوجوان کے لئے بڑی کشش تھی لیکن سفیان کے لئے سب سے بڑی مشکل یہ تھی کہ اس کا جس خاندان سے تعلق تھا وہ غلم حدیث اور علم رٹے تھے۔

فقیہ میں ایک خاص شہرت رکھتا تھا اور اس کے لئے یہ بات تقریباً ناممکن تھی کہ وہ کسی ایسے معاشرے یا خاندان کا ایک فرد بن جائے جہاں رشتوں، تعلقوں، درمیان میں ایک شائد اگر وہ بنا ہوا تھا، مگر کے سامنے حوصلہ تھا۔

لا قدس سرے سے نابود کیا جا چکا ہو، اس نے سوچا اس دلچسپ معاشرے میں فواد سے چھٹ رتبے کے گھر آکر داخل میں، فواد کی بارش ایسا لگتا ہے کہ دن اقباط سے وہ کہ معلومات ضرور حاصل کرنی چاہیں پھر کسی دن تمہارے چاندنی میں رقبہ پائی ہو جی ہو، قصر میں داخل ہوتے ہی اس کے متوقع ملتے ہی نزار ہو جانا نہایت آسان ہو جائے گا۔ وہ یہ بات بھی خوب دروازے بند کر دیئے گئے۔ فرشنگان اسے بابک کے قریب لے گئے جو ایک تخت جاتا تھا کہ بابک کے کسی اسے خیمہ فگہ میں داخل ہو جائے پر تجھ پر ضرور پریشا حسین اور لڑخون لڑکیوں اور عورتوں کو بوسوں کی سعادت سے نواز کرے گئے لیکن اس کا اندر بھی اس کے پاس موجود تھا۔ اس نے طے کر لیا کہ اس رات جا۔ لڑخون اور گلدار جسموں والی لڑکیاں اور عورتیں اس کے قریب ہو جائیں وہاں کے موقع پر وہ کہہ دے گا کہ خیمہ فگہ میں شمولیت وہ اسی وقت جانی کسی کسی لئے جب بابک کے روبرو نہ کوئی انتہائی حسین اور گلدار جسم والی لڑکی بیچ جاتی تو بابک تجھ پر اور تیرے نظروں سے اس کے سراپا اور شباب کا یوں جائزہ لیتا جیسے کوئی آقا بازارِ غلاماں میں حسین و جمیل کنیزوں کے حسن و کمال کا انجم دے رہے تھے، ان فرشنگان نے اسے بتایا کہ مسلمانوں کا یہ غلبہ کہ ہوس اور شہوت کی نظروں سے تو لٹا ہے، سفیان نے اس قریب میں عقیدہ غلط ہے کہ وحیِ ربانی کا سلسلہ ختم ہو چکا ہے اور یہ عقیدہ بھی غلط ہے ایسا حسن و شباب دیکھا کہ اس کی فیت ڈالواں ڈول ہوئے گی اور خواہشات کو دنیا پر حکومت صرف ایک خدا کی ہے بلکہ یہاں دو متضاد طاقتیں برسرِ نفسانی نے انکڑائی لے کر اسے مشورہ دیا کہ وہ بابک برائے مان لے آئے۔

پیار ہیں، ایک نور ہے، دوسری ظلمت، ایک یزدال ہے، دوسری اہرمن
انہی فرشتگان سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ فرقہ خرمیہ میں ہر وہ چیپنگ کی آغوش سے تھمے ہوئے تھے، اٹھ اٹھاتے تدموں سے باہک کے سامنے مانگ لڑی
جائزے جس سے نفس محفوظ ہو اور طبیعت اس کی طرف داغ ہو، زندگانی ہو، اس نے تو باہک کے ساتھ جیسے اور نہ ہی پیشانی کی کوہِ بوسہ دیا۔ باہک نے

اسے ایک نظر دیکھا اور فرشتے سے کچھ دریافت کیا۔ فرشتے نے ایک نفر سفر پر ڈالی اور پھر بابک سے مخاطب ہو گیا۔ پھر بابک نے بھی سفیان کی طرف دیکھا اسے کچھ نہ تھا کہ بابک سے کس قسم کی باتیں ہو رہی ہیں کیونکہ درمیانی نامہ کافی تھا۔ اور باتیں بھی ذرا آہستہ آہستہ ہو رہی تھیں لیکن اتنا اندازہ ضرور ہو گیا کہ باتیں اسی کی بابت ہو رہی ہیں، پھر ایک فرشتے نے لڑکی کی گتہ سی کو اپنی گرفت میں لے لیا اور اسے بابک کے روبرو جھکا کر لڑکی کو پیش کیا، لڑکی اکڑی رہی وہ رونے لگی۔ وہ زور زور سے کہہ رہی تھی ”میں اسے بوسہ نہیں دوں گی، میں اس کے آگے سر نہیں جھکاؤں گی، تم مجھے مارو مجھے یہ منظور ہے لیکن یہ منظور نہیں کہ میں اس شخص کو سجدہ کروں یا اس کے کسی عضو کو بوسہ دوں۔ ایک صراحتی رد و ش عود بابک کے قریب پہنچی اور جام میں شراب اٹھایا کہ بابک کے چوٹیوں سے لگادی، بابک اسے خفا غٹ چڑھا گیا اور ترنگ میں آکر اپنے فرشتگان کو کوئی حکم دیا۔

ایک بڑے بڑے دانوں والا چھیک منہ داغ فرشتہ سفیان کے قریب آیا اور کہنے لگا۔ ”روح جاویدان جو اس وقت اعلیٰ حضرت بابک کے جہنم موجود ہے تم پر بہت ہراسان ہے، اس نے اس ناچیز کو حکم دیا ہے کہ اس سرکش حسد کو تھمارے حوالے کر دیا جائے کیونکہ تم عورت کی بھوک تو تھری ہی محسوس کرتے ہو گے!“

سفیان نے پوچھا ”کیا یہ لڑکی ہمارے پاس بہنسی خوشی آئے کر تیار ہے؟“

فرشتے نے جواب دیا ”نہیں، ابھی اس پر وحشت سوار ہے، اسے فر پر مائل کرنا تمہارا کام ہے، اور یہ کام کچھ اتنا مشکل نہیں ہے، یزدان نے جو نفس اور جو خواہشات مرکوز ہیں وہی عورت کو بھی ملتی ہیں پس تمہارا کام تو اتنا سادہ ہے کہ تم چالاکی اور ہوشیاری سے اس کے اندر کی عورت کو بیدار کرو!“

سفیان نے ابھی کوئی جواب بھی نہ دیا تھا کہ فرشتہ تیزی سے واپس گیا اور لڑکی کو اسے ساتھ لے کر واپس آگیا، بولا، یہ سرکش لڑکی تیرے حوالے کی جا رہی ہے، روح جاویدان یہ دیکھنا چاہتی ہے کہ تو اسے کس طرح سزا

کرتا ہے!

لڑکی نے لے لیں نفروں سے سفیان کو دیکھا اور آنسو بہانے لگی۔ سفیان نے بابک کی طرف دیکھا اور ایسا محسوس کیا جیسے وہ سفیان کو کلکیوں سے دیکھ رہا ہے۔ محفل والوں نے سفیان کو رشک و حسد کی نفروں سے دیکھا اور خوشی سے تالیاں بجا لیں، چند بابکی پیروؤں نے سفیان کو مبارکباد دی کہ وہ اپنے عہد کا ایک خوش قسمت ترین لڑکھان ہے کیونکہ بابک نے اسے ایک لڑکی عطا کی ہے اور اس حالت میں کہ سفیان نے ابھی تک نئے دین میں شمولیت کا اعلان تک نہ کیا تھا بابک کا یہ انعام کچھ زیادہ قدر و وقت کا مستحق قرار پاتا تھا۔

سفیان نے اس سوگوار اور چشم پر کم حسد کا جائزہ لیا۔ بیسوی اور پنج جیسے جیسے برسیا بکھری زلفیں تمامت تھیں، لڑکی کے سیدھے رخسار پر عین اس جگہ جہاں برجے کی بڑی ابھری ہوئی ہے ایک سیاہ تل نہایا تھا جیسے جیسے زلفیں اور جیہ و نہات سے عرق عرق آنکھیں کیف و مستی کے فوارے تھیں، گردن کے نیچے حسن اور شباب مائل پرواز محسوس ہوتا تھا۔ کہ چلی تھی اور جب وہ چل کر سفیان کے پاس آ رہی تھی تو ایسا لگتا تھا جیسے پہنچی کر درمیان سے ٹوٹ جائیگی۔ سفیان بوری محفل کا مرکز بن گیا تھا۔

سفیان نے لڑکی سے پوچھا ”تمہارا نام کیا ہے؟“

لڑکی نے کوئی جواب نہ دیا اور زور سے سسکیاں لینے لگی۔

سفیان نے اسے تسلی دی ”تم پریشان کیوں ہو؟ تمہیں تو کسی نے ابھی تک ہاتھ نہیں لگایا!“

لڑکی نے لمبائی سے جواب دیا ”سینکڑوں کے مجمع میں تمہارا بٹا کھڑا کر دینا کچھ کم ہے، یہ تو ہاتھ لگانے سے بھی بدتر ہے، یہ سب کچھ میکے لئے بالکل ناقابل برداشت ہے!“

سفیان نے کہا ”کیا تمہیں معلوم ہے کہ اب جہمیں ہمارے ہی ساتھ رہنا پڑے گا!“

لڑکی نے پھر کوئی جواب نہ دیا۔ سفیان نے کہا ”ارے تم نے اپنا نام نہیں بتایا!“

لڑکی نے جواب دیا: "یوں تو میرا نام عصمہ ہے لیکن میں اپنے والدین کے رکھے ہوئے اس نام کو استعمال نہ ہونے دوں گی!"

"وہ کیوں؟" سفیان نے حیرت سے سوال کیا۔
لڑکی نے جواب دیا: "کیونکہ میں نہیں چاہتی کہ اس غلیظ اور گندے ماحول میں اپنے والدین کا نام استعمال کروں!"

ہال میں ایک دم شور بلند ہوا، سفیان اور لڑکی کی نظریں ایک دہا بیک پر جا پڑیں، اس وقت بایک کھڑا ہو چکا تھا اور دو حسین ترین عورتیں اس کے دونوں بازوؤں میں جکڑی ہوئی تھیں۔

بدھورت فرشتہ سفیان کے قریب آیا اور کہا: "روح جاویدان اپنی معنوی بیٹیوں پر مہربان ہوگئی ہے یہ دونوں حسین عورتیں بظاہر حقیقی بیٹی ہیں اور ان کی ماں ہمارے مالک اور آقا سے اسی طرح لطف اندوز ہوتی رہے ہیں جس طرح آج یہ دونوں لطف و لذت حاصل کریں گی!"

سفیان نے پوچھا: "تم لوگ بار بار روح جاویدان کی رٹ دہکاتے رہتے ہو آخر یہ روح جاویدان ہے کیا ہے؟ اس سے تمہاری کیا مراد ہے؟" بھونٹے فرشتے نے جواب دیا: "ساہا سال پہلے زواں کی روح ہمارے مولا اور آقا جاویدان میں حلول کر آئی تھی، پھر جب جاویدان نے اس فانی اور عارضی دنیا سے منہ موڑا تو روح جاویدان ہمارے موجودہ مالک اور آقا بایک خرمی کے قالب میں داخل ہوگئی اور اس نے فوراً اس عورت کو طلب کر لیا جو یہ جاویدان کی بیوی تھی، چنانچہ اب جاویدان کی بیوی ہمارے آقا اور مولا بایک کی بیوی ہے!"

شور و غل نے اور زیادہ شدت اختیار کر لی، اس وقت بایک دونوں عورتوں کو دباے ہوئے تھیلے کی تاریکی میں ڈوب چکا تھا۔

سفیان نے عصمہ سے کہا: "تم میرے ساتھ جاؤ گی یا کچھ اور سوچا ہے؟" بدھورت فرشتے نے قیامت کھڑی کر دی، پر جوش لہجے میں بولا: "یہ لڑکی تیرے حوالے کی گئی ہے، اب اگر تو نے اسے کسی اور کے حوالے کر دیا تو یہ تیرے حق میں بڑی بڑی بات ہوگی، اتنی بڑی بات کہ تیرا دلخشاں مستقبل تیرے سالوں دور جو ہائے گا!"

سفیان فی الحال بایک خرمی کی مخالفت یا عناد کا شکار نہیں ہونا چاہتا تھا۔ اس نے اپنے بد شکل فرشتے کو دکھانے کے لئے عصمہ کو ڈانٹا، بولا: "اولڑکی! تو میری ملکیت ہے، میرے ساتھ چل اور تجھے میرے ساتھ اسی طرح رہنا ہوگا جس طرح میں چاہوں گا!"

لڑکی نے سہمی سہمی اور خوفزدہ نظروں سے سفیان کو دیکھا اور خاموشی سے اس کے ساتھ چلنے پر آمادہ ہوگئی۔

اپنی خواب گاہ میں سفیان نے لڑکی کو سلا دیا اور خود خواب گاہ کے باہر برآمدے میں پڑ رہا۔ رات میں کئی بار لڑکی نے اللہ اکبر یہ معلوم کرنے کی کوشش کی کہ سفیان کہاں سو رہا ہے اور جب اسے یہ معلوم ہوا کہ سفیان نے برآمدے میں بستر بکھالیا ہے تو لڑکی پریشان ہوگئی۔ وہ آہستہ آہستہ برآمدے کی طرف بڑھی، سفیان ابھی تک جاگ رہا تھا اس نے عصمہ کو اپنی طرف آتا دیکھ کر آنکھیں بند کر لیں اور جھوٹ موٹ کے خراٹے لینے لگا۔

عصمہ اس کے سرہانے کھڑی ہوگئی اور ڈرتے ڈرتے آنکھوں پر جھک کر سفیان کے سوجھنے کا یقین کرنے لگی۔

سفیان نے دونوں آنکھیں بند کر رکھی تھیں، اس نے اپنے چہرے پر عصمہ کی مساتوں کی گرمی محسوس کی۔

عصمہ نے اپنا چہرہ اٹھالیا اور غور سے سفیان کو دیکھنے لگی۔ پھر دنگ کے لئے دونوں ہاتھ سفیان کے شانوں کی طرف بڑھائے تین جھپک کر تجھے چھنے لے اور آہستہ سے رک رک کر کہا: "اوشیٹاؤں کے درمیان کھڑے ہوئے خریف نوجوان! تو نے میری خاطر اس سخت سردی میں اپنی خواب گاہ چھوڑ دی؟" انا گرم کرہ اور گداز بستر میرے حوالے کر دیا اور خود اس سرد اور بے آرام برآمدے میں پڑ رہا، تو ایک خریف نوجوان ہے خریف اور نیک والدین کا خریف اور نیک بیٹا!"

سفیان، عصمہ کی باتیں سن سن کر نمکین ہو رہا تھا۔
عصمہ نے کہا: "خیر آج کی کوئی بات نہیں لیکن تم کل اس بڑے میں نہیں سوؤ گے!"

وہ ایک بار پھر سفیان کے چہرے پر جھک گئی اور پھر سیدھی ہو کر واپس چلی گئی۔

دوسرے دن دونوں ایک دوسرے کو نظریں بچا کر دیکھتے اور باتیں بہت کم ہوئیں سہ پہر کو بھونڈی شکل والا فرشتہ سفیان پاس آیا اور اسے مطلع کیا کہ اس کے آقا اور مولانا بابک خرمی نے اس کو خبردار کیا ہے کہ اگر سفیان نے عصمہ میں کوئی دلچسپی نہیں لی اور عشرہ برزخ جیسے نہ دوں گی! اب بھی کورے کا غد کی طرح سادہ ہے تو اسے کسی ایسے نوجوان کے گرد دیا جائے گا جو اس سادے اور کورے کا غد پر لذت آمیز عبارت آرا کر سکے اور اس کی جگہ سفیان کو کوئی دوسری ایسی لڑکی پیش کر دی جائے جو اس کے جذبات شہوانی میں تحریک پیدا کر دے۔

فرشتے کی اس تنبیہ نے دونوں کو پریشان کر دیا اور دونوں ایک دوسرے کو معنی خیز نظروں سے دیکھا۔

فرشتے نے سفیان سے سوال کیا: "تم کیا کہتے ہو؟" سفیان نے ہچکچاہٹ سے جواب کے بجائے سوال کیا: "یہاں شادیاں کی رہنے دو! ہم کوشش کریں گے کہ خرمی رسوم اور رواج پر کاربند ہو جائیں! طرح ہوتی ہیں؟"

فرشتے نے کراہیت سے جواب دیا: "دل اور خواہشات نفسا آن پڑی ہے اگر یہاں سے بھاگنا چاہیں تو یہ اور مشکل کام ہے!" اس کا کسی عورت یا لڑکی پر مائل ہو جانا ہی شادی ہے، کیا تمہارے لیے اس لڑکی میں کوئی کشش نہیں؟

سفیان نے جلدی جلدی جواب دیا: "ہے کیوں نہیں لیکن فرشتے صاحب! میں جس ماحول سے اٹھ کر یہاں تمہارے درمیان آیا ہوں گی لیکن فرشتے کی باتوں نے اسے اتنا خوفزدہ کر دیا تھا کہ وہ خواب گاہ وہاں کے کچھ اور آداب ہیں، ان آداب اور رسوم کو میں یک لخت تسلیم کر کے دروازے اندر سے بند کر کے پڑی رہی اور سفیان ایک بار پھر رات کے حرکت کر سکتا ہوں اپنے مالک اور آقا بابک سے کہو کہ وہ مجھے کم از کم پڑ رہا۔ پوری رات سفیان نے اس امید میں گزار دی کہ عصمہ اب آئی اتنا وقت مزور سے دیں کہ میں خود کو یہاں کے رسوم و رواج کا غادی بنا اور اب آئی اور اسے زبردستی اندر اٹھا لے جائے گی لیکن پوری رات اسی نشتر عصمہ سے غماظ ہوا تو جھسا۔ لڑکی! کیا تو یہ بتانا! انظار میں گزر گئی اور عصمہ نہیں آئی۔ عصمہ کی بے رخی سے سفیان کو کرب لگی کہ خود تو نے اس نوجوان کو کس حد تک پسند کیا ہے؟"

عصمہ نے مسکرا کر سفیان کو دیکھا اور گردن جھکائی۔ فرشتے نے عصمہ کے منہ کے قریب اپنے کان لے جا کر سوال کیا۔

"اگر تجھے کسی دوسرے یہ نوجوان پسند نہیں ہے تو میں تیرے لئے کسی دوسرے نوجوان کا انتظار کر سکتا ہوں!"

عصمہ نے جواب دیا: "مجھے چند دن سوچنے کا موقع دو، اس کیلئے جواب پاس آیا اور اسے مطلع کیا کہ اس کے آقا اور مولانا بابک خرمی نے اس کو خبردار کیا ہے کہ اگر سفیان نے عصمہ میں کوئی دلچسپی نہیں لی اور عشرہ برزخ جیسے نہ دوں گی! اب بھی کورے کا غد کی طرح سادہ ہے تو اسے کسی ایسے نوجوان کے گرد دیا جائے گا جو اس سادے اور کورے کا غد پر لذت آمیز عبارت آرا کر سکے اور اس کی جگہ سفیان کو کوئی دوسری ایسی لڑکی پیش کر دی جائے جو اس کے جذبات شہوانی میں تحریک پیدا کر دے۔

فرشتے نے سفیان سے سوال کیا: "تم کیا کہتے ہو؟" سفیان نے ہچکچاہٹ سے جواب کے بجائے سوال کیا: "یہاں شادیاں کی رہنے دو! ہم کوشش کریں گے کہ خرمی رسوم اور رواج پر کاربند ہو جائیں! طرح ہوتی ہیں؟"

فرشتے نے کراہیت سے جواب دیا: "دل اور خواہشات نفسا آن پڑی ہے اگر یہاں سے بھاگنا چاہیں تو یہ اور مشکل کام ہے!" اس کا کسی عورت یا لڑکی پر مائل ہو جانا ہی شادی ہے، کیا تمہارے لیے اس لڑکی میں کوئی کشش نہیں؟

سفیان نے جلدی جلدی جواب دیا: "ہے کیوں نہیں لیکن فرشتے صاحب! میں جس ماحول سے اٹھ کر یہاں تمہارے درمیان آیا ہوں گی لیکن فرشتے کی باتوں نے اسے اتنا خوفزدہ کر دیا تھا کہ وہ خواب گاہ وہاں کے کچھ اور آداب ہیں، ان آداب اور رسوم کو میں یک لخت تسلیم کر کے دروازے اندر سے بند کر کے پڑی رہی اور سفیان ایک بار پھر رات کے حرکت کر سکتا ہوں اپنے مالک اور آقا بابک سے کہو کہ وہ مجھے کم از کم پڑ رہا۔ پوری رات سفیان نے اس امید میں گزار دی کہ عصمہ اب آئی اتنا وقت مزور سے دیں کہ میں خود کو یہاں کے رسوم و رواج کا غادی بنا اور اب آئی اور اسے زبردستی اندر اٹھا لے جائے گی لیکن پوری رات اسی نشتر عصمہ سے غماظ ہوا تو جھسا۔ لڑکی! کیا تو یہ بتانا! انظار میں گزر گئی اور عصمہ نہیں آئی۔ عصمہ کی بے رخی سے سفیان کو کرب لگی کہ خود تو نے اس نوجوان کو کس حد تک پسند کیا ہے؟"

عصمہ نے مسکرا کر سفیان کو دیکھا اور گردن جھکائی۔ فرشتے نے عصمہ کے منہ کے قریب اپنے کان لے جا کر سوال کیا۔

"اگر تجھے کسی دوسرے یہ نوجوان پسند نہیں ہے تو میں تیرے لئے کسی دوسرے نوجوان کا انتظار کر سکتا ہوں!"

عصمہ نے جواب دیا: "مجھے چند دن سوچنے کا موقع دو، اس کیلئے جواب پاس آیا اور اسے مطلع کیا کہ اس کے آقا اور مولانا بابک خرمی نے اس کو خبردار کیا ہے کہ اگر سفیان نے عصمہ میں کوئی دلچسپی نہیں لی اور عشرہ برزخ جیسے نہ دوں گی! اب بھی کورے کا غد کی طرح سادہ ہے تو اسے کسی ایسے نوجوان کے گرد دیا جائے گا جو اس سادے اور کورے کا غد پر لذت آمیز عبارت آرا کر سکے اور اس کی جگہ سفیان کو کوئی دوسری ایسی لڑکی پیش کر دی جائے جو اس کے جذبات شہوانی میں تحریک پیدا کر دے۔

فرشتے نے سفیان سے سوال کیا: "تم کیا کہتے ہو؟" سفیان نے ہچکچاہٹ سے جواب کے بجائے سوال کیا: "یہاں شادیاں کی رہنے دو! ہم کوشش کریں گے کہ خرمی رسوم اور رواج پر کاربند ہو جائیں! طرح ہوتی ہیں؟"

فرشتے نے کراہیت سے جواب دیا: "دل اور خواہشات نفسا آن پڑی ہے اگر یہاں سے بھاگنا چاہیں تو یہ اور مشکل کام ہے!" اس کا کسی عورت یا لڑکی پر مائل ہو جانا ہی شادی ہے، کیا تمہارے لیے اس لڑکی میں کوئی کشش نہیں؟

کرتا رہا۔ معاً سفیان کو خط کے کا احساس ہوا کہ ان دونوں کا یہ کھنی کھنی انداز ان کے حق میں نقصان دہ ہے اس نے سکوت ختم کیا اور فرشتے کو بات چیت سے دھوکا دینے کی کوشش کی بولا "عصمہ! رات بڑی پر لطف نصیب آئی، کچھ توہیں بھی لطف حاصل ہوا؟"

عصمہ نے وحشت سے سفیان کو گھورا لیکن کوئی جواب نہیں دیا۔

سفیان نے مزید کہا، تم پریشان نہ ہو، بس چند ہی دنوں کی بات ہے کہ ہم دونوں اس ماحول اور یہاں کے رسم و رواج کے عادی ہو جائیں گے اور راتیں اس سے زیادہ حسین اور پر کیف ہو جائیں گی۔ پھر آنکھیں بند کرنا لطف لینے کے انداز میں بولا "آہ کیسی حسین ساعتیں تھیں وہ بھی، عصمہ! ایک ایسا پھل ہے جس کی شیرینی اور لذت کا کوئی دوسرا پھل مقابلہ نہیں کر سکتا۔"

جب آنکھیں کھلیں تو دیکھا بصورت فرشتہ عصمہ کو اس طرف لئے جا رہا ہے فرشتے نے ایک گوشے میں کھڑے ہو کر آہستہ سے سوال کیا "عصمہ یہ نوجوان جو کچھ کہہ رہا ہے کیا درست ہے؟"

عصمہ نے شرم سے جواب دیا "میری مرضی اور اجازت کے بغیر یہ کچھ بھی نہیں کر سکتا اگر میں اس سے باقاعدہ شرعی طریقے سے منسوب کر دی جاؤ تو واقعی میرے جسم کو ہاتھ لگا سکتا ہے!"

فرشتے نے خفگی سے کہا "تو باقاعدہ بے فائدہ کی بات کرتی ہے میرا آقا اور مولا باک تھے باقاعدہ اس نوجوان کے حوالے کر چکا ہے تم دونوں کے لئے بس یہی بات کافی ہے!"

پھر وہ سفیان کے پاس گیا، بولا "تیسرا اندر کا نفاق ظاہر ہو چکا ہے تیسرے دن پر انکار کی مہر لگی ہوئی ہے، میں اپنے آقا کو مطلع کر دوں گا کہ اس منکر نوجوان کا مزید زندہ رہنا شاید مشیتِ یزدان میں نہیں ہے۔ سفیان نے بے نیازی سے جواب دیا "میں مرنے سے نہیں ڈرتا۔"

تم لوگ جب جاہو مجھے ہلاک کر دو!" فرشتہ بڑبڑاتا ہوا باہر نکل گیا۔ سفیان سر ہٹکا کر بیٹھی ہوئی عصمہ کو کچھ دیر تک باندھے دیکھتا

ایک آدھ بار عصمہ نے نظریں اوپر اٹھائیں لیکن سفیان کی نظروں کی تاب نہ لا کر ڈر رہی تھکائیں، سفیان اٹھا اور آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا عصمہ کے پیچھے جا بھاڑا ہوا، عصمہ اپنی پشت پر اس کی موجودگی محسوس کر کے سٹپ گئی۔ یکایک سفیان نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔ عصمہ اور زیادہ سسک گئی۔

سفیان نے کہا "عصمہ! تم سے یہ بصورت فرشتہ کیا پوچھ رہا تھا؟" عصمہ نے رک رک کر جواب دیا "تم نے رات کی بابت جو کچھ کہا تھا مجھ سے اس کی تصدیق جانتا تھا!"

"پھر تم نے کیا جواب دیا؟" عصمہ نے جواب دیا "میں نے کہا اے جھوٹ کا بھانڈا پھوڑ دیا، تمہیں ایسی جھوٹی فضول اور گندی بات نہیں کہنی چاہئے تھی!"

سفیان نے اس کا شانہ مضبوطی سے پکڑ کر پھینک دیا۔ دانت پیس کر بولا "حق رکھ! جسے سچ نہیں لونا چاہئے تھا، یہ جھوٹے لوگ سچ بند نہیں کرتے!"

عصمہ نے شرم دیا "جواب دیا" ایک ایسا بھانڈا نافل جس میں میں خراب نہیں تھی، جھوٹ موٹ بھی اس کا اقرار کروں؟"

سفیان نے کہا تب پھر، تم دونوں کو تھکائی کے لئے تیار ہو جانا چاہئے، کیونکہ باک خرمی اب نہیں سہی اور کے حوالے کر دے گا اور میکے پاس کوئی اور لڑکی بیچ دی جائے گی!"

عصمہ پریشان ہو گئی اور گھر کے سفیان کو دیکھنے لگی۔ سفیان نے عصمہ کو شانے سے پکڑ کر ایک زور کا جھٹکا دیا عصمہ کا چہرہ سفیان کے سامنے آ گیا۔ اس نے عصمہ کے دونوں شانے مضبوطی سے پکڑ لئے اور اس کی شکل فوراً دیکھنے لگا۔ عصمہ کی نظریں نیچے تھیں، اسے پیر کے نیچوں پر پڑا اس نے عصمہ کے شانے پھوڑ دیئے اور دونوں ہاتھوں سے گدی پکڑ لی، زور لگا کے چہرہ اپنے قریب کرنا چاہا لیکن عصمہ کے گردن اکڑا لی، سفیان نے قوت سے عصمہ کے چہرے کو اپنے چہرے سے ملایا اور اس کی پیشانی پر بوسہ کر لیا،

عصمہ نے اپنے چہرے کو ادھر ادھر شانے کی کوشش کی لیکن ناکام رہی، آہستہ آہستہ کشمکش میں جذبات نے اتنی شدت اختیار کی کہ اس نے عصمہ کو اپنی آغوش میں لے کر خوب خوب بھینچا اور جسم کے مختلف حصوں پر بوسوں کی بھرمار کر دی

سفیان کی وحشت نے عصمہ کو بدحواس کر دیا۔ اس نے تجھ لگا کر آزر دہ لیے میں کہا۔
تم طاقت کے بل پر چوچا ہو کر لو لیکن یہ یاد رکھنا کہ اس کا انجام میری موت
ہو۔ خود کشی کروں گی۔

سفیان نے گرفت ڈھیلی کر دی۔ بولا "عصمہ! میں ٹر آدمی نہیں ہوں۔
تم اچھی گئی ہو اور جانتا ہوں کہ سنجیدگی سے تمہیں اپنا نول، لیکن ان حالات میں
جن میں ہم دونوں گھسے ہوئے ہیں، اپنا نول کا کوئی جائز طریقہ اپنے بس کا نہیں ہے
اور یہ مشکل بھی آپڑی ہے کہ اگر ہم دونوں اختلاط وصال میں ناکام رہیں تو
میں ایک دوسرے سے جبراً جدا کر دیا جائے گا۔ تو کیا ہم دونوں برابر یہ فرس
نہیں ہو جائے کہ ہم دونوں ایک ہو جائیں اور بائک کے فرشتے کے قتل تمہاری
عفت کے سادہ کا غذا رہا نامہ مشوق لکھ ڈالیں!"

عصمہ نے اٹل بطن میں غور کی ہٹ دھرمی کا اظہار کیا۔ "بہر حال میں
بخوشی تمہیں اجازت نہ دوں گی!"

سفیان نے یکایک اسے چھوڑ دیا اور نفرت سے دور ہوتا ہوا بولا۔
"بہتر ہے لیکن مجھے ہمیشہ اس بات کا افسوس رہے گا کہ میں نے اپنی خاندانی شرافت
کی وجہ سے تمہیں تھوڑا تھوڑا کیا کیونکہ اپنی مردانہ قوت سے تمہیں مسخر کر لینا میرے
لئے کوئی مشکل مسئلہ نہیں ہے۔"

عصمہ کوئی قدم بچے ہٹ گئی اور بولی "مجھے میرے حال پر چھوڑ دو اور
خدا کو اپنا ہی سانس نہ بچھو۔"

سفیان نے پرخیزانہ انداز میں کہا "شاید کل تک ہم دونوں ایک دوسرے
سے جدا کر دیے جائیں گے کیونکہ میں اس بھونڈی شکل والے فرشتے کو اپنے فیصلے
سے مطلع کر دوں گا!"

عصمہ نے بیگانوں کی طرح سوال کیا "کیسا فیصلہ؟"

سفیان نے جواب دیا "یہ کہ ہم دونوں اب تک خود میں اور بائک
کی خواہشات نہیں پوری کر سکتے!"

سفیان نے واقعی یہی ارادہ کر لیا تھا اور جب شام کو وہ بد شکل فرشتہ
دونوں کا کھانا لے کر آیا تو سفیان نے جی کڑا کے واقعی کہہ دیا "دیکھو؟
آقا سے کہہ دینا یہ لڑکی میرے بس کی نہیں ہے اور میں اس کی خواہش پوری

کرنے سے قاصر ہوں!"

فرشتہ مسکرایا، بولا "تم نے سچ بات کہہ دی، بالآخر سچ سے بہت خوش

ہو جائے وہ تمہاری اس بات سے یقیناً بہت خوش ہو گا!" پھر جانے جانے کہہ

کر گیا۔ ہو سکتا ہے آپ دونوں کو یہ رات بے کٹنی اور بے کیفی میں گزارنا پڑے لیکن

یہ رات یقیناً پر کیف اور پر لطیف ہوگی اور تم دونوں کو اپنی اپنی پسند کا ساتھی

بنا کر دیا جائے گا!"

جب یہ چلا گیا تو عصمہ چوٹ کھائی ہوئی ناگن کی طرح سفیان پر پلٹ پڑی

نقد و تیر لہجے میں بولی۔

"تم نے اس خبیث سے ایسی بات کیوں کہی؟"

سفیان نے اچانک لہجے میں جواب دیا "اس لئے کہ سچ یہی تھا!"

عصمہ نے پچھن سے پوچھا "اور اس کا نتیجہ کیا نکلے گا؟"

"وہی جس سے ہم دونوں خوب اچھی طرح واقف ہیں!"

عصمہ نے فیصلہ کن لہجے میں کہا "سفیان! تم مجھے غلط سمجھو یہ بات نہیں

کہ میں تمہیں ناپسند کرتی ہوں بلکہ بات صرف اتنی سی ہے کہ میں خرمیہ عقائد

کے مطابق تمہارے ساتھ نہیں رہنا چاہتی، میں ایک اغلا سب رکھتی ہوں

میں آبا و اجداد معمولی آدمی نہیں تھے بس یہ خاندانی برتری اور فضیلت تھے

مجھ پر جبراً بننے سے روکتے ہیں، ورنہ یہاں اور اس دنیا میں کیا نہیں ہو رہا!"

سفیان نے بگڑا کر کہا "جب تم یہ سب کچھ جانتی ہو تو پھر حماقتیں کیوں

کر رہی ہو؟"

عصمہ نے پچھن سے سوال کیا "میں یہ جانتا چاہتی ہوں کہ اب کیا ہو گا؟"

سفیان نے بے نیازی سے جواب دیا "یہی کہ کل تم کسی اور کے حوالے کر دی

جاؤ گی اور میرے پاس اور لڑکی صحیح دی جائے گی!"

عصمہ جیسی سوچ میں پڑ گئی، سفیان نے سکوت توڑ کر بولا "عصمہ! کل

کہہ دیا کہ ہم دونوں پھر کبھی مل بھی سکیں گے یا نہیں لیکن میری ایک بات

ہمیشہ یاد رکھنا۔"

"کون سی بات؟" عصمہ نے اُسی سے سوال کیا۔

"یہ کہ سفیان تم سے محبت کرنے لگا تھا لیکن بد قسمتی سے تمہیں حاصل

نہیں کر سکا، اگرچہ تم سے محبت نہ ہو مگر بتو تو میرے لئے تمہارے جسم کا فتح کر لینا کوئی مسئلہ ہی نہ تھا محبت کا شریفاً جذبہ نفس اور شہوت کی سرکش قوت کی تکمیل بن گیا تھا۔

عصے سے ڈبڈبائی آنکھوں سے سفیان کی طرف دیکھا اور کہنے لگی۔ "میں تمہیں یاد رکھوں گی!"

سفیان کہیں گھومنا پھرنا چاہتا تھا لیکن وہ آزاد نہیں تھا۔ بابک کے فرشتگان اس کی نگرانی کر رہے تھے، وہ گھر سے باہر نکلا اور ایک نگران فرشتے سے کہنے لگا۔ "میں یکسانی سے آگیا گیا ہوں کہیں گھومنا پھرنا چاہتا ہوں، شکرا رکھیں! چاہتا ہوں!"

فرشتے نے جواب دیا۔ "تمہیں ذرا توقف اختیار کرنا پڑے گا کیونکہ جب تک ہمارا آقا تمہیں سیرسپا لے یا شکرا رکھیں گے کی اجازت نہ دیدے، تم کہیں بھی نہیں جا سکتے!"

سفیان گھبراہٹ سے واپس جانا ہوا بولا۔ "میں اندر تمہارے آقا کے جواب کا انتظار کروں گا!"

اندر عصمت بیرون دروازے پر کھڑی رہ رہی تھی۔ سفیان کمرے سے گزر کر براہ راست بیچلا گیا۔

گھومنے پھرنے اور شکرا رکھنے کے دوران سفیان جہاں جہاں گیا اس پر بعض عجیب و غریب حقیقتیں منکشف ہوئیں، ہر جگہ اسے یہی محسوس ہوا کہ وہ اپنے خاندان میں ٹھوم پھر رہا ہے، ایک کنبہ کی حدود میں چل پھر رہا ہے، یہاں جس کے پاس جو کچھ بھی تھا وہ سب کا تھا، سفیان کے برابر فرشتگان جس گھر سے جو بھی چیز چاہتے اس طرح حاصل کر لیتے گویا وہ انہی کی تھی۔ اس نے سوچا بابک کا اتنا احترام لوگ کیوں کرتے ہیں آخر؟ شام ہوئے ہوتے وہ لوگ تھک تھک گئے، بد صورت فرشتہ سفیان کو ایک پتھروں میں گھرے ہوئے مکان میں لے گیا۔ ایک چالیس یا پچاس سالہ عورت نے ان کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا۔ "ہمارا آقا کیسا ہے؟"

فرشتے نے جواب دیا "اچھا ہے، ہمیں تیرے حالات معلوم کرنے بھیجیے!" عورت نے سفیان کو غور سے دیکھا اور الگ الگ کہہ کر پوچھا۔ "یہ کیسا ہے؟" اسے بھی مولا کے فرشتگان میں شامل ہونے کا شرف حاصل ہو گیا ہے؟

بد شکل فرشتہ خواہ مخواہ ہنسنے لگا بولا۔ "یہ ہمارا بھائی ہے، اردبیل کے ایک مضافاتی قلعے کے محافظ حماد کا بیٹا جو ہمارے آقا کے ہاتھوں دوزخ میں جا چکا ہے اب آقا یہ جانتے ہیں کہ اگر حماد کا بیٹا یاں براہمان لے آئے تو وہ اسے اپنی طرف سے باپ کا ٹکڑا جالے کر دیں اور اس پر اپنی عنایات اور نوازشات کی بھرمار کر دیں۔"

عورت نے ہنسنے ہوئے کہا۔ "جیسے تمہارا نام کیا ہے؟"

"سفیان!" اس نے جواب دیا۔

عورت نے کہا۔ "تم ہمارے آقا پر ایمان لے آؤ، خلسے میں نہیں رہو گے!"

سفیان نے کوئی جواب نہیں دیا۔ پھر خوارق تواضع کا دور شروع ہوا اور بیڑیاں

اور مہمان دہاری کے فرائض اس عورت کی حسین و جمیل لڑکی حمدونہ انجام دینے لگی، شوخ

و ذرا بڑے ہنسیوں پر ہر وقت مسکراہٹ قائم رکھنے والی حمدونہ۔ عصمت بھی خوبصورت

تھی، لیکن شاید حمدونہ کی بات ہی کچھ اور تھی، یہ حمدونہ درجے شوخ لڑکی تھی، بات کرتی

تو ہنس کر کوئی چیز پیش کرتی تو مریا یا در خواست اور اشتیاق سے، حجاب اور تکلف

یہاں نام کو بھی نہ تھا۔ وہ ہاتھ بڑھ کر کچھ کے سفیان کو کھلاتی پلائی رہی، بھونڈی شکل

والا فرشتہ سفیان کو غور سے دیکھ رہا تھا اور حمدونہ کی بابت اس کے احساسات

اور خیالات سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

جب یہ لوگ وہاں سے رخصت ہوئے گئے تو عورت نے سر پر آشوق بندھنا

کی ہر آپ لوگ تشریف لائے گا، میں انتظار کروں گی۔

فرشتے نے جواب دیا۔ "ہاں اگر ممکن ہو سکا تو کیونکہ کچھ پتہ نہیں کہ ہم لوگ

کب تک اس قلعے میں مقیم رہتے ہیں!"

حمدونہ سفیان کے قریب آئی، بولی۔ "اگر یہاں دوبارہ آئے گا ارادہ نہ ہو تو

اپنے پاس مجھے ضرور بلا لے گا۔ میں چند گھنٹیاں آپ کی صحبت میں گزارنے کی خواہشمند ہوں۔"

سفیان نے فرشتہ کی طرف دیکھا، فرشتے نے جواب دیا۔ "بالکل بالکل۔"

حمدونہ تیزی سے آگے بڑھی اور بے اختیار سفیان کی گردن میں جھول گئی

اور اس کے رخساروں پر بوسوں کی بارش کر دی، بولی۔ "مجھے یہ انجمن پسند آگیا

ہے اور کوئی وجہ نہیں کہ میں اپنے شوق اور پسند پر پردہ ڈال دوں!"

سفیان بھی برداشت نہ کر سکا اور حمدونہ کو اپنی آغوش میں لے لیا۔

واپسی میں سفیان حمدونہ کے تصور میں گھوڑا رہا۔ شوخ اور پر جوش

حمدوند نے پہلی ہی ملاقات میں اسے اپنا گردیدہ بنالیا تھا۔ حمدوند کے تصور میں عصمہ کا خیال بھی شامل ہو جاتا۔ شریسیل لکھی گئی جیسے کہ آج جیسے رخساروں والی گم کو، سہمی سہمی اور گداز جسم والی عصمہ حمدوند سے جدا ہو کر وہ عصمہ کے پاس جا رہا تھا۔ اس نے دونوں کا موازنہ کرتے ہوئے سوچا کہ اگر اسے یہ فیصلہ کرنا پڑے کہ دونوں میں سے کسی ایک کا انتخاب کر لے تو وہ کسے مسترد اور کسے قبول کرے گا۔ بظاہر تو اسے یہ محسوس ہوا کہ عصمہ کو مسترد کر دے گا، اور رجوش حمدوند کا انتخاب کر لے گا۔ لیکن گھر پہنچتے پہنچتے ذہن اور دل پر عصمہ کی گرفت مضبوط ہو گئی، اس نے سوچا جسی عورت کا نسب کچھ اگر کسی تکلف اور روک ٹوک کے بغیر ہی حاصل ہو جائے تو ایسی عورت کا اپنی دل کشی کھو بیٹھتی ہے، اگر یہ وقتی طور پر دل و دماغ پر تسلط حاصل کر لے گی تو یہ تسلط عارضی ہو گا، انسان آخر کار اکتا جائے گا۔

گھر میں عصمہ کے بول چال بند رہی، دونوں ایک دوسرے سے کھینچے کھینچے رہے لیکن سفیان یہ بھی محسوس کر رہا تھا کہ عصمہ اس سے بات کرنا چاہتی ہے لیکن پہل نہیں کرنا چاہتی۔

رات کو سوئے سے پہلے عصمہ نے کہا: "آج تم کمرہ دے میں نہیں سوؤ گے؟" سفیان نے ہزباری سے بول دیا: "پھر؟ پھر کہاں سونا پڑے گا؟" عصمہ نے کہا: "یہاں کسے ہیں، اندھ بی، باہر رخت سردی پڑتی ہے؟" سفیان پھینکی سہمی ہنس دیا۔ بولا: "خوب نہ تمہیں آج معلوم ہوا کہ باہر سردی پڑتی ہے؟" عصمہ خاموش رہی۔

سفیان نے بول دیا: "اگر میں کہیں سو جاؤں گا تو تم کہاں سوؤ گی؟" عصمہ نے کہا: "میں بھی اندھ بی سو رہیوں گی؟" "تمہیں مجھ سے ڈر نہیں لگے گا؟ سفیان نے طنز سے بول دیا۔ "نہیں! عصمہ نے کہا: "تم نے ہر لمحے پر خود کو ایک تریف انسان ثابت کیا ہے!"

سفیان کا خیال حمدوند کی طرف چلا گیا اور وہ عصمہ سے بات چیت جاری نہیں رکھ سکا۔

سفیان نے وہ رات بھی برآمدے ہی میں گزار دی اور اسے اس بات کا علم نہ ہو سکا کہ عصمہ نے وہ رات آنکھوں ہی آنکھوں میں کاٹ دی تھی۔

غلی الصباح بد شکل فرشتہ پھر نازل ہو گیا اور اس نے بتایا کہ بابک خرمی نے اسے یاد فرمایا ہے، وہ عصمہ کے کچھ کچھ بغیر بابک کے پاس چلا گیا۔ فرشتہ اسے ایک محلے میدان میں لے گیا، جہاں دھوپ میں ہزاروں انسان اکٹھا تھے یہ شہری عوام اور فوج کا ملا جلا اجتماع تھا۔ ایک طرف شہری عوام تھے جو کھڑے ہوئے بابک خرمی کی طرح شرف تفرسمن رہے تھے، بابک خرمی کے پیچھے اور دہائی طرف مسلح پیادوں اور گھڑ سواروں کا ہجوم تھا۔ سپاہیوں کے ہتھیار آتش میں جکا جکا کر شور کر رہے تھے اور گھڑوں کے ہنہانے کی آوازیں بابک خرمی کی آواز پر حاوی آجاتی تھیں، گھوڑے پشت یا دم پر ہتھ جاتے والی شہرہ بھیلوں کو شاباش دے کر مارا ڈار رہے تھے سپاہیوں کے فولادی خود قشع کی فصیل کی چھٹی چھٹی چھٹی کی طرح گونگ پھیلے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ بدصورت فرشتہ سفیان کو ہجوم کے درمیان سے گزرا کہ بابک خرمی کے پاس لے چلا گیا۔ یہ تقریب معلوم نہیں کب سے جاری تھی لیکن سفیان نے جو کچھ سنا وہ کچھ عجیب اور چونکا دینے والا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا۔

"لوگو! فطرت کے اشارے کچھ ہیں اور خود گردیدہ انسان نہیں کچھ اور بتاتا ہے، یہ دھوپ جس میں ہم سب کھڑے ہیں، سب کے لئے ہے، بارش سب کے لئے ہوتی ہے، ہوا سب کے لئے چلتی ہے، جاندار سب کے لئے طوع ہوتا ہے اور سارے سب کے لئے کھلتے ہیں، اسی طرح کوئی انسان یہ دعوہ کر سکتا ہے کہ زمین سے جو کچھ اگتا ہے وہ کسی خاص شخص، خاص خاندان یا خاص قوم کے لئے اگتا ہے؟ کیا یہ زمین جس پر ہم انسان رہتے ہیں، جاندار رہتے ہیں، کسی خاص شخص خاص خاندان یا کسی خاص قوم کے لئے وجود میں آئی ہے؟"

مجمع میں سے شور مچا: "نہیں، ہرگز نہیں، بالکل نہیں!" بابک خرمی کی کڑک دار آواز گونجی: "پھر یہ کیا نا انصافی ہے کہ انسان انسان کے حقوق یا مال کر رہا ہے کوئی غریب ہے کوئی امیر ہے، کوئی باادشا ہے کوئی وزیر ہے، کسی کے پاس اتنی دولت ہے کہ وہ پوری قومی دعوت کر سکتا ہے، اور کوئی انشا محتاج ہے کہ خود اپنا پیٹ بھی نہیں بھر سکتا۔ خدا نے اس تفریق کو دود کرنے کے لئے مصلح بھیجے جنہیں خود غرض اور خود اپنی نسل کشی کرنے والے انسان نے ہلاک

کر دیا۔ میں بابک سے جس جسم میں جاویدان کی روح سمائی ہوئی ہے اس دنیا میں اس لئے آیا ہوں کہ انسان میں اوجھ کی تفریق مٹا دوں۔

”لوگو! وہ عنصر جو کل تک تھارے ہاں سائیس کی خدمات انجام دیا کرتے تھے، آج ہم حکومت کر رہے ہیں متحد ہو کر ہوشیاری اور دلیری سے آگے بڑھو اور دنیا سے بادشاہت کا وجود ہی مٹا دو، امیر غریب کی تفریق دور کرو، ہموار کا مستقبل علاحدہ کرو، سپٹ کی ہموار، جس کی ہموار، ان پر قابو پائے ہوئے معاشرے اور نظام کے ارتقاء اور خوشحالی کا شاید تم لوگ تصور بھی نہ کر سکو۔ ہر حال میں اسی لئے بھیجا گیا ہوں کہ انسان اور معاشرے سے ناہمواریاں دور کر دوں!“

”مجھ سے ایک ساتھ آوازیں گونجیں، روح جاویدان! ہم بھی پراسی طرح ایمان رکھتے ہیں جس طرح اپنے آقا بابک کے وجود پر!“

اس جھج کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ اس میں عورتیں بھی اتنی ہی تھیں جتنے مرد، اور یہ دونوں دوش بدوش کھڑے اپنے جوش و خروش کا اظہار کر رہے تھے، بابک نے کہا: ”ہم اپنے آباؤی قلعے بدوایس چار رہے ہیں، یہ قلعہ ہمارے نائب سنبھال لیں گے جو لوگ ہمارے ساتھ بندھنا چاہیں وہ دودن میں چلنے کی تیاری کر لیں۔“

تقریباً سبھی ساتھ چلنے کو تیار تھے، بابک نے کہا: ”میں جانتا ہوں، کچھ لوگ یہاں بھی رہیں کیونکہ اگر کبھی ہمارے ساتھ چلے گئے تو یہاں کون رہے گا؟ اس قلعے کی حفاظت کون کرے گا؟ لوگو! صبر اور ہمت سے کام لو۔ منزل زیادہ دور نہیں ہے، میں اپنے چند قدم رہ گئی ہے، اس کے بعد اس نے اپنے سپاہیوں کو مخاطب کیا، اور انہیں بتایا کہ ان کی جانبیں انسانوں میں مساوی معاشرے کے قیام کی راہ میں قربان ہو جانی چاہئیں، ان کا خون رائیگاں نہیں جائے گا، بلکہ ان کی ہڈیوں اور خون کی آمیزش سے جو عمارت تعمیر ہوگی، اس کی حدود میں آنے والی نسل انسانی آرام اور سکون کی سائیس لے سکتی، بالکل کچھو کچھ درخت کی طرح جس کا فائدہ مستقبل کی نسلیں اٹھاتی ہیں!“

سپاہیوں نے جوش و خروش میں اپنی ٹکڑیاں نیام سے نکال کر فضا میں پھرائیں اور بے شمار نیزے اس طرح بلند ہو گئے جیسے باج کے کھیت میں اس کی بالیاں۔

بابک نے کہا: ”بند کا برکت پر دفاع کرنے کے لیے کیونکہ بدیہی وہ مقام ہے جہاں سے مساوات انسانی کا آفتاب اپنی شعاعیں پوری دنیا پر بکھرے گا!“

پھر بابک کی خدمت میں فردا فردا لوگ پیش کئے جانے لگے، ان میں بابک کے مبلغین بھی تھے اور امام بھی جو اس کی تحریک کو پھیلانے کی خدمت انجام دے رہے تھے، وہ لوگ بھی جو فرشتگان کھلاتے تھے اور نامداری کے علاوہ دوسری خدمات سرانجام دیتے تھے، ان کے بعد ان لوگوں کی باری آئی جو ابھی تک خرمیہ فرشتے میں باقاعدہ شریک تو نہیں ہوئے تھے لیکن کسی حد تک رضا مند ضرور ہو گئے تھے اور یا وہ لوگ جن سے بابک کوئی خاص خدمت لینے والا تھا۔ ان آخری لوگوں میں سفیان بھی شامل تھا۔

سفیان کو دیکھتے ہی بابک نے کہا: ”تمہاری رگوں میں عرب بدوں کا خون گردش کر رہا ہے، قبائلی اور نسلی عصبیت کا خون میں چاہتا ہوں تم عصبیت کے خول سے ذرا باہر آ جاؤ!“

سفیان اس کا مفہوم نہیں سمجھ سکا۔ بابک نے اس کی وضاحت کر دی، ”تم خلافت اور بادشاہت کے خاتمے کی کوششوں میں میرا ساتھ دو، عربوں میں واپس جلاؤ اور اپنے جیسے جوش و خروش کو جو لڑائیوں کو یہ تھا کہ خلافت، بادشاہت، امارت اور حکومت یہ مفصل چیزیں ہیں، وہ سب ایک معاشرے کی تشکیل میں ہمارا ساتھ دیں، جہاں صرف انسان ہوں گے، عورتیں ہوں گی، مرد ہوں گے، بچے ہوں گے، جہاں ذاتی املاک نہیں ہوں گی، یہاں تک کمزور اور عورت کے ماننا نہ حقوق تک باقی نہ رہیں گے، زمین خدا کی ہے، انسان خدا کا ہے، عورت خدا کی ہے اور مرد خدا کا ہے، خدا کی ہر شے میں ہر انسان کا پورا پورا حق ہے!“

سفیان نے پوچھا: ”اگر سب کچھ خدا کا ہے تو بیچ میں یہ شیطان کہاں سے آگیا، دنیا کی ساری خرابیاں شیطان کے دم قدم سے ہیں!“

بابک نہایت عالمانہ انداز میں مسکرایا، پوچھا: ”تیکیا تمہیں یہ معلوم ہے کہ یہ شیطان کیا ہے؟“

سفیان نے جواب دیا: ”شیطان معلم الملوک تھا، شیطان رائدہ بارگاہِ ایزدی ہے، شیطان آدم کو جنت سے نکالنے والا نسل انسانی کا حاسد اور دشمن ہے؟“

بابک نے ہنستے ہوئے کہا: "ہاں تمہیں یہی کچھ بتایا گیا ہے لیکن حقیقت یہ نہیں ہے، شیطان خدا سے الگ کوئی چیز نہیں، بہت پہلے جب وہ اسے کائنات کی تخلیق کی گئی اور اس کو بیٹا کائنات میں وہ تنہا تھا تو خدا کو اس کی تنہائی کا احساس بڑی طرح تسالے لگا تھا، تنہائی کی گھبراہٹ میں کوئی بڑی فکر پیدا ہوئی جو بعد میں جستم ہو گئی اور ظلمت میں تبدیل ہو گئی اور اس کو جو سیول نے اہرن اور دوسرے مذاہب نے شیطان کہا خدا نے اس بڑی جستم فکر کو خود دور رکھنا چاہا لیکن اس پر قادر نہ رہا بالآخر اس کے مقابلے میں نیکیاں پلپا کر کے لگا۔ اب عالم یہ ہے کہ اہرن بڑی کو جو وہیں لا رہا ہے اور خدا نیکیوں کو، دونوں کی کشمکش جاری ہے، لیکن یہ کشمکش آخر کار ختم ہو کر رہے گی اور خراجیت جائے گا!"

سفیان خدا اور شیطان کی اس غیب و غرب تشریح سے غلط ہوا۔ بابک کی باتوں میں وہاں سے نکل بھاگنے کی صورت پائی جاتی تھی، سفیان نے سوچا بابک کے مبلغ کی حیثیت سے کل بھاگنا آسان بات ہے لیکن بابک نے اس خیال کی تردید کر دی، کہا: "پہلے تمہیں ایک سال تک ہمارے ائمہ اور مبلغین سے تربیت حاصل کرنا ہوگی اور جب ہمارے مقرر کردہ امام مبلغ اور فرشتگان تم سے پوری طرح مطمئن ہو جائیں گے تب تمہیں یہاں سے چلا جانے دیا جائے گا! پھر حکم "ہم دونوں بعد پندرہ دن ہمارے ہیں، ہمارے ساتھ تمہیں بھی چلنا ہے!" سفیان نے کہہ کئے کے لئے منتظر لگا ہی تھا کہ بابک نے دریافت کی: "اس کا کیا حال ہے جو جیسی بھوک کی تسکین اور آسودگی کے لئے تمہارے حوالے کی گئی تھی؟" سفیان نے جواب دیا: "میں ابھی خرمیدہ رسم و رواج کا عادی نہیں ہو سکا ہوں!"

بابک نے اک شان بے نیازی سے مسکرا کر کہا: "تو گویا تم ابھی تک بھوکے ہو؟ پھر تانت سے کہا: "خدا نے جسے تمہارے لئے حلال کر دیا ہے، تم اسے خواہ مخواہ خود چرا کر لو جس طرح خالی پیٹ سے عالمی کاروبار اور خدا کی عبادت و شواہد ہے اسی طرح جیسی بھوک بھی طاقت اور سکون کو تباہ کر کے رکھ دیتی ہے، بہتر یہی ہے کہ ان دونوں بھوکوں کا تذکرہ اور علاج کرتے رہو! اس سے تمہاری کام کر کے صلاحتیں بڑھ جائیں گی اور تم ایک فعال انسان ثابت ہو گے!"

سفیان ان باتوں کا کیا جواب دیتا، اس گفتگو کے دوران حمدونہ بھی وہیں بیٹھ گئی۔ اس نے پہلے تو بابک کے ہاتھوں کو لوسہ دیا پھر سفیان سے رجوع ہوئی۔ بولی: "چند دن میں تمہارے ساتھ گھر آنا چاہتی ہوں!" سفیان نے جواب دیا: "شوق سے لیکن میں دو دن بعد روج جاویدان ساتھ بند جا رہا ہوں!"

میں بھی ساتھ چلوں گی! حمدونہ اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر بہت آہستہ سہلے چلی۔ بابک نے فرشتگان کو کوئی اشارہ کیا چند فرشتے سفیان کی طرف بڑھے اور اسے مطلع کیا کہ اب وہ گھر جا سکتا ہے حمدونہ بھی اس کے ساتھ ہی چل پڑی صورت فرشتہ ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔ راستے میں اس نے سفیان کو آگاہ کیا کہ وہ ایک دو سکرٹون کا انتظام کر دیا گیا ہے سفیان کے ساتھ حمدونہ رہے گی۔ اس خبر سے سفیان کو دکھ نہ ہوا اور شدت سے اس بات کا احساس ہوا کہ وہ عصہ کی جدائی برداشت نہیں کر سکے گا۔

حمدونہ نے تشویش سے پوچھا: "یہ عصہ کون ہے؟" فرشتے نے جواب دیا: "سفیان کی محبوبہ جو ابھی تک سفیان کی شرمیل خانہ میں دو دنوں کوئی دن سے ایک ساتھ رہ رہے ہیں لیکن بدقسمت لڑکی بہنو زخوم ورنہ نہ رہا!"

حمدونہ نے سفیان کو سوالیہ نظروں سے دیکھا اور خاموشی کی زبان سے ایک ایسا سوال کر بیٹھی جا کر زبان سے کیا تھا تو اسی بلاغت بچورج ہو جاتی۔ سفیان نے جواب دیا: "عصہ کو گھر اور یہی نہیں لڑکی ہے میں وہاں جبر سے کام نہیں لے سکتا تھا ورنہ میرا دل بھی شوق سے خالی نہیں ہے اور میرے سینے میں بھی خواہشات نفسانی کا سرکش طوفان موجزن ہے اس کا نتیجہ بھی بہت جلد اندازہ ہو جائے گا!" حمدونہ تہجدہ ور کے شمس دی، بولی: "تو گویا وہ لڑکی تیب خالے کی دنیا سے نکلتی رہتی ہے!"

"یعنی؟" سفیان نے حیرت سے سوال کیا۔ حمدونہ نے ہنس کر جواب دیا: "وہ دنیا جو خرمیدہ عقائد اور معاشرے سے دور بننے والی ہے انسان آزاد پیدا ہوتا ہے لیکن بعد میں سرن شعور کو پیچھے پھینک کر خرمیدہ

روح اٹھکا اور نظریات کا غلام بنالیا جاتا ہے۔ آہ بے چارہ انسان!

حمد و نہ نے عصمہ کو اور عصمہ نے حمزہ کو غور سے دیکھا۔ عصمہ سناٹے میں آگئی لیکن حمد و نہ کھل کھلا کر ہنس دی، فرشتے نے واپس جاتے ہوئے سفیان سے کہا "میں اپنے آقا سے عصمہ کے لئے کوئی واضح حکم لے کر آتا ہوں عصمہ کے لئے جس لہجہ میں کو نامزد کر دیا جائے گا۔ میں اس کے حوالے کر دوں گا!"

جب فرشتہ چلا گیا تو حمد و نہ سفیان سے چٹ چٹ گئی اور اسکی آغوش میں بیکھر کر کوا وازی، عصمہ نے غصے اور نفرت سے منہ پھیر لیا۔ سفیان اس قسم کی بے تکلفی کے حق میں ہرگز نہ تھا لیکن حمد و نہ کو منع بھی نہ کر سکتا تھا کیونکہ ایسا کرنا آخری معاشرے کے خلاف تھا۔

عصمہ کے سب پر رنل گئی اور برآمدے میں اپنے سونے کا بندہ رست کرنے لگی۔ حمد و نہ نے سفیان کے سینے پر اپنا سر رکھ دیا اور گدی پر دونوں ہاتھ لے کر چپے کو اپنے منہ پر چھکالیا۔ اور بالوں میں انگلیوں سے گھنٹی کرنے لگی اور سوال کیا "یہ عصمہ کیسی رنک ہے؟ میں دیکھ کر برکے میں کیوں جاتی ہوں؟"

سفیان نے جواب دیا "وہ خدیجہ معاشرے کا خود کو عادی نہیں بنایا رہی ہے۔ حمد و نہ نے سفیان کا چہرہ دیکھا کہ اس کے ہونٹوں سے اپنے ہونٹ پیوست کر دیئے، ذرا دیر بعد ہوا تھا کہ لڑکی ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے ہم دونوں بڑے پرانے مشناسا ہیں تم مجھے بہت اچھے لگتے ہو!"

حمد و نہ کی باتیں عصمہ کے کانوں میں بھاری سیسے کی طرح اتر رہی تھیں اس نے یوڑی تو ہے حمد و نہ کی بات کے جواب پر کان لگا دیئے۔ وہ جانتا چاہتی تھی کہ آخر اس بات کا سفیان کیا جواب دے گا لیکن سفیان نے خاموشی اختیار کی۔ حمد و نہ نے کہا "کیا تم بھی مجھے پسند کرتے ہو؟"

سفیان نے جواب دیا "کسی حد تک!"

حمد و نہ بڑھ گئی، لڑکی کسی حد تک کا مطلب؟

"مطلب یہ کہ عصمہ بھی میری پسند ہے اور خاص طور پر اسکی مسکراہٹ!"

اس کا سہرا سہرا چہرہ دل جیسا اٹلا دیا ہے اس کی اس اور اچانک دیا جاسکتی ہے؟ سفیان کا خیال تھا حمد و نہ اس کی ان باتوں کا براہمان جائے گی، لیکن حمد و نہ ہنسنے لگی، لڑکی "وہ فرشتہ جو کچھ کہہ رہا ہے اس پر عمل نہیں ہونے دیا جائے گا یعنی یہ

مجھے یہیں ہمارے ساتھ رہے گی!"

سفیان نے بے بسی سے کہا "میں اس معاشرے کے اصولوں اور رسوم سے سراسر غفلت ہوں، فرشتے کہتے ہیں کہ میں دو عورتیں ایک ساتھ نہیں رکھ سکتا!"

"فرشتے کو سمجھ دو!" حمد و نہ نے کہا "میں خود ورتوں کی عصمہ کو، تم اس سے شاید واقف نہیں کہ اگر ایک مرد جو اور دو عورتیں تو زندگی زیادہ پر تکلف زندگی آئیزو جاتی ہے، میں اپنے ساتھ عصمہ کو بھی رکھنا چاہتی ہوں!"

سفیان نے کہا "لیکن وہ شاید اس پر راضی نہ ہو!"

"دیکھو! " حمد و نہ نے کہا "میں نے آج تک کسی بھی معاملے میں بالائی کا کام نہ نہیں دیکھا!"

رات سوئے سے پہلے بڑا بگڑا ہوا حمد و نہ عصمہ کو کبھی کبھی میں سلانا فرمائی لیکن عصمہ کسی نعمت پر بھی ایسا کرنے کو تیار نہ تھی اس ہنگامے کے دوران بدشکل ڈانگ اور حمد و نہ کو ایک گھٹنے میں سے جاکر کچھ رانکی باتیں کرنے لگا۔ سفیان عصمہ کے پیچھے اور چپکے چپکے سمجھاتا ہوا بولا "عصمہ جان جاؤ تم وقت اور حالات کی زکات پر یونہی نہیں کر سکتی، تم کو کوشش ہے کہ وہ تمہیں اپنے ساتھ ہی رکھے!"

عصمہ بھری بھی تھی سفیان کی باتوں پر رونے لگی، لڑکی "مجھے میکے حال پر چھوڑ دو یہ نہیں کہنے فرمیں اور بے غیروں میں کیس گئی ہوں!"

سفیان نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا اور اہستہ سے سرزنش کی۔

"زور سے مدت ہو۔ عصمت تم نہیں جانتیں کہ انہوں نے تمہارے لئے کیا فیصلہ کیا اگر تم مجھ سے اسی طرح کھینچنی کھینچی، میں تو وہ لوگ نہیں جیسو کہ کسی اور نوجوان کے حوالے گئے اور مجھ کو خود ہی سمجھ سکتی ہو کہ دو سال نوجوان تم سے کس قسم کا سلوک کرے گا!"

عصمت جوش سے کہا "میں خودکشی کر لوں گی، میں مر جاؤں گی!"

"یہ سب کہنے کی باتیں ہیں!" سفیان نے بالوسی سے کہا "وہ نہ یہ وہ لوگ ہیں کہ خودکشی بھی نہ کر کے رہیں گے!"

عصمت ٹھٹھٹ ٹھٹھٹ کے رونے لگی "میں جنہیں بالوس تو نہیں کیا تھا جو اس منافقہ جھوٹ کو کھلے آئے تم نے میری نجات اور غلوں کا کیا اچھا جواب دیا ہے!"

سفیان نے صفائی پیش کی "اے میں خود نہیں لایا یہ خود اپنی مرضی سے چلی آئی ہے؟"

عصمت نے کہا "اے یہاں سے دفعتاً کر دو!"

سفیان نے عبور کی کا اظہار کیا بولا "میرا دست میرے لئے ایسا کرنا ممکن نہیں
 "میں تم سے محبت کرتی ہوں" میری محبت کی خاطر ایسا کرگزرو!"

"افسوس کہ میں ایسا نہیں کر سکتا!"

"جب پھر تم نکلا اور دعا باز ہو، تو مجھ سے محبت نہیں کرتے، محض باتیں کرتے ہو!"
 اسی وقت حمد وہ والیس آگئی اور سفیان سے کہنے لگی "میں نے اس بدشاہ
 فرشتے کو اس بات پر آمادہ کر لیا ہے کہ عرصہ بھی ہمارے ساتھ ہی رہے گی اسے میرے قریب
 بلاؤ!"

فرشتہ انہیں سلام کر کے چلا گیا اور حمد وہ عرصہ کو زبردستی کسی میں لے
 یہاں دونوں اور دورات متواتر ایسی باتیں دیکھنا پڑیں جن کے لئے وہ تیار نہ تھی۔
 حمد وہ نے آقا فانا سفیان کو ایسی راہ پر ڈال دیا تھا کہ وہ کبھی سوچ بھی نہ سکتا تھا۔
 بھی راہ کو لے گئی کہ اسے بھی حمد وہ کی سی خود پسندی اختیار کرنا چاہئے، وہ خود فرزند
 کہہ میں کسی دن وہ خود بھی حمد وہ کی سی نہ ہو جائے۔

حمد وہ کی شوخیان اور جوش و خروش ایسے نہ تھے جو سفیان کے دل کو فتح نہ کرے۔
 عرصہ اب بھی دور رہی دور رہی تھی اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ عرصہ کو بڑی حد تک نظر انداز کر
 بابک کا قاتل بدروانہ ہوا تو یہ لوگ بھی قاتل کے ساتھ چل پڑے۔
 خلافت عباسی کا جرنیل افشین خرمی کی راہ روکنے کے لئے تیار ہو کر نکلا تھا، لیکن حال بابک
 افشین کو دیکھ کر اسے کہنے کے لئے میں داخل ہو گیا، اطلاع والوں نے جوش اور سرگرمی کا مظاہرہ
 کیا اور فہرہوں سے زمین آسمان ایک کر دیئے۔

سفیان کے سراج بابک کی طرف جھک گیا۔ یہ خود اسے بھی نہیں معلوم ہو سکتا تھا کہ
 عرصہ ان تبیلیوں پر دل ہی دل میں گرا رہی تھی لیکن روک نہ سکتی تھی، وہ صاف فرار کے لئے کیا تھا۔
 یہ محسوس کر رہی تھی کہ جب سے حمد وہ سفیان کی زندگی میں داخل ہوئی تھی سفیان
 جادہا تھا۔ حمد وہ کو حمد وہی سفیان جلد یا بدیر اسے مان لیتا۔ اور پھر وہ یہاں تک
 آگیا کہ عرصہ کے بھی بے تکلف ہونے کی کوشش کرنے لگا۔

ایک دن سازش کر کے دونوں نے عرصہ کو بھی کسے کسے اندر ہی روک لیا۔
 دونوں مل کر عرصہ کے سامنے غفلت کا کھیل کھیلنے لگے۔ عرصہ نے منہ چھپانے کی کوشش
 تو حمد وہ نے اسے زبردستی اپنی طرف کھینچ لیا اور سفیان کو حکم دیا "سفیان!"
 نہیں برداشت کر سکتی، میں تم سے اس وقت تک روکھی رہوں گی جب تک تم عرصہ کو گھیر کر مار کر مارتے ہوئے نہ کہتا۔ اس وقت تم دنیا کی خوش قسمت ترین لڑکی ہو اسے
 افشین پر آقا مجھے طلب کرتا!"

اس لذت سے ہلکنا نہ کر دو گئے جس سے یہ اب تک سختی رہی ہے اگر اسے تم معاف
 رو گئے تو میں اسے کسی اور فریادگار کے حوالے کر دوں گی!"

سفیان جوش اور سرستی میں عرصہ کی طرف بڑھا اور اسے بکڑ کر جو انیت کا
 مظاہرہ کیا کہ حمد وہ کو بھی ہزار آگیا وہ شروع سے آفریں سفیان کی معاون و نگار بنی۔
 جب جذبات اور خواہشات کی طرح جی بھری ہوئی ندی اتر گئی اور سفیان کی طبیعت
 بے معمول پر آگئی تو اسے بڑی مذمت ہوئی۔

سفیان بھڑکی کو دونوں پتھیلوں پر رکھ عرصہ سے ملاقات اور تصویر پر
 سفیان کے رچنے والے ساتھ پر بالترتیب عورتاں رہا، وہ اپنے کئے پر نادم تھا۔ عرصہ کی
 جہول کی آوازیں وہ بھی سن رہا تھا اور ہر بچی کی دل پر چوٹ لگا رہی تھی، سوچتے سوچتے
 وہ خود فرزند اور عرصہ کے پاس بیٹھ گیا۔ عرصہ نے ہزاروں ہنسی سسکیاں بھر رہی تھی۔
 سفیان بھی اس کے قریب ہی بیٹھ گیا۔ عرصہ نے ہر اظہار کر سفیان کو قہر کی نظروں
 دیکھا اور عرصہ سے بولی۔

"تم چلے جاؤ یہاں سے ورنہ میں تمہیں نقصان پہنچا دوں گی!"
 سفیان نے نرمی اور خیالت سے کہا "میں اپنے کئے پر نادم ہوں عرصہ اور اس
 عرصہ کے دلواریں میں سفیان کے بال بکڑ لئے اور انہیں جھکا کر لہوئی۔ میں

نہیں قیامت تک نہیں معاف کروں گی، مجھے افسوس تو اس بات کا ہے کہ تم نے جو کچھ کیا
 سفیان نے عرصہ سے مغلوب ہو کر نہیں کیا بلکہ تم نے فاش شدہ اور بددعا لڑکی کو خوش
 سفیان نے عرصہ سے کہا "تم میرے ساتھ ایک ایک بال نوچ کر کھینک دو، میں
 نہیں کروں گی، لیکن خدا کے لئے مجھے معاف نہ کرو!"

"نہیں کروں گی، نہیں کروں گی، میں نہیں سمجھتی کہ تم مجھے معاف نہ کروں گی!" عرصہ کے جو
 زمین آگیا سختی رہی اور سفیان کے بال ٹوٹتی رہی۔
 اسی دن سہرے کو حمد وہ بد صورت فرشتے کے ساتھ والیس آئی اور عرصہ اور سفیان

افشین پر آقا مجھے طلب کرتا!"

جہانے سے روک سکا تو میں یہ بھی کرگزروں گا!“

عصمتؑ ناگوار محسوس کیا۔ اس کی کوئی ضرورت نہیں!

دولوں نے لنگھادیوں سے دیکھا کہ وہ اون پر بدشکل فرشتہ دولوں ہی آپس میں بات چیت کو کر رہے تھے لیکن بار بار شک و شبہ کی نظر سے انہیں دیکھتے تھے۔
 چارے تھے۔

سفیان نے کہا: "عصمہ! خواہشات نفسانی نے تجھے سچو اخلاق جرم سے دور کر دیا ہے۔ اس پر اندام ہوں، اور میں اس کا کفار ہوں اور اگر ناجائز چاہوں کہ اگر کوئی موقع مل جائے تو میں جہنم سے نکلتا رہتا ہوں۔" سفیان نے کہا: "میں نے یہ سب کچھ دیکھا ہے۔" سفیان نے کہا: "میں نے یہ سب کچھ دیکھا ہے۔" سفیان نے کہا: "میں نے یہ سب کچھ دیکھا ہے۔"

عصے کے کہا کہ اس مضمون پر پھر بات کرونگی۔ تبہ جو کچھ کیا حسد و زور
خوش کرنے کے لئے کیا اور مجھ اسی احساس نے زیا و دلیران کیا ہے جو قہر باک کے
یاس جاؤ اور مقدمے کو اپنے حق میں جیتنے کی کوشش کرو۔ یہ فطرت تھا کہ کہا نہ تجھ
تو میں جو کچھ کرے کرتی ہوں اور شاید تجہیں ہر قیمت پر حاصل کرنے کی کوشش کروں
گی، تم خود ہی مجھے دکھاؤ کہ کتنا دوسری سے

فرشتے نے آواز دی: "بات چیت فخر کرو اور میرے آقا کے پاس چلا، یہاں پر رہو۔"

سفیان غم سے الگ ہو گیا اور حمد نے اور فرشتے کے قریب پہنچ کر بولا: "چلو جلتا ہوں!"

راستے میں حمد و ثناء سے سفیان نے پوچھا : غصہ کیا کہہ دیتی تھی ؟
سفیان نے جواب دیا : وہ کسی قیمت پر بھی تمہارے آقا کے شبستان
میں داخل ہر تیار نہیں !

خمدو نے تنگ و شبیہ سے کہا: "بات صرف اتنی سی ہی نہ ہوگی کچھ اور بھی ہو!"

سفیان نے کہا: ”جو باتیں بھی ہوئی ہیں ان کا خلاصہ یہی ہے!“
فرشتہ خاموش رہا، وہ دو لڑکیاں داخل نہیں دیتا چاہتا تھا۔
پاک نے سفیانی سے اپنا فیصلہ سنا دیا، ”عہدِ خداداد اس ملک کے شہریوں میں

گزارناپی بڑھس گی! "

مفسران نے حمد و نثر کی طرف دیکھا کہ وہ شاید اس کی سفاقت کرے۔ لیکن وہ
 ناموافق رہی۔ آخر خواص نے زبان کھولی، کہا: ”روح جہا ویلن غصہ کو مے کیے جو الے
 دیکھی ہے کیا خطبات والیں لندا اخلاقا ناما بر نہیں ہے؟“

ماہنامے ڈانٹ دیا۔ یہ کہو اس بندہ کو اس وجہ اہل نوجوان عصمتہ کیسے حوالے اس لئے کی گئی تھی کہ کچھ عرصہ خوش گوار اور پر لطف زندگی گزار لے یہ میری بھول ہے جو تو نے عصمتہ کو میری طرف سے تحفہ عاطفہ بھیج لیا۔“

سفیان نے ہاکی کے غصے کی پروا کئے بغیر کہا: ”بہر حال اب تک میں اسی غلط
 آدمی میں تھا کہ غصہ غصے کے طور پر مجھے دی گئی ہے، میں اس سے شادی کرنا چاہتا تھا۔“

بابک نے غصے میں آنسو کرہ میں شروع کر دیا۔ عطر کیا عطر، کس بات کا عطر، تو خدا کی منکرات ہے، تو نے خدا کو جھٹلایا۔ روح جاویدان کا انکار کیا۔ یہی عظمت کا اقرار نہیں کیا۔ یہ کس بات کا عطر جا بوتا ہے؟

نصفیاں نے مضبوط لہجے میں کہا: "میں غصہ کو اپنے ساتھ رکھنے کے لئے ہر وہ قدم اٹھانے کو تیار ہوں جو اس سلسلے میں مجھے سامنے رکھا جائے۔"

باک بدستور چلتا رہا تبے نیازی سے بولا: "تو چھوٹ بولا ہے، تو بتا ہے
 تو نہیں بیوقوف سمجھتا ہے یا پھر یہی بیوقوف بنا رہا ہے!"

سفیان نے جواب دیا: "میں ہر امتحان سے گزرنے کو تیار ہوں!"

”اپنے کلمات کے معنی اور مقہوم سے واقف ہونا کیا معنی میں جو کچھ کہہ رہا ہوں، خوب سوچ سمجھ کر کہہ رہا ہوں!“

بابک اپنی جگر دوبارہ جاسٹھا اور سفیان کو حکم دیا: "اتھا تو میرے
 قریب آ جا، میں تجھے ایک عہد لوں گا!"

سغیان اس کے قریب چلا گیا یہاں تک کہ دونوں کے درمیان صرف دو قدم کا فاصلہ رہ گیا اب ایک کے فرشتے اس کے پیچھے اور دایں بائیں ادب سے کھڑے تھے اب یک نے اپنا سیدھا ہاتھ سغیان کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا: اپنا سیدھا ہاتھ چڑھا

اور مجھ سے غم نہ کر کہ جو میں کہوں گا تو اس پر عمل کرے گا۔"

سفیان نے غصہ کے عشق کا بھوت سوا رکھا اس نے اپنا سیدھا ہاتھ بابک کی پتیلی کی پشت پر رکھ دیا اور کہا یہ میرا غصہ ہے سفیان! خدا کے سبط سفیان کا غصہ وہ سفیان جو خدا نون بنو عباس سے قرابت رکھتا ہے، میں غم نہ کرتا ہوں کہ اگر غصہ ہمیشہ کے لئے مجھے بخش دی جائیگی تو میں تمہاری قربات مان لوں گا؟

بابک کے ہوشوں پر بیسی آگئی۔ میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ تو عباسی فلسفہ نام باللہ کے پاس سامرا واپس جاسو اور کسی طرح اسے قتل کر کے میکہ پاس واپس آجائے! سفیان سوچ میں پڑ گیا، اسے قطعاً یہ اندازہ نہ تھا کہ بابک اس سے اتنا خطرناک کا ملینا چاہے گا وہ تو یہ سمجھتا تھا کہ بابک زیادہ سے زیادہ اس سے یہ کہے گا کہ وہ خرمیہ مذہب میں داخل ہو جائے۔

بابک نے طنز سے پوچھا یہ کیا سوچ رہا ہے؟ انکار سے پہلے ہی ضرور سوچ لیا کہ تو نے میکہ ہاتھ پر رکھ کر کیا سنا؟ روح جاویدان کے ہاتھ پر اور اس غم سے بھر جائے گا مطلب یہ ہو گا کہ تو اپنی زندگی کے دن لوگ سے چپکے سے یہاں منافقین کے لئے کوئی جگہ نہیں؟

سفیان نے سوال کیا "ہاں یا نہ کرے؟" سے پہلے میں ایک بات اور جاننا چاہتا ہوں بابک نے نفازی سے کہا تو چھو۔ کیا تو چھنا چاہتا ہے؟

سفیان نے کہا نہ میں اس غم کے غور اور سامرا واپس جاؤں گا کیا اس سفر میں غصہ میکہ ساتھ ہو گا؟

بابک کو بیسی آگئی، پروفا نہیں جس میں طنز اور تہذیب کی آمیزش تھی بولا یہ بات تم جو دیر بعد سادہ لوح توجوان ہو جاؤ مجھے عقل سے گیارہ گنا بڑھ کر آتی ہے ابھی نہیں سمجھتے کہ جب کسی معاملہ میں غور یا غصہ آجاتے ہیں تو جب تک ایک فلسفہ حق اس شرط یا غم نہ لو راہیں کرتا وہ سراسر فتنہ و شرط ہے اس کے بدلے نہیں کرتا! "

سفیان نے پریشانی ہو کر پوچھا یہ غصہ کہاں رہے گی؟

"میکہ پاس، میری تحویل میں، میکہ فرشتوں کی نگرانی میں!"

سفیان اور زیادہ پریشان ہو گیا۔ پوچھا تمہارے شبستان میں؟

"نہیں!" بابک نے جواب دیا۔ جب تک میں تمہاری طرف سے بابوس نہ ہو جاؤں غصہ میکہ شبستان میں نہیں داخل کی جائے گی!"

"اس بات کی ضمانت؟" سفیان نے کہا میں اس بات کا کیوں کر اقتدار کروں گا؟

بھڑکی شکل والا فرشتہ آگے بڑھا اور دانتا ہوا بولا "اب ادب! اور جاہل انچوائن اپنی زبان پر تیار کر لو کہ تو کیوں بھول جاتا ہے اس وقت تو روح جاویدان سے مخاطب ہے!"

بابک نے ہاتھ کے اشارے سے اسے دور ہٹے کا اشارہ کیا اور کہا "اس کا جسم قابل معافی ہے کیونکہ یہ ابھی تک میری ذات پر ایمان نہیں لایا ہے سفیان نے کہا یہ بابک! غصہ! روح جاویدان کا غم! مجھے اس پر اعتبار کرنا چاہیے، وعدہ خلافی، غم نہ سمجھتی یا فریب کاری اور دروغ گوئی میکہ شایان شان نہیں!"

حمد و نئے نواب سے سر جھکا کر عرض کیا سفیان! تمہیں روح جاویدان کے عہد اور زبان پر یقین رکھنا چاہئے اور اگر کوئی ضمانت ہی چاہتے ہو تو وہ مجھ سے لے لو!"

سفیان نے جواب دیا "میں غصہ کا تحفظ چاہتا ہوں"

حمد و نئے جواب دیا "میں سامرا تمہارے ساتھ چلوں گی، اور اس کام میں تمہاری مدد کروں گی، یہاں تک کہ اگر تمہاری جگہ مقعر باللہ کو دیتے ہیں، میں کامیاب رہی تو میں روح جاویدان سے سفارش کروں گی کہ مجھے بھی جہی کو کامیاب قرار دیا جائے اور غصہ تمہارا رکے جانے لے دی جائے"

بابک نے حمد و کو نظر رکھ کر دیکھا اور کہا "میری سچی! ان کو کتنی مخلص اور ایماندار ہے میں نے تیری تائید کی اور تیرے عہد اور ادا دے کو شرف قبولیت بخشا ہوں!"

سفیان نے کہا "پتھر ہے میں حمد و کو اس لئے ساتھ لے جاؤں گا۔ اور کوشش کروں گا کہ اپنا غصہ بڑا کر دوں، لیکن اگر میں ناکام رہا تو کبھی کسی کو اپنی شکل تک نہ دکھاؤں گا"

سفیان بابک سے جدا ہو کر حمد و کے ساتھ واپس ہوا حمد و نے چپ آگے ساتھ چلتی رہی، سفیان نے اس کے پیچھے پر غیزر عریٰ لٹکات اور پریشانی دیکھ کر سوال کیا کہ رشتہ تم کیوں پریشان ہو؟

حمد و نے جواب دیا "میری پریشانی بالکل جائز ہے جب میں یہ سوچتی ہوں کہ میں نے تمہیں لذت بخش زندگی کے بہترین لطف سے نوازا، انہو نے میری کوئی پروا نہ کی اور غصہ کے لئے تم سب کچھ کر کے تیار ہو گئے، وہ غصہ جس نے خوشی تمہیں کچھ بھی نہ دیا وہ اس خزانے کی طرح ہے جس میں وہ داخلے کے لئے اس کا قفل زبردستی توڑنا پڑی ہو، وہ جیسا فرم ہو جیسا کی ہوئی، اس میں نہیں کیا نظر کیا کہ تم روح جاویدان سے اتنا پر غم نہ کر سکتے!"

سفیان نے بھی بھی مسکرا کر جواب دیا "اس میں جو کچھ ہے وہ خودی معاشرے کی لو لکائی اور غور میں نہیں سمجھ سکیں گی۔ وہ میکہ معاشرے کے لوگ ہیں، اس کی شرم و حیا اس کا کھنچا کھنچا سنا سہا انداز قیامت ہے، اسی انداز نے تو میکہ کو جیت لیا ہے!"

۱۳۹

حمدوند نے کچھ سوچتے ہوئے کہا "میں تمہارے ساتھ چلنے اور تمہارے عہد کو پورا کرنے کے لئے اس لئے تیار ہو گئی ہوں کہ میں تمہیں کھونا نہیں چاہتی!" پھر کچھ تامل کے بعد کہا "اگر میں تمہارا عہد پورا کروں تو کیا اس سلسلے میں کچھ سے بھی ایک عہد کرونگے؟" "بولو!" سفیان نے تذبذب سے کہا یہ عہد تو نہیں کہ میں عہد کے بجائے تمہیں قبول کروں! تم سے شادی کروں!"

"نہیں یہ عہد نہیں! حمدوند نے کہا "میں صرف یہ چاہتی ہوں کہ اگر تمہارا عہد میری کوششوں سے پورا ہو جائے تو تم عہد کے ساتھ مجھے بھی اپنے ساتھ ہی رکھو گے میں تمہاری جیانی نہیں برداشت کر سکتی گی!"

سفیان نے جواب دیا "حمدوند! میں تمہیں بھی چاہتا ہوں اور میں تمہیں یہ یقین دلانا ہوں کہ تم مجھ کے ساتھ رہی ہو گی!"

حمدوند نے کسی خیال میں ڈوب کر کہا "حالانکہ میں خوب اچھی طرح جانتی ہوں کہ میں ہی مرے تمہارے ساتھ رہوں گی عہد تمہارے ساتھ نہیں رہ سکے گی۔ لیکن یہ سب کچھ جاننے کے باوجود تم سے عہد چاہتی ہوں وعدہ لینا چاہتی ہوں!"

سفیان چونک پڑا، پوچھا "یہ تم کیا کہہ رہی ہو کہ عہد میرے ساتھ نہیں رہ سکے گی۔ کیا تم یہ کہنا چاہتی ہو کہ بابا اپنے عہد سے بچ جائے گا۔ وہ عہد کو دیکھو جو اے نہیں کرے گا؟"

حمدوند امان کر کھینچنے لگی "روح جاویدان کے بائیں سے موبانہ پورا اختیار کرو۔ کہنا تو درکنار تو میں سوچ بھی نہیں سکتی کہ روح جاویدان اپنے عہد کا بچہ کچھ جانے کا خیال تک اپنے دل میں لاسکتی ہے اس لئے کچھ کہنا ہے پھر کیلئے ہے" روح جاویدان کا عہد خدا کا عہد ہے کیا خدا اپنے عہد کو بچ سکتا ہے؟"

سفیان نے زچ ہو کر کہا "پھر تم نے یہ کیوں کہا کہ عہد میرے ساتھ نہیں رہ سکے گی۔ آخر کیوں اور کس طرح؟"

حمدوند نے معنی خیز انداز میں کہا "وہ خود تمہارے ساتھ نہیں رہے گی، وہ جہیں ٹھکرا دے گی، اور تم اسے ٹھکرا دو گے، یہ ایک اصل حقیقت ہے تقدیر کا اہل فیصلہ مستقبل کا یقینی عمل ہے۔"

سفیان بریشان تھا۔ اس نے سوجا۔ بالو حمدوند بالکل ہو گئی تھیں یا پھر کوئی ایسی بات تھا جس سے وہ کسی دوسری طرح بابا کی بد عہدی سے متعلق ہو گی۔ اس نے کہا "حمدوند! خدا کے لئے معمول میں بات نہ کرو کہ تم کہنا کیا چاہتی ہو، صاف

صاف بتاؤ۔ میں عہد کے بغیر زندگی کا تصور بھی نہیں کر سکتا!"

"ابھی نہیں، پھر کبھی!" اس نے کہا "میں نے چل کر خدا اور اس کے کلام کی قسم کھا کر مجھے یقین نہ دے دلا دینا کہ جیسا ایسا وقت آجائے تو مجھے ضرور مددگار کرو گے کیونکہ اس بات کا میری ذات سے اس اتنا ہی تعلق ہو گا کہ روح جاویدان نے مجھے اس بات کا حکم دیا تھا اور میں نے اس کی تعمیل کر دی، میں نے گناہ ہوں، بے قصور ہوں!" جیسے جیسے حمدوند سہما بناؤ اختیار کرتی جا رہی تھی ویسے ویسے سفیان کا تجسس بڑھتا جا رہا تھا۔ بالآخر یہ طے پا گیا کہ وہ حمدوند کو لے کر سامان پہنچ جائے گا اور اپنا عہد پورا کر دے گا جو گا تو حمدوند اسے سب کچھ بتا دے گی۔

اب اس کے سامنے دشوار مسئلہ تھا کہ وہ بابا سے کئے جانے والے عہد کا ذکر کیوں کر کرے۔ کیونکہ اگر عہد کو وہ سب کچھ صاف صاف بتاتا تھا تو عہد معتمد ہائے قتل اور بابا کی نگرانی اور تحویل میں چلے جائے پرنسٹی رضا من نہ ہو گی، اس سلسلے میں اس نے حمدوند سے بھی مشورہ لیا۔ حمدوند نے اسے یہ مشورہ دیا کہ وہ عہد کے گول مول بات کرے جتنا بچہ گھر میں داخل ہوتے ہی آنکھ کے اشارے سے حمدوند کو ہٹا دے اور خود عہد کو ایک گوشہ میں لے جا کر باتیں کرنے لگے۔ عہدہ خاصی پریشان اور مذکورہ تھی اور دور رہی تھی کہ کہیں اسے بابا کے شبستان میں جانا ہی نہ پڑ جائے۔

عہد نے پریشانی سے پوچھا "کیا طے پایا؟"

سفیان نے زبردستی خوشی کا تاثر قائم کرنے کی کوشش کی بولا "جو میں چاہتا تھا بابا نے اسے منظور کر لیا"

عہد نے خوش ہوتے ہوئے کہا "لوگو بابا مجھے اس حدیث کے شبستان میں نہیں جانا پڑے گا!"

"ہاں اب ہم ہمیشہ میری رہو گی" سفیان نے کہا "بابا نے مجھے اس بات کی اجازت دے دی ہے کہ میں تم سے شادی کر سکتا ہوں!"

عہد خوش ہو گئی "یہ بہت اچھا ہوا۔ حالانکہ ابھی تھوڑی دیر پہلے تک میرا یہ خیال تھا کہ وہ حدیث تمہاری بات نہیں مانتے گا!"

"لیکن ایسا نہیں ہوا" سفیان نے کہا "ایک مشکل البتہ آپڑی ہے اس کا حل میں تم سے معلوم کروں گا!"

"یعنی کیا مطلب؟ عہد تیش سے اس کی صورت نکلتے گی۔"

سفیان نے جواب دیا: "وہ کہتا ہے کہ ہم دونوں فوراً ہی ہر شے اذہاج میں منسلک ہو جائیں!"

عصمت نے شرما کر گردن جھکا لی آپسے بولی: "پھر اس میں قیامت کیا ہے؟" سفیان نے کہا: "بہت بڑی قیامت ہے، قیامت ہے کہ تم اتنی ذہین اور سمجھ دار ہوئے گے باوجود اسے نہیں سمجھ سکتے کہ یہ کیا ہے؟" عصمت نے سوچ میں پڑ گئی: "ذرا دیر بعد گردن اٹھا کر بولی: "میں تو نہیں سمجھ سکتی، تم ہی بتاؤ کچھ؟"

سفیان نے کہا: "عصمت! یہ اس وقت ہم لوگ جس آبادی میں رہ رہے ہیں یہاں مسلمان کتنے رہتے ہیں؟" عصمت نے جواب دیا: "شاید ہمارے سوا ایک بھی نہیں، سبھی خرمیہ مذہب سے تعلق رکھتے ہیں!"

"اب تم ہی بتاؤ!" سفیان نے حلی سے کہا: "رشتہ اذہاج میں منسلک کرنے کے لئے قاضی کہاں لے گا؟ اسے کہاں سے بڑا اعلیٰ لگا؟" عصمت نے بھی چونک کر پڑی، بولی: "ہاں یہ فیصلہ تو کہاں ہے پھر اس کا حل تمہارے ذہن میں کیا ہے؟"

سفیان نے جواب دیا: "میں چند دواؤں کے لئے آس پاس کی مسلمان آبادیوں میں چلا جاؤں گا اور وہاں سے کچھ خواتین کو بچہ لاؤں گا! اسکی کچھ اجازت مل گئی ہے!" عصمت نے وحشت سے پوچھا: "اور میں کہاں رہوں گی؟" سفیان نے کہہ کر جواب دیا: "میں ان کے رہنے کے زیادہ مقبول انسان کے پاس میری اس سے بات ہو گئی ہے اور وہ وہاں بھی تم مت ڈرنا!"

عصمت نے کچھ سوچ کر بولی: "یعنی بابا کے پاس تمہاری عدم موجودگی میں میں بابا کے پاس رہوں گی، تم اس پر اعتبار کرتے ہو کہ میں بابا پر اعتماد ہے؟ تمہیں ہونا ہو، مجھے تو رانی برابر بھی نہیں ہیں، اس کے پاس رہ کر نہ رہوں گی!"

سفیان نے تنگ آ کر کہا: "میں کہتا ہوں کہ اس پرچہ دواؤں کے لئے اعتبار کر لو۔ وہ جہیں کسی طرح رکھے گا جس طرح ایک باپ اپنی بیٹی کو رکھتا ہے۔" عصمت نے پوچھا: "اور یہ دوا کہاں سے ہے؟" اس نے جواب دیا: "میرے ساتھ کیونکہ میں ان علاقوں سے بالکل واقف نہیں ہوں جو وہ میری رہنمائی کرے گی!"

عصمت بیٹس دی طنز سے کہنے لگی: "عورت اور رہنمائی! خوب، میں خوب سمجھتی ہوں ان باتوں کو کچھ سے صاف صاف کیوں نہیں کہہ دیتے کہ تم مجھے بابا کے خستہ ستان میں بھیج دینے پر آمادہ ہو گئے ہو اور خود مجھ کو نہ کے ساتھ رہو گے!"

ایسی کوئی بات نہیں! سفیان نے جواب دیا: "میں تمہیں کسی قیمت پر بھی نہیں چھوڑوں گا تم پھر اعتبار کرو عصمت۔ میں تو کہتا ہوں میں تم سے جھوٹ نہیں بول رہا!" عصمت کو منہ ہو کر چپ ہو رہی تھی کچھ دیر بعد پوچھا: "قاضی کی تلاش میں کیا جا رہا ہے؟" سفیان نے جواب دیا: "چاہے تو بھی جا سکتا ہوں لیکن میں چھ سات دن تمہارے ساتھ گزارنا چاہتا ہوں!"

عصمت نے بالوں سے کہا: "جیسی تمہاری مرضی، میں تو یہ سمجھتی ہوں کہ جو گھر دیاں تمہارا ہے ساتھ گزارنا میں گئی کی وجہ یہ اقلہ رہوں گی پھر ایک ملوایں جلدی ہو گئی! لاشا ہی پر مفارقت کی گھڑی ہے!"

سفیان نے تسلی دی: "عصمت! اتنی باتوں نہ ہو، میں اگر تمہیں دھوکا ہی دینا چاہتا تو اتنی باتیں ہرگز نہ کرتا بلکہ تمہیں نہایت سید رہی اور بے حس سے بالوں کی کرتا، لیکن یہ نہیں ہے بات وہی ہے جس میں میں تمہیں یقین دلانے کی کوشش کر رہا ہوں!" "خیر یہ بھی دیکھ لوں گی!" عصمت نے جواب دیا: "لیکن یہ چھ سات دن جنہیں تم میرے رونا کرنا چاہتے ہو ان میں مجھ کو نہ کہنے کا ایک بل بھی نہ ہو گا اس کا تم مجھ سے وعدہ کرو!"

سفیان نے جواب دیا: "وعدہ۔ میں مجھ کو تمہارا دواؤں گا!" عصمت پھر بھی بابا کے خیال سے ڈرے سمجھنے لگی، اسے کسی طرح بھی اس کا یقین نہ تھا کہ وہ بابا کی نگاہوں میں چلی جائے اور وہ اسے معاف کر دے اس نے دل پر عصمت پر تنہا کر لیا کہ اگر سفیان کی عدم موجودگی میں بابا کے ستا یا تو وہ پیارا و محبت کا لوگ نہ رہے گا بابا کو ٹھکانے لگا دے گی۔

بابا کے فرشتے عصمت کو لیتے پہنچ گئے لیکن سفیان نے انہیں یہ کہہ کر واپس کر دیا: "بے آقا اور بولا سے جا کر کہہ دو کہ جب میں یہاں سے جانے لگوں گا تو عصمت کو خود ہی بچاؤں گا!"

لیکن عصمت نے اس خیال سے اختلاف کیا بولی: "تم عصمت کو فوراً ہی آتاک کی لڑائی میں نہ دو کیونکہ تمہارا حق میں ہی بہتر ہے!" سفیان نے ناخوشی سے عصمت کو گھورا: "تم اس لئے کہہ رہی ہو کہ تمہیں عصمت سے ہے تم اس سے ملتی ہو دل میں اس سے نفرت کرتی ہو!"

”یہ بات نہیں ہے؟“ حمدوند نے جواب دیا ”تم مجھے غلط نہ سمجھو بلکہ بعض باتیں ایسی ہیں جن کا قبل از وقت اظہار ضروری نہیں ہے پس تم مجھے یہ لوگوں کی بہتری میں ہی ہے کہ غصہ نہ کرنا کہ ان کے حوالے کر دی جائے!“

سفیان نے غصے میں کہا ”حمودوند! تم چند دنوں کے لئے یہاں سے دفعان ہو جاؤ اور تمہیں منصوبہ کی نراکت اور خدمت سے خوب واقف ہو، معلوم نہیں میں یہاں واپس بھی آسکوں گا یا نہیں اور دوبارہ غصے کے لئے نصیب بھی ہو گا یا نہیں، اسی خطے کے اؤ تشویش کے پیش نظر میں چھ سات دن بوری طرح غصہ کروئے دینا چاہتا ہوں اور دو دن برچہ دون ایک ساتھ آرام اور سکون کے گزاریں گے تا کہ بعد میں محوئی کا احساس پریشان نہ کرے!“

حمودوند مخالفت کرتی ہوئی بولی ”لیکن میں ایسا نہیں ہونے دوں گی، پہلے تم آقا سے کہے ہوئے چند لوگوں اور اگر وہ اس کے بعد کچھ اور سوچو، تم غصہ کرو اسی وقت آقا کے فرشتے مکان کے حوالے کرو!“

غصہ بھی سفیان کی ہم خیال تھی بولی ”تم لوگ دھوکے باز اور بد دلوں کے لئے معلوم نہیں کیا منصوبہ بنا رکھا ہے!“

حمودوند نے جواب دیا ”اگر تمہارا منصوبہ تم دونوں کے خلاف ہو تا تو میرا آقا مجھے سفیا کے ساتھ برگزیدہ سمجھتا اور سفیان کے ساتھ میری جگہ کسی اور کو رو نہ دیتا، رہا نہیں آقا کے شبستان میں داخل کرنے کا مسئلہ تو یہ کوئی ایسا مشکل کام نہیں ہے تمہیں تمہاری اؤ سفیان کی مرضی اور خواہش کے خلاف نہ دینی ہی آقا کے شبستان میں داخل کی جا سکتا ہے آخر وہ کون سی طاقت ہے جس کا حال کا خوف تمام دلوں سے برابری کی سطح پر سارے آقا کو معاملہ کر کے پھینک دیا جائے؟“

سفیان نے زہری سے سوال کیا ”حمودوند! تم مجھے تو بس ایک بات بتا دو اور غصہ مجھے دور کیوں رکھنا چاہتی ہو؟ کیا اس میں تمہارا حاسدانہ جذبہ نہیں کاہم کر رہا ہے؟“ حمدوند نے جواب دیا ”مگر نہیں غصہ تمہاری ہے اور ہیشہ تمہاری رہے گی لیکن یہ بات میں پورے وثوق اور یقین سے کہہ سکتی ہوں کہ غصہ تمہیں خود ہی مست و کر دے گی تم سے اپنا ناجاہو گے تب بھی تمہیں کچھ ٹھک لے گی غصہ کرو تم سے زیادہ میں ہمتی پور سفیان اور غصہ دونوں ہی حمدوند کو باکھی سمجھنے لگے۔“

سفیان نے غصہ کرو کر کے کی ہر کوئی شہنشاہ کی لیکن ناکام رہا۔ بابک کے فرشتے

لے زہر دستی لگے اور بابک کے محل میں پہنچا دیا۔ عصر زار و قطار روتی رہی، سفیان نے کسی سے گفتگو نہ کی اور نہ اٹھ کھڑا ہوا۔ اور نہ خدا طمانان اور سکون سے دونوں کی نفسی کیفیات کا اندازہ لگاتی رہی۔

سفیان نے رات بھر سوچا۔ پہلے ایک جامع منصوبہ بنایا۔ اس نے سوچا کہ وہ پہلے بغداد چلے گا اور نانا جواد سے ملے گا۔ اور انہیں بابک خرمی کی قید و بند کی ایک دلچسپ لیکن دلچسپی داستان سنائے گا اور حمدوند کو پیش کرے کہ رہتا ہے۔ تاکہ اگر اس کی کا تعاون حاصل نہ ہوتا تو وہ بابک کی قید سے بھی نجات حاصل نہ کر سکتا۔ پھر وہ نانا جواد کے ساتھ خلیفہ سے ملے جائے گا اور حمدوند کو خلیفہ کی خدمت میں پیش کر دے گا۔ غصہ نہ کرے اس میں اور گلاز جب حوالی سینہ پر مٹے گا۔ اور جب وہ اس کے ساتھ رنگ دلیوں اور عیش و عشرت میں شغل ہو گا تو حمدوند خلیفہ کے کسی مشروب یا کھانے میں زہر ملا کے اس کا کام تمام کر دے گی اور نہایت ہوشیاری سے بھاگے کہ سفیان سے آن لے گی پھر یہ دونوں فرار ہو کر بندھیں بابک خرمی سے آن لیں گے اور غصہ کرو واپس لے لیں گے۔

لیکن ابھی یہ دونوں وہاں سے نکلے بھی نہ تھے کہ خلافت کے افشین حیدر نامی جنرل نے اپنی بہت بڑی سپاہ کے ساتھ بند کے قریب کی پہاڑیوں پر ٹوکا اور وہاں سے کا انتظام کرنے لگا۔ افشین سے کچھ سال بھی بابک کا معرکہ ہو چکا تھا لیکن یہ وہ کہ زیادہ خطرناک نظر آتا تھا۔ بابک نے بندے شکل کر نہایت ہوشیاری سے افشین کی کارکردگی اور منصوبوں کا جائزہ لینا چاہا۔ لیکن افشین کا انتظام اتنا سخت تھا کہ بابک کے لئے اس کی باریکیاں سمجھنا بہت دشوار ہی نہیں تقریباً ناممکن تھا۔ بندے کے آس پاس خنقیں کھودی جارہی تھیں اور پتھروں کے ڈھیر لگا کر حفاظت کی خاطر قطعیں کھڑی کی جارہی تھیں۔

چالاک بابک کے فرشتے سفیان کے پاس یہ سفیام لے کر پہنچے کہ وہ فوراً ان کے آقا سے ملاقات کرے۔ سفیان اسی وقت بابک کی خدمت میں پہنچ گیا۔ بابک اپنے اماموں اور شیعہوں کے درمیان گھرا بیٹھا تھا اور اگر مارگم پیش جاری تھیں، فرشتگان ادب سے ایستادہ تھے۔ سفیان کے پہنچنے ہی خاموشی طاری ہو گئی۔

بابک نے کسی جہد کے بغیر سفیان کو مخاطب کیا ”اب تمہارا دوا سامرا نہیں جاوے گا بلکہ تمہارے وفد کے ساتھ خلافت کے جنرل افشین خد سے ملے جاؤ گے یہ غریب فوج کی تمہاری جمعیت کے ساتھ یہاں آ گیا ہے اور بہت خوفزدہ ہے۔ مجھے یہ بھی پتہ چلا ہے کہ اسکی سپاہ ایک عرصے سے متوہ وغیرہ کر رہی ہے اور اچھی غذا کو ترس رہی ہے، میں یہاں

نوازی کے پیش نظر اسے پہلوں کے تحت اٹھ بیٹھا چاہتا ہوں، وہ تم سے ملنے آیا ہے اور میں نے
 کھائے پینے کا سامان بھیجیں گے کیونکہ تم دونوں اپنے اپنے فرائض کی بجائے پورے پورے میں
 بابک کا ایک شہر بھرا ہوا اور عرض کیا "افشین جب دروازہ خلافتی افواج آئیں گے
 سفر طے کر کے ان دشوار گزار کوہستانی سلسلوں تک پہنچی ہیں ہمارے گرجاؤں کو ان کی رسد نہ ملے
 روک کر انہیں تباہ کر سکتے ہیں کیا یہ مناسب نہیں ہے کہ تم کھائے پینے کی اشیاء کی ناکہ بندی
 کر کے انہیں تھکسار کے طور پر استعمال کریں؟"

"نہیں! بابک کی آواز گونجی، ہم اپنے دشمنوں کا اخلاقی حریف سے بھی متبادل کر کے
 سفیان نے دیرپا منت کیا یہ وہ وقت جب جانے لگا؟"

بابک نے جواب دیا "دونوں بعد تمہیں اس بات کا اختیار ہو گا کہ تم وہ کسے کر
 واپس آؤ یا وہیں رہ جاؤ!"

سفیان نے پریشان سے سوال کیا "میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا! غصہ کر
 کیا ہو گا؟"

"جب تک تم واپس نہ آؤ گے غصہ تمہاری امانت کے بطور میکے محل میں رہے گا!
 "لیکن تم مجھے یہ اختیار دے دے ہو گا کہ رہا ہوں تو وہیں رہ سکتا ہوں!"

"ہاں! بابا بکے تھما" تم خلافت کی فوج میں ترک کر مرنے کی ایک عظیم خدمت اٹھا
 دے سکتے ہو تم نہایت ہوشیاری اور دانائی سے فوج کے افسروں اور سپاہیوں کو یہ بتاؤ گے
 کہ خرمیہ دین میں مسادات ہے یہاں پابندیوں نہیں دینی خرمیہ میں آزادیاں ہیں عورت
 کی آزادی، شراب کی آزادی اور ہر اس شے کی آزادی جس پر انسان کا دل راض ہو اگر
 نے اس منصوبے کو ختم کر دینا چاہے دیا تو میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ ایک غصہ کیا ہے
 ساری حسین و جمیل روکیاں تمہاری خدمت میں حاضر کر دی جائیں گی اور تمہیں
 دین خرمیہ میں داخلے پر بھی مجبور نہ کیا جائے گا تمہیں تمہارے باب کے قلعے کا حفاظ بننا
 چاہئے گا اور ایسی ایسی عنایات اور ہر بابیاں کی جائیں گی کہ تم ان کا وقت سے پہلے
 تصور تک نہ کر سکو گے!"

سفیان لپٹ وپٹ میں پڑ گیا کبھی دل یہ کہتا کہ بابک کی تجویز مان لی جائے اور
 اس کے لئے یہ کام کیا جائے کبھی دل یہ کہتا کہ وہ مسلمان ہے اور ایسا کرنا اسلام کے
 خلاف غداری ہے، بہر حال وہ کسی نتیجے پر پہنچ سکا۔

سینکڑوں مالدار خزانوں سے کھینچ کر ورت کچھ بول سے لے کر ہونے تنہا
 کھڑے تھے یہ بابک کا افشین حیدر کی خدمت میں ایک جھوٹا وفد بنا رکھا تھا۔

بابک کے فرشتے کان کی جمعیت خبردار جانوروں کے ساتھ تھی، غورتوں اور مردوں
 کی ایک بڑی تعداد لے کر کوہ رخصت کیا۔ بابک کے کام وفد کے سرکاران کو کچھ ہدایات
 دے رہے تھے، حمزہ نے سفیان کو الگ لگتی اور سوگوری سے سوال کیا "سفیان! تم وفد کے
 ساتھ تنہا جا رہے ہو، ہوا سے قاتلے تمہیں یا اختیار دیا ہے کہ اگر تم وہیں رکنا چاہو تو لو کرک
 سکتے ہو کیا تم واقعی اب واپس نہیں آؤ گے؟"

سفیان نے جواب دیا "تمہارے آسمانی خواہش اور ہدایات پر وہیں رک جانا
 پڑے گا اور میں خود نہیں جانتا کہ میں واپس آ بھی سکوں گا یا نہیں!"

حمزہ نے حسرت سے بول دیا "اور غصہ کر لیا ہے گا؟"

"یہ نہیں! سفیان نے کہا "اگر کام اب اور کامران واپس آیا تو غصہ کیا وہیسی
 کا مطالبہ کروں گا اور نہ قہر کر کا فیصلہ کوئی نہیں جانتا!"

"اور میرے لئے کیا فیصلہ ہے؟"

سفیان نے جواب دیا "میں تم سے محبت کرتا ہوں لیکن ان حالات میں، میں
 کوئی وعدہ کس طرح کر سکتا ہوں!"

حمزہ نے بول دیا "لیکن میں تمہارے ساتھ چلوں اور خلافتی افواج میں تمہارے
 لئے کوئی خدمت انجام دوں؟"

"نہیں!" سفیان نے کہا "تم میرے ہم سفر نہیں انتظار کرو!"

حمزہ نے زبردستی سے کہا "تم سوچتے ہو گے کہ خرمیہ دین میں مجھے آزادی
 حاصل ہے اور میں تمہاری عدم موجودگی میں دوسرے سپاہیوں کو جو انوں سے دل
 بہلا سکتی ہوں لیکن یہ بات کسی حد تک درست بھی ہے لیکن معاملات قلب
 سمجھ میں نہیں آتے۔ دل کی خوشی اور لذت نفس بہر مرد سے یکساں نہیں حاصل ہوتی
 مجھے ترس ہے، میں تم سے محبت کرتی ہوں اور تمہاری جگہ کوئی دوسرا انجمن مشکل اور
 اتفاقی ہی سے لے سکتا ہے!"

سفیان نے حمزہ کو آغوش میں لے لیا اور تھوڑی دیر تک سینے سے لگائے
 رکھا، آہستہ آہستہ پیٹ پر ہاتھ پھیرنا، بار بار لولا "حمزہ! ایک ہی بات بار بار دہرانا
 ایسا بے معنی ہے جوئے لو انوں کا بار بار دہرانا، میں آخری بار تمہیں یقین دلانا ہوں کہ
 مجھے غصہ ہے کہ ساتھ ہی تم سے بھی ہی محبت ہے، اگر کسی وقت مجھے یہ فیصلہ کرنے پر مجبور کیا
 جائے گا غصہ اور تم میں سے کسی ایک کا انتخاب کروں تو میں پریشان ہو سکتا ہوں!"

حمزہ نے مایوسی اور رقت سے سفیان کو رخصت کر دیا۔

ہا بھی وفد افشین کی خدمت میں داخل ہوا اور اس کے آدمیوں نے انہیں اپنے
سید سالار کی خدمت میں پیش کر دیا۔

افشین نے سینکڑوں خبردار ہوا زوروں کا نظریہ جائزہ لیتے ہوئے سوال کر
”میکر دوست باہک سے مجھے یہ کیا بھیجا ہے؟“

دفتر کے سربراہ نے کہا: ”ہمارے آقا کو آپ کی تکلیفوں کا احساس ہوا کہ آپ لوگ ایک
لمبی اور دشوار گزار مسافت طے کر کے یہاں تک پہنچے ہیں اور کھانے پینے کی اشیاء کو ترسوا
رہے ہیں ہمارے آقا نے ازراہ مہمان نوازی یہ سامان آپ کے لئے روانہ کیا ہے، اور
درخواست کی ہے کہ آپ اسے قبول فرما لیں۔“

ترک سب سالار افشین حیدر وطنہ یہ ہنسی بہشتا ہوا ہوا۔ میں نے اپنے دوست
باہک کا اصل پیغام وصول کر لیا ہے۔ پھر اپنے سرداروں سے کہا: ”سنا تھا ہوا جانتے ہو کہ
سفارت کا اصل مقصد کیا ہے؟ وہ اصل میرا دوست باہک غیر معمولی ذہین انسان
حققتاً اس طرح ہمارے چھاؤنی کا جائزہ لینا چاہتا ہے۔ میں باہک کے مخالف ہوں
قبول کرنا چاہوں اور اس کی ہرمان نوازی کا جواب مہمان نوازی سے دینا چاہتا ہوں۔“
اس نے اپنے چند سرداروں کو اشارے سے قریب بلا کر حکم دیا: ”یہ لوگ جو نظام
وف کے ارکان ہیں باہک کی فوج کے جنگی ماہرین ہیں انہیں ہمارے تمام مورچے دکھا دو
افشین کے سرداروں نے حکم کی پوری پوری تعمیل کی اور وف کے جملہ ارکان
میلوں میں پھیلے ہوئے جنگی استحکامات اور مورچے دکھاتے رہے۔ یہاں لوگوں کے اندر
کے مورچے، چوٹیوں کے استحکامات، غرضیکہ ایک ایک جگہ انہیں دکھا دی گئی جب
یہ لوگ افشین کی خدمت میں واپس آئے تو اس نے باہک کو یہ فہم دیا: ”میکر دوست
باہک سے کوئی نیکار ہے اس کی زندگی کی آخری ہیم ہے اگر وہ درخواست کرے تو میرا
سے اسے سامان نامہ دلوا جا سکتا ہے لیکن اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ بندے کے دربار
ہماری سپاہ کے لئے کھول دے اگر نہیں تو پھر اپنی تقدیر کے لئے کوشش کا انتظار کرے
باجی ارکان نے کوئی جواب نہیں دیا۔ مگر وہ زوردار کارپورڈز خلی کھڑا
اور ان پرستین باہک فرشتگان وف کے ارکان کی واپسی کے منتظر تھے اسی وقت
کے اندر سے ایک لوٹا نمودار ہوا اور تیز تر قدم اٹھاتا ہوا وفد کے قریب آیا
ان کا سرسری جائزہ لیا اور سفیان پر نظر پڑا تو ہی ایک لمحے کے لئے جھپکا اس کے
بے اختیار اسے سینے سے لگا لیا اور بے ساختہ کہا: ”سفیان! میکر بیٹا!“
سفیان بھی بے اختیار چپک گیا ”نانا، میکر شفیق نانا، آپ یہاں کہاں؟“

افشین اس منظر کو غور اور تعجب سے دیکھتا رہا۔ سفیان نے باہک وفد کو
”کیا تم لوگ واپس جاؤ؟ میں یہیں رہوں گا!“

وفد واپس گیا اور سفیان اپنے نانا کے پاس افشین کی سپاہ میں رک گیا۔
سفیان کے نانا جو اپنے سے تباہکار وہ ایک مدت سے اس کی منتجو میں لگا ہوا تھا
نشان بڑے اپنی داستان سنانی اور باہک سے متعلق قابل ذکر تفصیلات نانا کے گوش
اوریں لیکن غصہ رحمہ و اور ان دیات اور عہد کا ذکر نہیں کیا جو وہ باہک کے آگیا تھا۔
یہ تو باہک کے دشمنوں سے معمولی معمولی چیزوں میں ہوں رہیں لیکن افشین نے یہ معمولی
بات اور چالاک کا ثبوت دیا اور نہایت اقداس سے رک رک کر بندے کے خلع کی طرف رجحان
پاس پیش قدمی کے دوران افشین کے کئی سردار گھڑوں سمیت زمین کے اندر غائب ہو گئے۔ افشین
پیش قدمی روک دی اور تحقیقات سے اس بات کا پتہ چلا کہ باہک نے راہ میں بہت سارے
میں کھدوا رکھے ہیں اور ان پر گھاس چوسا دیتے وغیرہ ڈال کر چھپا دیا ہے۔ افشین نے فوج
تک دس کھنڈوں کی تلاش اور پٹائی کے کارہائیں متعین کر دیا۔ یہاں بھی چھوٹی اور باہک
روکوں کے مکانات کے بلوں سے کنوئیں کھاٹ دی گئی اور افشین فوج کے ساتھ دوبارہ
نظر آ رہا وہ بندے کے قلعے میں داخلے کے لئے پہاڑی پر چڑھنے لگے، باہک نے اور ایک چرخ
بک کر رکھا تھا۔ اور اس چرخ پر ایک بہت بڑا چتر بک کر رکھا تھا، افشین کی سپاہ کو اوپر
چڑھنے دیکھ کر باہک کے حکم پر چرخ سے پتھر کا ٹکڑا ڈالیا، چٹان جیسا چتر ایک شور کے ساتھ
مکھلا ہوا افشین کی سپاہ کی طرف بڑھا۔ تھکے آئے کارخ دیکھ کر غلافی فوج اور
نظر ہو گئی۔ اور یہ چتر ایک کھنڈ میں غائب ہو گیا۔ اس کے بعد افشین کے حکم پر مسلمان تیزی
سے اوپر چڑھنے لگے۔ اور بہت جلد بندے کے دروازے پر پہنچ گئے، افشین کے خشتخوار مختلف
میلوں سے اوپر چڑھ رہے تھے اور باہک سپاہ قدم قدم پر اپنی فراغت کر رہی تھی، لمبی مسافت کی
تکلیفیں چھلے ہوئے مسلمان خونخوار درندوں کی طرح اپنے دشمن پر چھوٹ رہے تھے۔

افشین بندے تقریباً ایک میل دور ایک قلعے سے جنگ کا مشاہدہ کر رہا تھا اور فوج کے
ہر کام جاری کر رہا تھا۔ قلعے پر ایک اوستین لگی تھی، اور اس پر سین ہزار افشین کی کرسی رکھی تھی جس
پر وہ بیٹھا ہوا بندے کے قلعے کا دروازہ دیکھ رہا تھا۔ اس دروازے پر اس کی سپاہ اور باہک سپاہ
ان سخت جنگ ہو رہی تھی افشین کے قریب اس کی کرسی کے دائیں طرف سفیان کا نانا جو ابھی چھٹا
رہا تھا اور نانا کے رویہ پر سفیان غور تھا اور جنگ کا مشاہدہ کر رہا تھا۔ نظر پڑا تو سرسری نظر آ رہا
تھا کہ یہ مسلمان قابض ہو جائیں گے لیکن سفیان باہک کی ذہانت کا بھی مہوت قائل تھا اور
”ننانا، تم کو کسی وقت کوئی ایسی تدبیر کر سکتے ہیں جو جنگ کا پانسہ اپنے حق میں پلٹ

فلانخت کر سکو گے!"

سفیان ایک لمحہ ضائع کئے بغیر ایک گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ افشین کا لحاظ دستہ پہلے ہی اس کے آس پاس گھڑیوں پر سوار آکر اٹھا۔ افشین نے ہاتھ کے اشارے سے یہ لحاظ دینے کو کھنکھار دیا۔ "آؤ میکے ساتھ آگے بڑھو!"

ایک ساتھ دکان میں دھکیل دے گھر چڑھ دی گئیں اور افشین مردانہ وار بائیں دتے وقت بڑھا۔ جب یہ لوگ بابک سے قریب پہنچ گئے کہ بائیں فرشتگان کی باتیں سنائی دینے لگیں تو افشین نے نگاہ کھینچ کر گھوڑا روک لیا۔ اور اس کے ساتھ ہی اس کے لحاظ بھی رک گئے۔ افشین نے سمجھ بٹھا کر سفیان کو حکم دیا "بہنو! ان میں بابک موجود ہے یا نہیں؟" سفیان نے بابک کو پہلی ہی نظر میں پہچان لیا تھا۔ اسکی طرف اشارہ کرتا ہوا ہوا۔

"سروار! میں بابک کو پہچانتا ہوں، وہ سفید اور کالے رنگ کا گھوڑا سوار بابک ہے!" افشین گھوڑا دوڑانے کے ساتھ بابک کے سامنے لگا اور چیخ کر کہا "بابک! اپنے ساتھیوں کو چھوڑ کر آگے بڑھو۔ میں افشین خدیو تم سے باتیں کرنے آیا ہوں!"

بابک بھی ان گھوڑا اچھٹا کر افشین کے قریب آ یا باب دوڑوں سروار ایک دوسرے کے آگے سامنے کھڑے غور سے ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔ افشین نے جھلنے اور اپنے ہیرو کو بار بار دیکھتے ہوئے گھوڑے کو قواہیں لانے کی کوشش کرتے ہوئے بابک سے سوال کیا۔

"میکے دوست! تمہیں خدا صبح راہ دکھائے تم مجھ سے کیوں ملنا چاہتے تھے؟" بابک کا گھوڑا بھی اگڑا تھا اور زمین پر بار بار سر ٹکراتا تھا۔ بابک نے جواب دیا "میں خون خرابے سے نفرت کرتا ہوں، تم نے وف کے ذریعے یہ پیغام بھیجا تھا کہ میں امان نامہ حاصل کروں۔ آج میں اسی لئے تم سے ملنے آیا ہوں کہ تمھارا مان دے دی جائے!"

افشین کا چہرہ خوشی سے دھبک اٹھا۔ ہر لڑائی میں نے بار بار یہی چاہا کہ تم خلافت کا امان نامہ طلب کیے پس کون زندہ کرادو لیکن تم اس پر تیار نہ ہوئے!" "میں جگ بندی کا حکم سے دول گا اور اسی وقت امان کا مطالبہ کرتا ہوں!" "میں تمہیں امان دیتا ہوں لیکن اس شرط پر کہ تم ہمیں بندیں داخل ہوجانے دو اور یہ غلام کے طور پر اپنی جان سے زیادہ قیمتی چیزیں مکے خزانے کر دو!"

سفیان نے سوجا افشین کو منع کر کے کہ اس سے کوئی معاہدہ نہ کیا جائے، بابک کی نظریں سفیان پر بھی پڑ گئیں، اس نے ہاتھ کے اشارے سے سفیان کو اپنے قریب بلایا اور افشین سے کہا "تم کہہ دے کہ لوگ میں اور میری اس بات کی سچی گواہی یہ نوجوان ہے گا"

دے، اس عہد یاد آ رہی تھی جو نہ کی یاد تازہ تھی اس نے بابک کے لئے کوئی کام نہیں کیا تھا۔ اگر جنگ کا فیصلہ بابک کے حق میں ہوتا تو عدو و جہو نہ کو و دس فرس حاصل کرے گا؟ اور اگر وہ شکست کھا گیا تو ان دونوں کا خستہ کیا ہوگا؟ بہر حال وہ سوچ سوچ کر ریشان ہو رہا تھا۔

افشین نے سفیان کو قریب بلا کر دہراغت کیا "تمہارا کیا خیال ہے بائیں افواج کو مکمل شکست دینے میں کتنا وقت لائے گا؟" سفیان نے جواب دیا "کیا آپ اپنی فتح پر یورایقین ہے؟" افشین نے غصے میں کہا "او بزدل نوجوان! کیا بتائے کیا اب بھی ہماری فتح منہ دی پرستہ کیا جا سکتا ہے؟"

سفیان نے کہا "میں ان سے واقف ہوں یہ بہت خطرناک لوگ ہیں، ان کا بچہ پھر وچ جاوید ان رکٹ سے گا۔ اگر کسی طرح آپ لوگ قلعے میں داخل ہو گئے تو اندر بڑی خوفناک جنگ ہوگی!"

"بابک! یہ ہماری آخری جنگ ہے، افشین نے تقریباً چخ کر کہا "اس کے بعد کوئی اور جنگ کبھی بھی نہ ہوگی ہم بابک کو زندہ یا مردہ یہاں سے لے جا کر امیر المومنین کی خدمت میں پیش کر دیں گے!"

"شاید!" سفیان نے آہستہ کیا۔ اسی وقت ایک طرف سے چند مقامی لوگ افشین کو پوچھتے ہوئے اس کے قریب آئے لیکن یہ فاصلہ اتنا قریب نہ تھا یہ چند گامیوں کا ایک دستہ تھا اور یہ سب نہیں تھے اس دستہ کا سر شخص گھوڑے پر سوار تھا۔ ان میں سے ایک گھوڑا سوار دستہ سے جدا ہو کر گھوڑا دوڑانا ہوا افشین کے قریب آیا اور بکا کر پوچھا "افشین کہاں ہے؟"

افشین نے اپنے ایک سوار کو حکم دیا "اس کے قریب جا کر معلوم کرو یہ یہیں کیوں پوچھ رہا ہے؟" گھوڑی دیر بعد جواب آ گیا "بابک کا آدمی ہے بابک اپنے فرشتگان کے ساتھ سامنے کھڑا ہے اور جانب والا سے بات کرنا چاہتا ہے!"

افشین نے سفیان سے پوچھا "کیا تم بابک کو پہچان لو گے؟" "خوب اچھی طرح!"

افشین اپنی کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا اور ایک گھوڑے کی طرف بڑھتا ہوا ہوا۔ "سفیان! ایک دوسرے گھوڑے پر سوار ہوجاؤ اور میرے ساتھ چلو تم بابک کو

جو کچھ عرض ہماری قید میں بھی رہ چکا ہے۔
 سفیان بابک کی مخالفت نہیں کر سکتا تھا کیونکہ وہ جانتا تھا اگر اس نے اس بات پر
 قویہ اور جوش نہ بابک سے کیا تو وہ سفیان کو کوئی بڑا نقصان پہنچا سکتا ہے۔
 لے کہا۔ ہاں یہ گویا میں بھی فے سکتا ہوں کہ بابک چھوڑ کا بیٹا ہے۔
 افشین نے بابک سے کہا۔ جاؤ اپنے محل واپس جاؤ اور جنگ بندی کا اعلان کر کے
 قلعے کے دروازے کھول دو۔ میں اپنی طرف سے تمہیں امان دیتا ہوں۔
 بابک نے کہا۔ میں ابھی اسی وقت خانہ ان کے قریب اور غوثی رشتے داروں کو مل کر
 حاضر ہوا جاتا ہوں، لیکن یہ یاد رہے کہ تم نے مجھے امان دی ہے۔
 بابک نے جانتے جانتے سفیان سے کہا۔ تمہاری امانت محفوظ ہے جب چاہنا مجھ سے
 لے لینا۔ اچھا پھر ملاقات ہو گی۔
 بابک کے جانے ہی افشین نے بڑے دروازے کی طرف دیکھا جس میں مسلمان داخل
 ہو رہے تھے ایک غلام بلند اسے بے رحمی سے ہٹا دیا۔
 افشین اپنا دستے کے تیزی سے بند کی طرف بڑھا اور قلعے کے دروازے پر پہنچ گیا
 سفیان بھی اس کے ساتھ ہی تھا۔ قلعے میں داخل ہوئے ہی ان کی نظر اس سیاہ پرچوں
 پر پڑ گئی جو خلافت عباسیہ کی طرف سے بابک کی مخالفت اور کائنات پر لڑا دینے کے تھے۔ افشین کا
 خیال تھا کہ بابک اپنے آدمیوں کو تھوڑا ڈال دینے کا حکم دے گا۔ لیکن انسان ہوا بلکہ بڑے
 اندر سخت مزاج تھے کہ اس کا منہ نہ لڑا۔ ایک ایک دروازے پر مسلمانوں کو روکا گیا۔ افشین نے
 سپاہیوں کو حکم دیا کہ بائیں کو قتل کرنے کے ساتھ ساتھ ان کی حالتیں اور کائنات بھی لگاتے ہیں۔ افشین
 کی طرف سے بابک پر اتنا اشتیاق شروع کر دی گئی اور پوری آبادی کو آگ کی لپٹ میں لے دیا
 اسی عالم میں افشین بابک کے قتل تک پہنچ گیا۔ اور اسے جاوید طرف سے جو کچھ کہہ سکتے تھے وہ سب
 سب بے کھل کر دیکھ کر ہار سے دھلے ہو گئے۔ ورنہ محال کہ آگ لگا دی جائے۔
 بابک کے قتلے داروں نے قلعے سے غالی ہاتھ نکال کر خود کو افشین کے حوالے کر دیا لیکن ان میں
 بابک موجود نہ تھا وہ فرار ہو چکا تھا۔

بڑے قلعے کی عزائمیں ڈھادی گئیں، وہاں کے مختلف محلات اور قیہ خانوں سے
 سے ساتھ ہزار چھ سو مرد اور عورتیں افشین نے ہر گھمبہ جس جو مسلمان تھے اور بابک کے انہیں
 قید کر رکھا تھا۔ پورا قلعہ فوج کے ایک دستے کے ہر ہر سامرو اور انکر دیا گیا۔ اور افشین نے
 حکم دیا کہ جب تک وہ خود سامرا نہ پہنچ جائے ان لوگوں کو فوج کی نگرانی میں رکھا جائے
 وہ خود اپنی نگرانی میں ان لوگوں کو ان کے اصل وارتوں اور متعلقین کے حوالے کرنا چاہتا

خاف سفیان میں اتنی ہمت نہ تھی کہ وہ افشین سے وعدہ کا ذکر کر کے حوالہ دیا کہ کوئی شکر کرنا۔
 جسے جن عقیدہ مندوں اور پڑھاروں کی گرفتاری عمل میں آئی تھی ان کی تعداد تین ہزار
 تھی۔ سو تو تھی یہ واقعات ۷۷۷ھ میں پیش آئے۔
 سفیان اپنے نانا جواد کے ساتھ شکستہ و افسردہ بغداد واپس آ گیا۔ اور اپنی اندر
 ہار و کسی کو بھی نہ بتایا۔ باب و افشین کی واپسی کا بے چینی سے انتظار کر رہا تھا۔ افشین
 بابک کا چچا کرتا ہوا آرمینیا پہنچ گیا۔ بابک وہاں کے حکم سہل ابن سابط کا ہمان بنا ہوا
 تھا اور ابن سابط نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ وہ اسے روم بھیجے گا۔ لیکن اس نے بابک
 کی موجودگی سے غصہ طو اور افشین کو مطلع کر دیا۔ منصوبے کے مطابق ایک دن جب ابن سابط
 اور بابک شکار تھیلے میں مصروف تھے، افشین کے آدمیوں نے انہیں چاروں طرف سے
 گھیر لیا۔ اس وقت بابک سفید کرتے سفید عمامے میں بیٹھ رہا تھا۔ اور سر وہیں چھوٹا سا
 موزہ پہنے ہوئے تھا۔ شکاری باز بابک کے ہاتھ پر بیٹھا تھا، اس نے خود کو قیدیوں میں گھرا
 دیکھ کر سوال کیا۔ تم کون ہو؟

ایکے کھت بھیجے میں جواب دیا۔ ابوسعید افشین کی فوج کا ایک سردار!
 تمھوڑے سے نیچے آ جاؤ اور خود کو گرفتار رکھو۔
 بابک تجھ سے آ کر لڑا اور ابن سابط اور نظر ڈالی ابن سابط بھی اسی کی
 طرف دیکھ رہا تھا۔ بابک نے اسے گالیاں دیتے ہوئے کہا۔ او ذلیل انسان! لو ٹنڈی کے
 لئے! تو نے مجھے معمولی مال کے عوض ان بیوقوفوں کے حوالے کر دیا ہے۔ تجھ سے خدا بھی
 اگر تجھ سے یہ رقم طلب کرتا تو میں تجھ سے اس سے کہیں زیادہ لے دیتا۔
 ابن سابط خاموش کھڑا رہا۔ جب افشین کو اس کی گرفتاری کا علم ہوا تو وہ
 بھاگ ہوا وہیں پہنچ گیا اور بابک پر لعن لعن کرتا ہوا بولا۔ او بد عبد! کیا تو نے مجھ سے
 امان نہیں طلب کی تھی، اور جب میں نے امان دے دی تو تو مجھے دھوکا دے کر
 فرار ہو گیا۔

بابک نے نفرت سے جواب دیا۔ میں نے کوئی بد عہد نہیں کی، جب تو نے مجھے
 امان دینے کا وعدہ کیا تھا، اس وقت تیری شتمن اور بھیڑی ہوئی فوج بدمعین
 فاحشہ داخل ہو چکی تھی میں نے سوچا اس حالت میں مجھ سے امان کی خواہش کرنا
 فضول سی بات ہے۔ یہی سوچ کر میں آرمینیا چلا آیا اور لو ٹنڈی کے جتنے ابن سابط نے
 مجھے دھوکا دے کر تیرے حوالے کر دیا۔
 افشین نے پوچھا۔ تیری کوئی خواہش ہے؟

اس نے جواب دیا یہ سامرا بھیجیے سے پہلے مجھے ایک بار بند میں گھوم پھیر دینا چاہیے
افشین اپنی افواج اور ہابک کے ساتھ تہذیب و ادب آیا اور ہابک کو ایک دستے کی
نگرانی میں بند کے ٹکڑی کوچوں میں گھومنے پھرنے کے لئے چھوڑ دیا گیا، چاندنی رات میں
ہابک اپنے محلات کے آس پاس بھرتا رہا۔ جن میں سے بیشتر حلا دیئے گئے تھے، یہیں اس
نے اپنے پرستاروں کی لاشیں پڑی دیکھیں جو سرنگر رہی تھیں۔ اور یہیں اس نے اپنے
پیروں کے مکانات دیکھے جو کھنڈرات میں بدل دیئے گئے تھے ہابک ایک آنسو بہانے
بغیر یہ سارے مناظر دیکھتا رہا اور صبح ہوئے تو افشین کے پاس پہنچ گیا۔ افشین اسے
لے کر سامرا روانہ ہو گیا۔

ہابک کو دیکھنے کے لئے پورا سامرا اور اس کے پاس پاس کی آبادیاں اسٹنڈ
آئیں، خود خلیفہ مقعر بالثا سے دیکھنے لئے پہنچا تھا۔ آخر یہیں بدل کر ایک عام
آدمی کی طرح اسے دیکھنے پہنچ گیا جب اسے ان لوگوں کے سامنے سے گزرا گیا جو اس کی
قبیلے سے بارگرا کے لائے گئے تھے تو وہ ہابک کو گرفتار دیکھ کر کھوٹ کھوٹ کر رونے لگے
افشین نے انہیں ملامت کی، کہا: "بجائے اس لئے کہ تمہیں ہابک نے تمہارے
عزیزوں سے چھوڑا دیا ہے اور اپنی قید میں رکھ چھوڑا ہے، لیکن اب اس کی گرفتاری
پر اتنو ہراسے ہو؟"

انہوں نے ایک زبان ہو کر جواب دیا: "لیکن یہ ایک بہرہ یار شخص تھا اور
اس نے ہم پر احسانات بھی کئے ہیں!"
افشین نے ان پر غصہ بھیجی۔

سفیان اور نانا جو ابھی سامرا پہنچ گئے اور ہابک کو دیکھنے کے لئے قصر منظرہ
میں داخل ہوئے کیونکہ خلیفہ کے حکم پر ہابک کو یہیں رکھا گیا تھا۔ ہابک نے سفیان کو
دیکھا تو غصہ سے منہ پھیر لیا سفیان نے کہا: "تو نے منہ نہ مات سے پھیرا ہے یا
کسی اور سبب سے؟"

ہابک نے جواب دیا: "تو نے مجھ سے جو عہد کیا تھا اسے پورا نہیں کیا، اب تو
ہی تباہ نہ مات اور شرمگاہ سے منہ پھیرنا چاہئے، مانجھے تو نے مجھ سے بدعہدی ہی چاہی
سفیان نے اسے برا بھلا کہا اور اس کی طرف کھینچے ہوئے کہا: "تجھا اپنے اس
خوشامناسیوں کر ناپا چاہئے، تو غلط لاؤ پر تھا۔ اس لئے خدا نے تجھے دلیل کیا اور یہ بُرا
دن دکھایا!"

"تو جھوٹا ہے!" ہابک نے جواب دیا "میری گرفتاری اور قید و بند کا یہ طلب
۱۵۴

چھوڑ نہیں کر میں بارگرا، سچ کی فتح کبھی ہوتی ہے، اور جھوٹ اکثر فاجعہ رہتا ہے، اگر
ایسا نہ ہوتا تو ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر بھیجے جاتے!"

سفیان نے نانا سے نظریں پکڑ کر کہا: "عصہ کہاں ہے؟"
"مجھے کیا پتہ؟" ہابک نے جواب دیا "ان امیروں میں وہ بھی شامل ہو گی جو
افشین نے مجھ سے پہلے ہی سامرا روانہ کر دیئے تھے!"

سفیان اس سے یہ پوچھنا چاہتا تھا کہ عہد کے ساتھ بددیانتی تو نہیں ہوئی
لیکن اس سوال کے لئے مناسب الفاظ نہیں ملے تھے، ہابک نے خود ہی کہا: "تو نے
مجھ سے بدعہدی کی جس کا مجھے پہلے ہی علم تھا لیکن تو یہ نہ سمجھ کہ میں نے تجھے معاف کر دیا ہو گا
میں نے تجھے ایک ایسی سزا دی ہے کہ جب تو اس سے واقف ہو جائے گا تو اپنا سسر
دیواروں سے لکھتا ہوا سہرے گا اور زندگی بھر خون کے آنسو روتا رہے گا!"

سفیان کا دل دھک دھک کرنے لگا۔
دو سے دن صبح جمعرات کے روز ہابک کو پھر بھی کرغرض آتشہ گھمایا
پھر ایسا، ہزاروں آدمی اسے دیکھنے کے لئے ٹرکوں پر رکھ لائے تھے۔ ہابک کو دساک
تھا اور تیسری گول ٹوپی پہنانے کے لئے شہر میں گھمایا پھر ایسا اس کے بعد ہابک کو
مقعر بالثا کے دربار میں لے گیا، خلیفہ نے اسے اپنے قریب تخت پر بٹھایا اور اپنا
تاج ہابک کے سر پر رکھ دیا اور کہا: "اسی خواہش تھی تجھ اب تک سرگرداں رکھا تھا
آج میں اسے پوری کئے دے رہا ہوں!"

ہابک نے جواب دیا: "نہیں تاج و تخت کی خواہش بادشاہوں کو ہو کرتی ہے
اس کی جگہ کبھی بھی خواہش نہیں رہی، میں چاہتا تھا، وہ ہر انسان چاہتا ہے مساوات،
آزادی، سچے کالوں بالا اور باطل کی موت!"

خلیفہ نے کہا: "لیکن تو گڑھ تھا تو نے ایک عظیم فتنے کو جنم دیا!"
ہابک نے بے باکی سے جواب دیا: "سچ سب سے بڑا فتنہ ہے جو اپنے داعیان
کو ہلاک کر دیتا ہے!"

خلیفہ نے دربار میں موجود قصابی کو حکم دیا: "اس کے ہاتھ پر کاٹ دیے جائیں"
قصابی نے ہابک کو تخت سے کھینچ کر چھینے کر دیا اور دھڑلے سے اس کے دونوں
ہاتھ کاٹ دیئے۔ ہابک خنجر مار کر گر گیا۔ قصابی کی دوسری ہاتھ پر پڑیں اور دونوں
ہاتھ کاٹ کر الگ کر دیئے گئے۔

اس کے بعد خلیفہ نے حکم دیا: "اب ذبح کر دیا جائے"

قصائی نے بابک کو اپنے گھٹنے میں داب کر حلق پر گھڑی پھیر دی اور بعد میں پیٹ چاک کر کے آتھیں باہر نکال لیں۔

درباری امرا اور نوابین اس دل دوز منظر سے بے لطف اندوز ہوتے رہے۔ خلیفہ نے کہا: "فنا فی النار سقا!"

گرفتار ورتوں اور مردوں کو ان کے وارثوں اور ولیوں کے حوالے کیا جانے لگا سفیان ان میں عصہ کے تلاش کرنا پھر رہا تھا لیکن وہ کہیں نظر نہ آئی۔ جب تھک باہر کر مایوس اور ناکام ناناکہ کے پاس واپس پہنچا تو وہ بہت خوش نظر آئے اور سفیان کو دوا کر کے لگایا۔ بولے: "تو کہاں تھا سفیان؟ خدا کو کتنا مسدب الاسباب اور بچوں کو کو ملائے والے! ایک ایسی بیٹی جس کی ملاقات کا میں دل میں خیال نہ کر سکتا اتفاق سے مل گئی ہے، بابک بہت ظالم انسان تھا، چل میسے ساتھ اندر چل دیکھ میں تجھے کس سے ملا ہوں اس سے مل کر تیری روح خوش ہو جائے گی، پہلے میں یہ دیکھوں گا کہ تو اسے پہچانتا بھی ہے یا نہیں!"

نانا جواد کی باتیں اس کی سمجھ سے بالا تھیں، جب وہ اندر جانے لگا تو اسکی پہلی ملاقات حمدوند سے ہو گئی حمدوند دروازے سے مل گئی اس کی آمد کی منتظر تھی، اس نے سفیان کو روک لیا اور کہا: "سفیان! میں نے تمہارے ناناکہ بایں سن لی ہیں اور میں تمہیں یہ یقین دلانا چاہتی ہوں کہ میں نے قصور یوں جو چھوچھو ہوا وہ ہمارے آفاقی مرضی اور حکم پر ہوا تھا کیونکہ وہ یہی چاہتے تھے!"

سفیان کا دل دھڑک رہا تھا اور یہ باتیں اسکی سمجھ میں نہیں آ رہی تھیں! نانا جواد نے پیٹ کر سفیان کو دیکھا اور کہنے لگا: "اسے وہاں کہاں روک گئے! آؤ یہ پاس، میں تمہیں عصہ کے ملانا چاہتا ہوں وہ عصہ جسے تمہاری منگ نہیں! اس کے بعد نانا جواد نے اسے عصہ کے روبرو لے جاکر کھڑا کر دیا عصہ نے اسے دیکھ کر منہ لیرا اور گھٹنوں میں منہ دے کر رونے لگی سفیان نے مانا اسے کہ تو یہ جاکر ہوا اور اس کا ہاتھ پکڑنا چاہا لیکن عصہ نے ہاتھ جھٹک لیا اور بھاگ کر دوڑ کر چلی گئی۔

نانا جواد یہ تماشا حیرت اور تجسس سے دیکھتے رہے پھر سفیان سے پوچھا: کیا تم عصہ کو پہچانتے ہو؟

جب سفیان نے یوں ہی انکار میں گردن ہلا دی تو نانا جواد نے فرط حشر میں عصہ کا تعارف کرایا۔

"سفیان! تیرا باپ حماد جن دو بچوں کو چھوڑ کر بابک کے ہاتھوں قتل ہوا تھا۔ ان میں سے ایک رعبہ ہے، تیری بہن عصہ! افسوس کہ تیرا بھائی عرفان بابک کی سختیوں کی تاب نہ لا کر انٹہ کو پورا ہوا رعبہ افسوس نے جب یہ بتایا کہ عصہ نامی ایک لڑکی اپنے ورثا میں تمہارا نام لیتی ہے تو میں نے لینے پر غصہ کیا اور جب عصہ نے اپنا تعارف کرایا تو میں خدا کی قدرت کا دل سے قائل ہو گیا عجیب اتفاق ہے، عجیب واقعہ ہے!"

سفیان گنگ ہو کر رہ گیا۔ دل زور زور سے دھڑک کر نکلنے لگا اور کھلی ہوئی آنکھیں گویا اپنی بصرات کھول بیٹھیں۔

نانا جواد عصہ کے پاس دوڑے کہ میں چلے گئے حمدوند آہستہ آہستہ قدم اٹھائی سفیان کی پشت پر گھڑی ہو گئی۔ شاہ نے بر

ہاتھ رکھ کر بولی: "میں نے قصور یوں بالکل بے قصور میں نے نہیں پہلے ہی بتا دیا تھا کہ تم عصہ کے ساتھ نہیں رہ سکتے۔ تمہیں ہوا اور میسے ہی ساتھ رہ سکتے ہوا!"

سفیان نے پلٹ کر استبداد آنکھوں سے حمدوند کی طرف دیکھا اور پھر صفائی آواز میں کہا: "اب کیا ہو گا حمدوند؟"

حمدوند نے جواب دیا: "جو کچھ ہو چکا ہے اسے بھول جاؤ اور مجھے لے کر بند واپس چلاؤ ہم وہیں رہ سکتے ہیں اور کہیں نہیں!"

سفیان نے حمدوند کے منہ پر عمل کیا اور کسی نہ کسی طرح بذی قلعہ داری کافر مان حاصل کر لیا۔

نانا جواد جب تک زندہ رہے یہی کوشش کرتے رہے کہ سفیان بندے واپس آجائے

لیکن وہ لہو داد واپس نہیں گیا۔ شوخ و طراز حمدوند نے سفیان کا دل قابو میں لے لیا لیکن اسے جب بھی عصہ کا خیال آتا تو اس کا دل یہ حقیقت ماننے پر تیار نہ ہوتا کہ عصہ اسکی حقیقی بہن ہے، وہ سوچا کہ اگر عصہ اس کی واقعی حقیقی بہن ہے تو پھر اس کے دل میں کبھی بھی اس کی یاد کے ساتھ ایک چپکسی کیوں ہوتی ہے؟ ہو کہ سی کیوں اٹھتی ہے؟ رہے رہے اس کا دل کیوں بھڑک اٹھتا ہے؟ لیکن یہ ایک ایسا سوال تھا جس کا وہ زندگی بھر شفائی آمیز جواب نہ پاسکا۔



[illegible]

دریائے گجھما اور کرشنا کے دو آبے میں سطح سمندر سے ڈیڑھ ہزار فٹ کی بلندی پر
امیر علانی کا قصر میلوں دور سے دکھائی دیتا تھا، جہاں پور کا یہ حصہ جہاں یہ قصر کھڑا تھا،
قدیم مندروں اور عمارتوں سے گھرا ہوا تھا۔ علانی امیرانِ صدہ سے تعلق رکھتا تھا، جہاں پور
کی یہ جگہ اسے اتنی پسند آئی کہ اس نے یہیں مستقل اقامت اختیار کر لی اور نہر کی کثیر صرف
کے اپنے لئے سنگ صفاق سے یہ محل تعمیر کرایا، اس کے گرد اگر دمضبوط پتھروں کی دیواریں
کھڑی کر دی گئیں، اس سنگین چہار دیواری کے اندر دو درک کنارے کنارے خدمت گاروں اور
باباہیوں کے لئے رہائش گاہیں اور ہیرکیں بنی ہوئی تھیں، درمیان میں منبر اور پھولدار درختوں
کا تختہ تھا، اس حد سے گزر کر ایک پھاٹک کی راہ سے آپ اس حصے میں داخل ہوں گے، جہاں
امیر علانی کے عزیز واقارب رہتے تھے، پھر ایک مسجد ملے گی، مسجد سے ملحق سنگ مرمر سے زیادہ
نرم و نازک اور سفید پتھر کا وہ قصر ہے جس میں امیر علانی رہتا تھا۔

امیر کی طبیعت میں تلون اور بے قراری بہت زیادہ تھی، احساس برتری مرض کی حد تک داخل تھا۔ اس کے لئے یہ مشہور تھا کہ وہ اپنی تلون مزاجی اور بے چین طبیعت کی وجہ سے کسی بھی عورت سے پائیدار محبت نہیں کر سکتا۔ حسین سے حسین عورت آتی اور کچھ ہی دنوں بعد طبیعت سے آتر کر یا تو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے کہیں غائب ہو جاتی یا پھر کسی خدمت گار اور مغرب بارگاہ کو بخش دی جاتی۔ حسین عورتوں کی سوا ریاں جب قصر میں داخل ہوتیں تو خدمت گاروں اور سپاہیوں کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ جاتی جو ذرا متقی ہوتے دل ہی دل میں افسوس کرتے کہ درندہ ان بخار یوں کے دامن عصمت کو بھی چاک کر دے گا، جوان تماشوں کو دیکھنے کے عادی ہو چکے تھے اور خود بھی حسین عورتوں کے لئے ہوا و سوس رکھتے تھے دعائیں مانگ مانگ کر دن گزارتے کہ خدا کرے ان میں سے ایک آدھ انہیں بھی النعام میں عطا ہو جائے۔

امیر علانی کے ناموں کی طرح اس کی سفاکی اور بربریت بھی مشہور تھی خفگی اور

نادمی کا اظہار عمر کا قتل کی صورت میں ہوتا تھا اس کی سزا ہلاکت کا اور مقدمہ میں بارگاہ نہایت ہوشیار دی جالاکا اعلیٰ درجے کی چابو سی میں شب و روز گزارتے تھے۔ لیکن تھا اس کی سزا اور بریت کا خوف لوگوں کو اس سے دور کر دیتا لیکن امیر علائی میں کچھ ایسی خوبیوں بھی تھیں جو کوشش کرتی تھیں جس پر مہربان ہوتا تو قلعے سے زیادہ نواز دیتا اس نوازش میں مال دولت اور زر جو ابیری کی قید نہ تھی جہن جہن عورتیں تک تقسیم کر دی جاتی تھیں۔ دشوار گزار سپاہیوں میں گھرا ہوا قلعہ علائی بظاہر بخلت حکومت کا باؤنڈا ارجھا لیکن اپنے جملہ معاملات میں آزاد اور خود مختار تھا امیر علائی کی سواری اس ترک و اقتصاد سے گزرتی جس طرح شاہوں کی سواریاں گزرتی تھیں اس کی رعایا گزرگاہ کے آس پاس اسے ایک نظر دیکھنے کے لئے گنگوٹل کھڑی رہتی اس میں ان کی خوشیوں کی جگہ جبر اور خوف کو زیادہ دخل حاصل ہوتا۔

حرم سرا کے گرد بنی ہوئی غلام گردشوں میں مسلحہ خواتین گشت نگاہ کرتی تھیں۔ بڑے بڑے تار اور گھیرے درختوں کے درمیان سے علائی کی سپاہانہ سواری گزر رہی تھی۔ جلیں خوفناک تیرہ بردار اور بھیجا تک تلوار ہارائیں شمشیر میں لہراتے ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔ امیر علائی کی نظریں ترک کے کنارے کھڑے ہوئے تھا شاید اس پر دہشتیں ان میں روجی تھے اور عورتیں بھی۔ ایک ایک امیر علائی کا داینا باغ تھا ان کا ورثہ کرخت چپکے پر مسکا ہٹ نمودار ہوتی، وحشت ناک چروں والے فدام ایک دم مستعد ہو گئے اور ان کی نظریں امیر علائی کے اٹھے ہوئے ہاتھ پر لپکتی تھیں۔ ہاتھ کو حرکت ہونے اور لگلا کا ایک پھول ہوا میں اڑتا ہوا ایک دو شیرہ کے سر پر جا کر اُترتا دوڑے اور اس دو شیرہ کو زبردستی بیچ سے کھینچ کر امیر علائی کے رتھ تک لئے بیٹھے تھے سبھی ہوئی خوفزدہ اور آہ و بکا کرتی ہوئی دو شیرہ کو زبردستی امیر علائی کے آؤٹرو میں ڈال دیا گیا۔ بیچ میں مہولی سے خوفزدہ اور سہمی سہمی سی پھیل پھی اور پھر ایک دو شیرہ کے دلوانہ وارا میر کے رتھ کی پشت پر لٹا اور لگلا پھا کر چلایا تو عالم امیر امیری پھیل کر چھوڑ دے یہ باپ ہے!

یہ جتنے تیرہ وہ رتھ کے سامنے آگیا۔ رتھ بان کو کچھ تامل ہوا لیکن امیر علائی انکھ کے اشارے سے حکم دیا "وہ جارہی ہے!" گھر کے رستم اور رتھ کے پیچھے بڑھکے سینے کی چوٹیوں کو کوٹھڑے اور پست کی تانوں میں ڈوبتے ہوئے آگے لڑھکے ایک کرناک طویل جینے گھٹتی ہوئی دو دنگ چلی گئی۔

میر علائی نے لطف اندوز ہو کر قہقہہ لگایا۔ آپ ہی آپ کینے لگا کہ بے وقوف یہ بھی نہیں ہوتا کہ رتھ کے آگے لپکے گا کیا انجام ہوگا! پھر آسمان کی طرف دیکھا ہوا بولا "وہ العالمین" عالم الغیب ہے۔ تو خوب جانتا ہے کہ اس بوڑھے کو ہم نے نہیں بلکہ آپ اس نے خود کشتی لے جا اور خود کشتی کرنے والوں کا ٹھکانا بنے جہنم ہے!"

جب وہ لڑکی کو لے کر خلسہ میں داخل ہوا بہت خوش تھا لڑکی اب بھی مسکاتی تھی۔ علائی نے کمرہ خاص کی سہری چھوڑ کر سہری ہوئی تھی اسے سہری کے سامنے لپکا کر لڑا کر دیا گیا۔ چاروں طرف آئینے ہی آئینے لگے ہوئے تھے اور ان میں ان سب کے چہرے بیکڑوں کی تعداد میں نظر آ رہے تھے۔ علائی نے لڑکی کے سراپا کو غور سے دیکھا۔ وہ مجسمہ سن و نور تھی بیٹھوی چہرہ سرخی مائل سفید رنگ، بادم جیسی شریکیں پیار آئیں، عمر سولہ سترہ کے لگ بھگ، گرجے جیسی شہی کشادہ سینہ اور اس کی انجان مائل پر واز جیسی رونق شانول کے درمیان گردن گویا مڑی کے منہ پر جیسی اور دلکش خدو خال کا چہرہ رکھ بائی تھا۔ گمگم سیاہ بال، احد سے زیادہ گھنے اور دلشتم جیسے نرم و ملائم، چپکے میں شش درجا ذہنیت ایسی کہ سرگواریت نے اسے اور زیادہ دلکش بنا دیا تھا۔ مجلس کی غور توں اسے چاروں طرف سے گھیر لیا تھا۔

امیر علائی نے اس سے کہنے کے لئے کو اگلوں کی مدد سے اوپر اٹھانا چاہا تو لڑکی نے غصے میں تھوڑی کو ایک طرف ہٹا کر ہاتھ کو جھٹک دیا۔ علائی نے غور توں کے سامنے اپنی سخت ہنگاموں کی۔ نفرت سے بولا "لڑکی تو بہت بیوقوف معلوم ہوتی ہے، تجھے تو اس پر غور کرنا چاہئے کہ تجھے امیر علائی نے پسند کر لیا ہے" لڑکی نے شہلہ بار آنکھیں اوپر اٹھائیں اور میں میں کرتی آواز میں جواب دیا "تم ظالم ہو، تم مسیری مرضی کے خلاف زبردستی یہاں اٹھو لانے ہو، تم علائی نے اسے ڈانٹا " زبان بند کر گستاخ لڑکی۔ ہم اس علاقہ کے امیر ہیں اور تم سب ہماری رعایا ہو، تم تمہاری جان و مال کے تصرف پر اختیار نہیں رکھتا؟"

لڑکی اس کی منطقی باتوں کا مفہوم سمجھ نہ سکی، بلکہ ہلک کر رونے لگی۔ "ہاں! میں یوں بدعہ ہوں، میرا باپ گوتم کا رستہ رتھا اور میں اپنے گوتم کی ادنیٰ اسی ہوں، تم پر یقیناً گوتم کا غضب نازل ہو گا اور تم اپنے اگلے جہنم میں بڑی

”بڑی عیبتیں چھیل گئے!“

غلانی نے اس کے رخسار پر زور دار طمانچہ جڑ دیا اور غور توں کو حکم دیا
”اے دلہن بنا دیا جائے!“

لڑکی بجلی جھلسی لیکن کئی عورتوں نے اسے جکڑ لیا اور حمام میں لے چلیں
نہلا دھلا کر دھن بنانے والیوں نے اسے سمجھا یا کہ اس کی کشمکش اور غم
شکے کا کوئی نتیجہ نہ لگے گا، امیر غلانی اسے معاف ہرگز نہ کرے گا، بہتری اسی پر
ہے کہ حالات سے مقابلتہ کر لی جائے۔

اسے بنا سنوا کر چھوڑوں والی مسہری پردھن کی طرح بچھا دیا گیا۔ تمام
عورتیں جی گئیں بس ایک عورت رہ گئی یہ عورت بھی کچھ خوبصورت نہ تھی، لیکن
عمر زیادہ تھی۔ وہ بہت اداس تھی، بار بار ہونٹوں میں ہلکی سی لرزش ہوتی اور
وہ کچھ کہتے کہتے رک جاتی۔ لڑکی بھی تھک بار کر چب ہو رہی تھی اسے بہت جلد
کا احساس ہو گیا تھا کہ یہاں خوشکشی بھی نہ کی جاسکتی تھی۔ اس نے خاتون کے
ہونٹوں کی لرزش محسوس کر لی۔ بے تحاشک پوچھ بیٹھی، ”آپ مجھ سے کچھ کہتے
چاہتی ہیں۔“

”ہاں۔ لیکن۔ نہیں؟“ وہ بوکھلا گئی تھی، ”میں تم سے کچھ بھی نہیں
کہنا چاہتی!“

”پھر یہ آپ کے ہونٹوں پر ہلکی ہلکی لرزش کیوں رہتی ہے؟“

خاتون نے غجڑ کر ادھر ادھر دیکھا اور سرگوشی میں جلدی جلدی کہنے لگی
”تیرا نام کیا ہے؟“

لڑکی نے جواب دیا، ”ناگلا!“

”ناگلا!“ اس نے نام زبردست دہرایا، ”تم بہت خوبصورت ہو۔ یہاں تم
کئی سال تک عطفہ لے سکتی ہو میں بھی تمہاری پی عمر کی تھی جب یہاں لائی گئی تھی۔
بالکل اسی طرح، جس طرح تم لائی گئی ہو۔“

ناگلا جھٹکی باندھے خاتون کو دیکھتی رہی۔ خاتون کہنے لگی۔ امیر غلانی کی آمد
سے پہلے میں چند باتیں تجھے ضرور بتا دینا چاہتی ہوں۔ امیر بڑی متفاد طبیعت
دیکھتا ہے۔ حدود درجہ غازی اور حدود درجہ ظالم اور خودخوار۔ کوئی نہیں جانتا کہ
امیر غلانی کی شکل کب کسی کی موت اور ہلاکت کا سبب بن جائے۔ بیچنے پر
142

آتا ہے تو خزانے خانی کر دیتا ہے اور جب نجل بر آتا ہے تو تانے کا ایک سکہ تک
نہ دے۔ تمہیں چاہیے کہ امیر کا دل جیتنے کی کوشش کرو۔ وہ صلے میں تمہیں
امتناواز دے گا کہ تم اس کا قصور تک نہیں کر سکتیں!“

ناگلا نے شدت کرب سے ہونٹ پیچھے لئے اور آنکھ میں ایناٹکس دیکھتی
ہوئی بولی، ”مجھے دولت نہیں چاہیے۔ میں تودہ ہوں۔ گو تم نے کہا تھا کہ خواہش
نفسانی کی جڑ مایا ہے اور مایا دھوکا ہے!“

خاتون نے ناگوار سی سے کہا، ”لڑکی ہمارے پاس تیری فضول اور خیالی
باتوں کے لئے ذرا بھی وقت نہیں، یہیں تو بس اتنی بات معلوم ہے کہ امیر تجھ سے
جو کچھ لے گا اس کا معقول معاوضہ بھی ادا کر دے گا وہ مذہب اور اس کی شریع
کا بہت با پند ہے اور یہ کہ تم یہاں سے نکل نہیں سکتیں، حالات سے سمجھو تا کر کے
پنسی خوشی دن گزارنے کا فیصلہ کر لو۔“

اسی لمحے آٹھ ہونٹ اور نضا خوشبو سے معطر ہو گئی۔

خاتون نے پلٹ کر دیکھا اور امیر غلانی خیا لوں میں غرق آہستہ آہستہ ناگلا
کی طرف بڑھ رہا تھا۔ خاتون باہر چلی گئی اور امیر غلانی دھن کے قریب کچھ کر سار
دخوت کی باتیں کر لگا، اسی باتیں نہایت گہر و تار اور متکبرانہ تھیں۔ حاکمانہ انداز
میں نوازشوں کی بارش کا وعدہ کیا۔ اور سرکشی اور لغات کی صورت میں بھانک
اور عبرتناک عذابوں کی دھمکی دی۔ لیکن سخت دل اور فدیہ پران ناگلا پران کا ترقی
اثر نہ ہوا۔ بے خوفی سے بولی، ”امیر! میں تمہارے اختیار میں ہوں، جو چاہو گے
کرؤ گے، لیکن یہ بھی طے ہے کہ میں تمہارے ارادوں کے خلاف مزاحمت ضرور کروں گی!“

غلانی نے غصے سے پوچھا، ”لیکن اس مزاحمت کا نتیجہ کیا نکلے گا؟“

”نتیجہ وہی نکلے گا جو تم چاہتے ہو!“

”پھر اس مزاحمت کا فائدہ؟“ غلانی اس کے قریب گھسنے لگا۔
ناگلا سرک کر ذرا سیٹک گئی، بولی، ”گو تم نے خواہش نفسانی کو مارے گا
حکم دیا ہے اب تک میں اپنی خواہش نفسانی کو مارتی رہی ہوں۔ اب حالت بے بسی
میں تمہارے نفس کی سرکشی کے خلاف مزاحمت کر کے میں گو تم کو یہ باور کونینا چاہتی
ہوں کہ میری نیت اور ارادوں میں بدستور پاکی موجود ہے، لیکن مارا (رہلیں)
نے مجھے ہر طرح سے پس کر دیا ہے۔“

”میں مارا ہوں۔ ابلیس ہوں!“ علانی زور سے چنچا۔

”ہاں تم مارا ہو!“

”تم بیوقوف ہو، تمہارا گوشت جنسی ہیئت سے ناواقف اور لاعلم تھا پھر اس نے ناگلا کا ہاتھ پکڑنا چاہا لیکن اس نے ہاتھ جھٹک دیا۔

علانی کو کھینچ کر لڑکھا۔ ”لو لڑکی! ایک بات تو بتاؤ؟“

”وہ کیا؟ لڑکھا!“

”تم کسی اور سے محبت تو نہیں کرتیں؟“

”نہیں“ ناگلا کا چہرہ ہنسا گیا۔ ”میں اس لغویت میں نہیں پڑ سکتی۔“

علانی بحث میں نہیں پڑنا چاہتا تھا۔ اس لطیف موقع کو خشک اور سنی بھٹ و مباحثے میں نہیں گننا چاہتا تھا۔ بولا۔ ”لڑکی! ہم تجھے اس وقت تک اپنے ساتھ رکھیں گے جب تک کہ تو بالکل رام نہیں ہو جاتی اور تیرے ساتھ یہ کچھ ہو گا جس کا ہم ارادہ کر چکے ہیں جو ہم چاہتے ہیں وہ معاملہ اگر جنسی خوشی نہ ہو جائے تو بہت اچھا ہے اور اس میں مزہ بھی ہے لیکن اگر تم نے حماقت سے کام لیا تب بھی ہم اپنا مقصد حاصل کر کے رہیں گے!“

اس کے بعد دونوں میں کشمکش اور آنکھ پھونکی شروع ہو گئی۔ رات بھر کچھ زیادہ سسکیوں اور چپکلیوں کی آوازیں سنائی دیں۔ ناگلا اپنا سب کچھ گنوا کر امیر علانی سے بس اپنی زیادتی کر سکتی تھی کچھ نہ کر سکتے پر دانستوں سے کئی جگہ کاٹ کاٹ کر زخمی کر دیا تھا۔

امیر علانی کے حرم میں آنے والی لڑکیوں اور عورتوں میں ناگلا واحد وہ لڑکی تھی جس نے حالات کے آگے ہتھیار نہیں اٹھائے تھے اس نے ہر بار مزاحمت کی اور نا کام رہی شاید اسکی اس روش نے علانی کے دل میں ایک خاص مقام پیدا کر دیا تھا۔ ناگلا اس کے دل و دماغ پر سوار ہو گئی تھی جذبے کی وقتی شدت نے اس کے ظلم اور جبر کی جبلت کو ودایا تھا وہ ناگلا کی محبت حاصل کرنا چاہتا تھا اور یہ اچھی طرح جانتا تھا کہ محبت کو زبردستی ظلم اور جبر سے نہیں حاصل کیا جاسکتا اس میں زبردست تبدیلی رہنا ہوتی، اس نے ناگلا سے مزاج پر سی اور شیریں کلامی کی حد تک تعلقات محدود کر لئے۔ ناگلا پر اخلاقی اثر ڈالنے کے لئے اس نے اس کے گرد و پیش کی ہر عورت سے خوش اخلاقی سے پیش آنا

شروع کر دیا۔

ناگلا کے بعد غلامی کی سب سے زیادہ حسین چندا کو بہرا ز بنالیا، چار سال پہلے چندا کو گجرات سے ملا کر علانی کے حرم میں داخل کر دیا گیا تھا اس نے علانی کے خلاف کوئی مزاحمت نہ کی تھی بلکہ یہاں کی آسائشوں میں خوش و خرم زندگی گزارنے لگی تھی، لیکن جب اس چند روزہ خوش و خرم زندگی میں دوسری حسین لڑکیاں بھی داخل ہو گئیں اور امیر علانی کی رغبت آدھری ہو گئی تو اسے بڑے کرب اور آذیتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ راتیں خالی گزرتے لگیں۔ ویران آغوش کسی مرد کی خواہش کرتی، لیکن اس کا کہیں دور دور ستر نہیں ہوتا، نگراں مسلح عورتیں سائے کی طرح لگی رہتیں۔ اس نے سنا تھا کہ کبھی کبھی امیر اپنے کسی مصاحبہ میں سے خوش ہو کر غلامی کی عورتوں کو ان میں تقسیم کر کے ان کی بھینٹ بھار

کم کر دیتا۔ چندا کئی سال سے دغائیں مانگ رہی تھی کہ خدا کرے امیر اسے بھی کسی مصاحبہ کے حوالے کر دے لیکن یہ آرزو سرور دست پوری ہوتی یوں نذر آتی تھی کیونکہ وہ اب بھی اتنی حسین اور دلکش تھی کہ امیر علانی اس کی ضرورت محسوس کرتا تھا۔ ناگلا کی سرکشی نے امیر کو چندا کی طرف مٹھت کر دیا۔ اس نے چندا کو

اعتماد میں لے کر کہا ”بھینٹ!“ تم اس لڑکی کو سمجھاؤ کہ یہ اپنی سرکشی چھوڑ دے اور جنسی خوشی رہنے لگے۔“

چندا نے کہا۔ ”میں سمجھا کر راہ راست پر لانے کی کوشش ضرور کروں گی لیکن ناگلا بوجھ ہے اس سلسلے میں اگر کسی بوجھ کی خد بات حاصل کی جائیں تو بہتر ہے“ وہ بوجھ ناگلا کو اپنے مذہب کے مسائل اور حکمت کی رو سے یہ باور کرانے کہ ناگلا کی یہ ضد ناجائز آؤ گناہ ہے!“

علانی اسی وقت باہر نکلا اور اپنے محافظین اور خدمتگاران کے ساتھ بدھوں کی مشہور عبادت گاہ و لوٹا با کی طرف روانہ ہو گیا، گنجان درختوں کے بیچ میں ٹھہری یہ عبادت گاہ اپنے بنائے والوں کی عظمت، عقیدت اور ہر مندی کا نوحہ کر رہی تھی اس ویران عبادت گاہ میں اب بھی نفس نشینی کرنے والے بوجھ دن رات پڑے رہتے۔ دن میں کسی وقت باہر نکلے اور زندہ رہنے کے لئے کھانے کی چیزیں بھینٹ مانگ کر لے آتے اور پھر گوشہ نشین ہو کر مرتاضے میں جلے جاتے۔ علانی تھوڑے لوٹا با کے سامنے پہنچ کر ٹھہرا ہو گیا، راتھ سے اگر کر علانی

وٹو باکی بیڑیوں پر چڑھنے لگا، وٹو باکی پرسکون فضا میں اضطراب اور بے چینی پیدا ہو گئی۔ بودھ بھکشو خوفزدہ اور سرسیدہ ہو کر علانی کے سامنے آکھڑے ہوئے امیر کے اس پاس کھڑے ہوئے نیزہ برداروں اور تلوار بازوں کی دہشت سے بعض بھکشو کاغذ پر رہ گئے۔

علانی نے نہایت حکمت اور شان خود آرائی سے سوال کیا: ”تم میں سب سے زیادہ بودھ مذہب کے مسائل اور فلسفے سے کون واقف ہے؟“ وہ سب کھنٹی میں لپٹے ہوئے ایک دوسرے کی صورت کو دیکھتے گئے۔

اٹھائیس اٹھائیس بھکشوؤں کو چیرتا ہوا ایک نوجوان بھکشو امیر علانی کے سامنے آکر کھڑا ہوا اور امیر کو نہایت غور سے دیکھا، ”امیر عالی گواں نوجوان کی جسامت پر غصہ آگیا، کچھ کھڑے ہوئے ایک نیزہ بردار سے نیزہ چھین کر اس کی لوک نوجوان کے سینے پر رکھ دی اور ہلکا سا زور دے کر پیچھے دھکیلتے ہوئے کہا: ”گستاخ نوجوان! ذرا پیچھے ہٹ اور ادب سے کھڑا ہوا۔“

نوجوان ذرا بھی مغرب نہ ہوا، نیزہ کے ان کی چھین سے بچنے کے لئے چند قدم پیچھے ہٹ گیا اور کسی قدر نفرت اور حقارت سے لڑکھا۔ ”کیا تم وہی شخص ہو جس نے ناگلا کو زبردستی اٹھوا کر بے حرم میں ڈال لیا ہے؟ اور اس کے بوڑھے باپ کو احتجاج کرنے پر رکھ کے گھر والوں سے کچھو کر ہلاک کر دیا تھا؟“

امیر علانی نے بے نیازی سے جواب دیا: ”ہم عامیوں کی پریشی اور سوالات کے جواب دینے کے پابند نہیں، یہ تو صرف نوجوان تمہیں ہم سے ادب سے گفتگو کرنی چاہیے۔“ نوجوان نے امیر کی دعوت کا کوئی اثر نہ لیا، پوچھا: ”اب تم میرا کیا کیوں آئے ہو؟“

امیر نے جواب دیا: ”ہم یہاں اس شخص سے بات چیت کرنا چاہتے ہیں جو بودھ مذہب کا عالم ہوا۔“

نوجوان نے خود اعتمادی سے کہا: ”میں بودھ مذہب کا عالم ہوں، پوچھو“

کیا پوچھنا چاہتے ہے؟“ امیر کو اس انداز تکلیف پہنچ رہی تھی۔ ”بولو۔“ ہم یہاں کے حکمران ہیں، تمہیں ادب سے گفتگو کرنا چاہیے۔“

نوجوان بھکشو نے لاپرواہی سے جواب دیا: ”امیر! ہم بھکشو لوگ نفس

اور دنیا کو تیاگ چکے ہیں، حکمرانی، ادب اور احترام ہمارے یہاں کوئی معنی نہیں رکھتے۔“

امیر علانی نے تمام بھکشوؤں کی عمر کا سرسری نظر سے جائزہ لیا۔ تقریباً سبھی کی عمریں پینتالیس پچاس کے اوپر تھیں، بس یہ نوجوان ہی سب سے کم عمر تھا۔ امیر نے سوچا کہ ان کو عقلی ہونے کی غرض سے لوگوں کو پرچا نا یا پھیلانا دشوار ہے کیونکہ زیادتی غرور نفس کشی کے ریاختے انہیں بے جاں کر دیا ہو گا ان پر ترغیب یا تحسین کا اثر نہیں ہو سکتا، ہاں یہ نوجوان البتہ اس کے دام میں نہایت آسانی سے آ سکتا ہے اس کے ذہن نے فوراً ایک منصوبہ تیار کر لیا۔ اس نے اشارے سے نوجوان کو قریب آنے کا اشارہ کیا۔ نوجوان نے بے رخی سے کہا: ”تم نے مجھے نیزہ کی لوک سے پیچھے دھکیلا تھا اب میں دور جی سے باتیں کروں گا۔“

امیر نے سوال کیا: ”تمہارے مذہب میں سب سے بڑا پاپ کیا ہو سکتا ہے؟“ نوجوان نے جواب دیا: ”کوئی کساو دل دکھانا۔“

امیر کے چہرے پر شاشت دور گئی، نوجوان اس کے حال میں چھٹس چکا تھا بولا: ”لیکن تم تو برابر ہمارا دل دکھاتے جا رہے ہو، ہم نے تمہیں اپنے قریب بلایا اور تم نے انکار کر کے ہمارے دل کو ذات پہنچائی۔“

نوجوان کے چہرے پر زری آگئی، چہرہ تھک کر کہنے لگا: ”خود ہمارے دل بھی بہت دکھے ہوئے ہیں امیر۔“ جیسے ناگلا کو زبردستی حرم میں ڈال لیا، اور اس کے باپ کو ہلاک کر دیا، یہ کوئی معمولی غلم نہیں ہیں۔“

علانی نے جواب دیا: ”اب نوجو ہو چکا اس کا ذکر فضول ہے۔ ہم اس بوڑھے کو دوبارہ نہیں جلا سکتے۔“

نوجوان نے فوراً کہا: ”لیکن ناگلا کو تو حرم سراسر نکال کر ہمارے حوالے کر سکتے ہو۔“

علانی چند قدم آگے بڑھا اور نوجوان کے کاغذ سے پر ہاتھ رکھ دیا، دوسرے ہاتھ کا نیزہ نیزہ بردار کے حوالے کر دیا۔ نوجوان کو ایک طرف لے جاتا ہوا بولا: ”ہم اس ناگلا کی بابت تم سے کچھ باتیں کرنا چاہتے ہیں۔“

نوجوان بے چوں و چرا امیر کے ساتھ ایک طرف چلا گیا۔ دوسرے بھکشو اس کیل کو خوف اور استعجاب سے دیکھ رہے تھے۔

امیر نے اسے سب کچھ بتا کر کہا: ”نوجوان تم یقین کرو ہم ناگلا کو رانی بنا کر

اپنے قصر میں دکھانا چاہتے ہیں، تم اپنے مذہب کے عالم ہو، میرے ساتھ قصر تک جاؤ اور ناکلا کو مذہبی قانون اور حکمت کی روشنی میں سمجھا دو کہ دل آزاد رہی، بود مذہب کا بدترین گناہ ہے، وہ بہار دل نہ توڑے، ہم اس کی محبت کے بھوکے ہیں اگر وہ ہم پر بخوشی مائل نہ ہو جائے تو ہم اپنے قصر میں اسے در تہ مرتبہ فرما دیں گے جو اب تک کسی اور عورت کو نہیں نصیب ہوا ہے۔
نوجوان کسی سوچ میں پڑ گیا۔

امیر نے اپنی طبیعت اور فطرت کا رد و سرار رخ بھی سامنے کر دیا، کہنے لگا "اور اگر وہ بخوشی ہم پر مائل نہ ہو سکی تو اسے اپنے دل سے یہ بات بھی نکال دینا چاہیے کہ وہ اپنی کوششوں اور مزاحمت میں کامیاب ہو کر ہمارے اردوں اور خواہش کو شکست دے سکے گی، پھر کچھ سوچ کر سوال کیا "نوجوان تمہارا نام کیا ہے؟"
نوجوان نے کچھ سوچتے ہوئے جواب دیا، "کیا؟"

امیر نے اس کا نام بیان کرنا ہوا، "ہمیں ہمارے ساتھ قصر تک جانا پڑا اگر تم نے ہمارا یہ کام کر دیا تو اس کے بدلے میں تم سے جو کچھ بھی مانگو گے ہم صحت کر دیں گے۔
نوجوان کیا کہے ہو، نئی بریجی سی مسکراہٹ، پھر کراغاب ہو گئی، بولا "تم سب کیا صلا دے سکتے ہو، ہر خواہش انسانی کو ظالم بنانے والے لوگ، تم یہ کیا حیلے سیکھتے ہو؟"
امیر باؤس ہوئے لگا "ہم تو گمشدہ نشین لوگوں کو بھیک کی شفقت سے بھرا کر دلوں کے اندر ہی کھائے پینے کا سامان بھجوا دیا کریں گے تاکہ تم لوگ یکسوئی سے خرداں کے لئے مراقبہ کر سکو۔"

بہر حال میں تمہارے ساتھ چلوں گا اور کوشش کروں گا کہ ناکلا کو تم پر مائل کرادوں۔"

امیر کا چہرہ خوشی سے تھمنا نہ لگا۔ نوجوان کیا فوراً واپس آئے گا وعدہ کر کے دلوں کے اس حصے میں جلا گیا جہاں کو تم بدھ آتی پانی مارے آج بھی سنہ کے برگ کے سامنے میں بیٹھا تھا۔ کیا اس کے قدموں میں جھک گیا اور رو کر کہنے لگا "اوشا کیہ منی (گو تم بدھ) مجھے حوصلہ دو کہ میں اپنا غلیظ کام انجام دے سکوں، میں نوجوان ہوں اور میرے اندر نفس کا طاقت ور مارا کو شیطان، اس ناک میں ہے کہ کب مجھے کمزور پا کر ہلاک کر دے، شاکہ منی، تم مجھے اس کے شر اور مکر سے محفوظ رکھو۔"

اغیار مارا جزی کے بعد کیا ہے انہی سرگو تم کے قدموں میں رکھ دیا اور آئینہ ہاتھ مارا۔ جب وہ واپس ہوا تو ایک بھکشو نے اس کا راستہ روک لیا، پوچھا "کیا تم کہاں جا رہے ہو؟"

کیا نے جواب دیا "امیر علانی کے ساتھ اس کے قصر میں۔"
بھکشو نے سوال کیا "کیوں؟" کیا تم ہمارا ساتھ چھوڑ دو گے؟

"نہیں، میں جلد ہی واپس آؤں گا" میں باپ کے خلاف جنگ کرنا چاہتا ہوں دل آزادی جو بہت بڑا باب ہے میں اس باب کا علاج کروں گا۔"
یہ کہہ کر کیا آگے بڑھ گیا، ایک بوڑھا بھکشو راستہ روک کر کھڑا ہو گیا۔ بولا "لیکن تم نے اپنے....."

کیا نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا اور جلدی جلدی کہنے لگا "تم خاموش رہو۔ اپنے معاملات کا فیصلہ میں خود کروں گا۔"

امیر علانی نے کیا کو رکھ میں اسے برابر بٹھا یا جب دھڑکتی حرکت میں آیا تو تمام بھکشو کیا کو الوداع کہنے کے لئے دو ٹوکیاں بٹھکیوں پر رکھ کر صرست سے اسے دھک دے گئے ان سب کے سر کھینچے ہوئے تھے اور کفن جیسی چادر میں پٹے ہوئے تھے۔ کیا نے ذرا اٹھ کر نیچے دینی ہوئی چادر کو کھینچ کر باہر کیا اور بیچ کر مسکراتے ہوئے اپنے ساتھیوں کو ہاتھ پلا کر الوداع کہی۔

تھکر کیا، خدمت گار اور مصاحبین حیران تھے کہ یہ نوجوان بھکشو قصر میں کیوں لایا گیا ہے، علانی نے اسے مجلس کے قریب مسجد سے متصل ایک حجرہ قیام کے لئے دے دیا۔ علانی کو اس مذہبی جنوں کی طرف سے یہ اطمینان ضرور تھا کہ وہ عورتوں کی طرف نہیں راغب ہوگا۔ اور اگر راغب ہوا بھی تو اس عورت کو اس کے حوالے کرے، اسے ہمیشہ کے لئے اپنا مطیع و فرمانبردار بنایا جاسکے گا۔

علانی نے ناکلا کو دل میں لے لے اسے یہ خوشخبری سنائی کہ "ناکلا! تم بودھ ہو رہے تمہاری مذہبی تعلیمات اور تسکین کے لئے ایک بودھ عالم کا انتظام کر دیا ہے، وہ صبح شام تمہارے پاس آئے گا اور تمہارے مذہب کی تمہیں تعلیم دے گا۔"
ناکلا نے شک و شبہ کی نظروں سے امیر کو دیکھا لیکن زبان بند نہ تھی۔

اس کے بعد امیر حذر کے پاس پہنچا اور اسے ساری تفصیلات بتا کر کہنے لگا "چنتا! ہم نے تمہارے مشورے پر عمل کیا ہے، یہ بودھ بھکشو کوشش کرے گا کہ

ناگلا ہم پر ملتفت ہو جائے اب یہ کام تمہارے کہ تم ان دونوں کی گلائی کرو اور انہیں آپس میں بیٹھنے نہ دو جب تک بودھ بھکشو ناگلا کے پاس رہے اسکے آس پاس تو موجود ہوگی اور یہ جانے کی کوشش کرو گی کہ یہ بھکشو اسے کس قسم کی تعظیم دے رہا ہے۔

چند اے کھنڈہ دل میں کچھ تنہا نہیں پیدا ہو گئیں۔ اس جہنم میں کسی مرد کا آجانا اتنی بڑی خوشخبری تھی کہ محض اس کی کوئی بھی عورت اس کی امید تک نہ کر سکتی تھی۔ جب پہلے دن کیا کو ناگلا کے پاس پہنچا یا گیا تو ناگلا کے منہ سے بے ساختہ نکل گیا۔ کیا یہ تم؟

کیا نے آنکھوں ہی آنکھوں میں ناگلا کو سرزنش کی کہ خاموش رہو اور اجنبی بنی رہو!

چند کا دل دھڑکنے لگا کہ کہیں یہ دونوں پہلے ہی سے ایک دوسرے کو نہ جانتے ہوں، وہ ناگلا کے قریب کھڑی ہو گئی اور پوچھا۔ ناگلا! کیا تم اس نوجوان کو پہلے سے جانتی ہو؟

لیکن ناگلا سے پہلے بودھ بھکشو بول اٹھا، کہنے لگا۔ رانی! ہم شاکیہ متی کے پرچار یہاں ہیں ہی کتنے۔ انگلیوں پر تو گنے جاتے ہیں اس لئے ہم سب ایک دوسرے کو پہچانتے ہیں!

چند کی اس جواب سے قتل نہ ہوئی۔ چپ ہو رہی لیکن ان کی ذرا ذرا سی حرکت سے دونوں کی باہمی جاہت کا اندازہ لگانے کی کوشش ضرور کرتی رہی۔

پہلے دن نوجوان بھکشو دیر تک دل آزاری کے خلاف تقریر کرتا رہا اس نے کہا۔ ناگلا! کسی کا دل دکھانا دنیا کا سب سے بڑا پاپ ہے اور یہ ہمارے

میں یہ تعظیم دے کہ ہمیں اپنا نفس مارنے کے لئے ہر وہ کام کرنا چاہئے جو نفس اور خواہش کے خلاف ہو، اگر نفس یا خواہش کسی کے خلاف نفرت پر مائل ہو تو ہمیں اپنی خواہش کو مارنے کے لئے اس سے محبت کرنی چاہئے اور اگر نفس کسی سے محبت کرنا ہو تو اسے مارنے کے لئے ہمیں اس سے نفرت کرنی پڑے گی۔ یہاں نفس کسی کی سیدھی سادی اور بنیادی تعلیم ہے اور یہی ہمارے مذہب کی روح! ناگلا نے حیرت سے پوچھا۔ کیا یہ تم کہہ رہے ہو!!

بھکشو نے سادگی سے جواب دیا۔ یہ میں نہیں شاکیہ متی نے کہا ہے، ہمارا

نفس اور ضمیر جو ہمیشہ گمراہی سے سر اٹھانے کو تیار رہتا ہے شاکیہ متی نے اسے مارنے کے لئے ہمیں بھیک کی تعلیم دی ہے!

ناگلا نے آہستہ سے کہا۔ لیکن میں اس نفرت کو دل سے کس طرح نکال دوں جو اس امیکے خلاف مسکند دل میں شدت سے سرایت کر چکی ہے!

اپنسا پرمودھرا ناگلا! اپنسا پرمودھرا کسی پرچہ نہ کرو، کسی پر ظلم نہ کر، یہی شاکیہ متی کی تعلیم ہے!

ناگلا نے فحشی سے کہا۔ لیکن ظلم تو ہم پر ہوا ہے، جبر تو ہم پر کیا گیا ہے۔ وہ تو ٹھیک ہے! کیا نے کہا۔ وہ مذہب! انتقام جو ہر اور ظلم کے خلاف

ہر کے لئے ہمارے دلوں میں پیدا ہو چکا ہے اس پر قابو نہ کر اور اسے دلوں سے نکال دینے ہی سے ہم شاکیہ متی کے بتائے ہوئے دائرہ عمل شکیں گے!

ناگلا نے جواب دیا۔ لیکن میں ابھی تک نفس کی اس سرکشی پر قابو پانے سے محذور ہوں!

کیا نے لکھنڈوں سے سر پر موجود چند کو دیکھا اور ناگلا کو سمجھانے لگا۔ صبر کرو، ہر صبر سے کام لو، گو جسے تو دگاؤ دل کی تاریکیاں دور ہو جائیں گی، دشمنوں سے محبت

دور دوستوں سے لافغانی ہی ہمارا دھرم ہے!

چند کو اس نوجوان بھکشو کی باتیں بہت اچھی لگیں اور ناگلا کسی سوچ میں پڑ گئی۔ رات کو بھکشو نے امیر علانی کو یہ کہہ کر تسلی دی کہ۔ امیر! دھرم سے کام

لا جلدی میں کام نہ کرنا چاہئے گا، ہندو سس دن میں ناگلا ہمارا دم بھرنے لگے گی۔ اور جب چند نے بھی وہ ساری گفتگوں سنا لیں اسے دہرائی جو اس نے اپنے

اگلے سے سنی تھی تو امیر کو بڑا اطمینان ہو گیا۔ چند نے اپنے اس تاثر کا بھی اظہار کیا کہ نوجوان بھکشو دھرم سے پارسا اور ٹیک ہے

سبزہ شبنمی موتیوں سے اٹرا پڑا تھا، اجڑا بھکشو ناگلا اور چند سبزے پر بیٹے ہوئے معروف گفتگو تھے مشرقی افق پر غرق نے رنگ بکھیر رکھے تھے، سامنے

بکھیرے علانی نمودار ہوا اور سیدھا ان تینوں کے پاس پہنچ گیا، ناگلا نے نفرت سے مزید نہ کیا، چند دو قدم آگے ہو گئی۔

کیا نے درس دینا شروع کر دیا۔ ناگلا! ہمیں ہماری خاطر امیر علانی کی

خوشی کرنا ہوگی۔ دنیا میں جو کچھ ہے فریب ہے، دعوہ ہے، امیر علانی بھی ایک ٹھوکرا

ہے، اس دھوکے کو جنہیں گوارا اگر نازی بڑے گا۔
 ناگلا کی آواز تھر تھرائی " لیکن کمپ اس نے نہایت ظلم اور بربریت سے
 میسر باپ کو جو ہلاک کیا ہے! "
 کمپ نے جواب دیا " اسے بھی ایک افسوسناک اور تکلیف دہ دھوکا تو
 کر چھلا دو! "

امیر علانی ان کے قریب پہنچا تو چند دنے ادب سے اس کی پیشوا کی اور بوجوں
 بھکشو بھی خوش دلی سے مسکرا دیا۔ ناگلا منہ پھیرے رہی۔ امیر علانی کی دگ امانت
 پھر کمپ کی غصے میں بولا۔ " تم جبر اور تلوار سے فیصلے کرنے والے لوگ باتوں پر
 وقت ضائع کرنا بالکل پسند نہیں کرتے، ہم نے اپنی طبیعت اور مزاج کے خلاف
 بہت زیادہ دھیر کیا ہے اب مزید کار با یا نہیں رہا! "
 ناگلا نے تنہائی سے جواب دیا " اگر میرا کار با یا نہیں رہا تو جرحی میں آئے کہ
 کرو میں گناہ کی مرتکب نہیں ہوسکتی "

کمپ نے ترشی سے کہا۔ " گناہ کہاں نہیں ہے ہر مخلوق میں گناہ با یا جا رہا
 اس سے کون بچا ہے اور کون بچے گا۔ " پھر امیر علانی سے مخاطب ہوا " امیر! جب
 ایک کام تم نے میسر کر دیا ہے تو اب اس کے نتیجے کا انتظار کرو۔ " امیر! بڑے
 یہ بات ہمیشہ یاد رکھنا کہ جس کسی نے خود کو ہوا ہو اس سے پاک کیلئے وہ یہ بات
 خوب جانتا ہے کہ انسان کی شہوات نفسانی کی مثال اس تیر تیر تلوار میز سے یا اس
 میسے ہے جس کی لوک یا دھار پر شہد گاہ ہوا ہے۔ "

علانی ناراض ہو کر چلا گیا۔ چند دنے جواب کسی حد تک دونوں کی بات چیت
 میں دخل دینے لگی تھی۔ ہتے ہوئے نوجوان بھکشو سے پوچھا " اگر میرے تیرے، تلوار
 یا اس کے کی لوک یا دھار پر شہد گاہ سے تو ایک عقلمند آدمی کا یہ فرض ہے کہ اس
 مٹھا سن کا مزہ چکھے اور ہتھیاروں کی لوک اور دھار سے خود کو محفوظ رکھے۔ "
 " رانی بات یہ ہے کہ " بھکشو کہتا رہا " آدمی خوش اور مستی میں نہ
 کی مٹھا سے لطف اندوز ہوتے ہوئے خود کو زخمی ضرور کر لیتا ہے " اس سے کہ
 بچ سکتا ہے بھلا۔ "

نوجوان بھکشو کی باتیں چون اکا دل توڑے دے رہی تھیں۔
 ناگلا نے کمپا کو شرابی شرابی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا " جب تک کہ

یہاں موجود ہو مجھے تو میرے بات کرنے ہوئے بھی شرم محسوس ہوتی ہے! "
 بھکشو نے چند اکو غور سے دیکھا اور اس بات کا دل میں اعتراف کر لیا کہ
 خدا کے حسن کا بھی جواب نہیں ہے، ایسا حسن جو زہد اور تقویٰ کے کو چشم زدن میں
 خاک میں ملا سکتا ہے۔ اس نے چندا سے ایک درخواست کی " رانی! ایک لاجا بھکشو
 تم سے ایک درخواست کرنا چاہتا ہے! "

چند دنے کچھ سوچتے ہوئے بھکشو کو دیکھا اور سوال کیا " وہ کیا؟ "
 بھکشو نے جواب دیا " تم میری درست ناگلا سے دور رکھو! اسے کہہ دو کہ
 ناگلا اسکی امانت ہے لیکن ابھی ذرا عرصہ کی ضرورت ہے! "
 چند اکا دو چٹا سینے سے پھسل گیا، اس کا خیال کیے بغیر بولی " میں یہ بات
 اس سے کیوں کہو، جو چیز میسر اپنے اختیار کی نہیں اس کی کسی دوسرے کو کیا تلقین
 کر سکتی ہوں! "

نوجوان بھکشو نے جو کہ کر چند اکا کو دیکھا اور کانپ گیا۔ بھکتے بھکتے پوچھا
 " کسی چیز تمہارے اختیار کی جنس سے رانی! "
 چند دنے نظریں بھکالیں، بولی " ہر! " اس کی آواز کچھ تھر تھرائی " امیر علانی
 حنون مزاج واقع ہوا ہے، وہ دیر با تجرت کسی سے بھی نہیں کر سکتا، کبھی اس نے
 مجھے بھی چاہا تھا، لیکن اب وہ چاہت بھی کبھی کی رہ گئی ہے، اب حرم سر اس کے لئے
 جبر سے کم نہیں ہے، کبھی امیر مینوں ہمارے خبر نہیں لیتا اور ان سنگین دلیاروں
 میں کوئی اور در بھی نظر نہیں آتا۔ "

کمپ کا خوف دم بدم بڑھتا جا رہا تھا، اس نے ناگلا کو دیکھا، ناگلا کہنے
 لگی " حرم سر اس کی ضرورت دیکھی ہے۔ "
 کمپ نے چند اکا دھار سے بندھائی بولا " رانی! اگر میں تمہارے کسی کام
 آسکتا ہوں تو ہر وقت حاضر ہوں، مجھے اپنا کام بتاؤ، سرور و حد کی بازی لگا کر اسے
 پورا کرنے کی کوشش کروں گا۔ "

ایسا کہتے ہوئے نوجوان بھکشو غلطی سے یہ سمجھ بیٹھا تھا کہ چند اکا کسی سے
 بحث کرتے ہیں لیکن قمر کی تھری ملی دیوار میں بیچ میں جا کر ہو گئی ہیں اور وہ کسی
 طرح بھی اپنے محبوب سے نہیں مل سکتی، یہ ساری گھٹن اور یہ سارا کرب
 اسی بات کا ہے۔

چند کچھ بھی نہ کہہ سکی بس مسک کر رہ گئی۔ وہ اس سے زیادہ کھل کر کہا کچھ سکتی تھی اسے اس سادہ لوح خشک تعلیمات کے دلدادہ معلم غصہ بھی آتا اور اسوں بھی ہوا۔ ناگلا نے زخم پر تک چھڑک دیا، "ولی" "کیا" اس محل میں گناہ کے سوا کچھ بھی نہیں، جنہیں اختیار ہے جب چاہتے ہیں پاپ کرتے ہیں جو بے اختیار اور مجبور ہیں پاپ کی تمنا میں جلتے رہتے ہیں!"

چند اہل بچن کر رہ گئی۔ جی میں آ کر کہہ دے، بھوکا کھانے کی خواہش کرے یا کھانا مانگے تو اسے گناہ کیوں کہا جائے گا، لیکن وہ خوب سمجھتی تھی کہ یہ دونوں جس غم بہ اور اس کے مقتدرات سے تعلق رکھتے ہیں وہاں گناہ اور ثواب کا تصور ہی نرالا ہے۔ دوسرے شاہد یہ دونوں خود بھی ایک دوسرے سے ثابت کرتے ہیں، یہ سب کچھ سوچنے کے باوجود چندا پار مانے کو تیار نہ تھی، "لوجوان بھکشو اس کے لئے کائنات کی سب سے بڑی شے تھا اور وہ اسے برحیثیت پر حاصل کرنا چاہتی تھی، خواہ وہ کچھ دونوں کے لئے مستعد رہی کیوں نہ مل جائے، کھانا، پیرا اور کفن میں جیسا ہوا جسم دیکھ کے بجائے کراہیت اور ریزاری کے اثرات رکھتے تھے لیکن چیز کی نایابی نے اس منکرہ شے میں بھی حسن اور دلکشی پیدا کر دی تھی۔

ناگلا غصہ کرنے لگی ہوئی تھی لوجوان بھکشو اس کے انتظار میں بیٹھا ہوا تھا چندا اس کے قریب ہی موجود تھی، اس دن چندا غضب کا ستھارہ رکھے ہوئے تھی لوجوان بھکشو نے اسے دیکھا تو دنگ رہ گیا اور دل ہی دل میں شکایہ مٹی کو یاد کر کے چندا کے حسن کی سبکداریوں سے شاد مانگنے لگا۔

چند نے اسے ٹولا۔ "کیا! ایک بات تو بتاؤ!"

کپانے سرتاپا سوال بن کر لو بھا "کیا؟"

چند نے لو بھا "کیا تم ناگلا سے محبت کرتے ہو؟"

"نہیں تو۔ یہ کس نے بتایا تمہیں؟"

"کسی نے بھی نہیں، بس کچھ اندازے ہیں جن سے مجھے یہ بات محسوس ہوئی"

"نہیں ایسی کوئی بات نہیں" کپانے کہا "دراصل ہم دونوں بچپن میں سنا تو کھیتے تھے، وہی بے تکلفی اور ننگا ننگ دونوں میں چلی آ رہی ہے"

چند دلچپ ہو گئی۔ جب ناگلا اگلی تو دونوں دیر تک ہنس ہنس کر باتیں کرتے رہے، چندا اندر ہی اندر کھولتی رہی اس زہد و تقویٰ پر ناگلا سے یوں دیکھ

ہو کر باتیں کرنا کیا گناہ ہیں داخل نہیں ہے!!

دوسری طرف لوجوان بھکشو کا یہ حال تھا کہ وہ بائیں تو ناگلا سے کرتا تھا لیکن دھیان چندا ہی کی طرف رہتا تھا اس کا کرشمہ رابا اندر ہی آگ لگا چکا تھا، یہ ایک ایسی شرمناک اور افسوسناک بات تھی جس کا وہ کسی پر اظہار تو اظہار اسے دل میں اعتراف تک کرتے ہوئے گھڑا رہا تھا چندا کی آواز تک میں شیرینی اور کشش تھی جب بولتی تو دل کی دھڑکن جیز ہو جاتی جب ذرا دیر میں نظر آتی تو اس کی کی محسوس ہوتی لیکن یہ ساری باتیں ایسی تھیں جن کا اظہار تک نہ کیا جاسکتا تھا۔

لوجوان بھکشو کو ناگلا کے پاس پہنچے ہوئے دیر ہو چکی تھی، چندا بائیں کانٹتی جب وہاں پہنچی تو مشتبہ حالات اور ماحول نے اس کے دل پر ایک کھولنا وسیع کر دیا ناگلا کا ہاتھ بھکشو کے ہاتھ میں تھا اور دونوں کی آنکھیں "دہرائی ہوئی" تھیں۔ لوجوان بھکشو معلم نہیں کیا کچھ کہہ چکا تھا لیکن جب وہ اندر داخل ہوئی تو صرف اتنا ہی سن سکی "ناگلا! اب تو جیسی سے کام لینا پڑے گا سروسٹ ہم دونوں بے بس رہیں گے!"

چند نے گرم ہو کر کہا "تم دونوں کس بات میں مجبور ہو۔ آزادی سے صبح فراہم ملے رہتے ہو، خوب جی بھر کر ایک دوسرے کو دیکھ لیتے ہو، باتیں کر لیتے ہو اور شاید اظہار عشق بھی۔ تمہیں کون مجبور کیے گا!"

بھکشو نے ناگلا کا ہاتھ فوراً ہی پھیر دیا اور دونوں نے آنکھیں خشک کر لیں۔ یہ خبر امیر علانی کو بھی پہنچ گئی۔ وہ غضبناک ہو کر کپانے سے ملا اور اسے لئے ہوئے خلسہ کر کے نیچے پر اسرار اور زمین و زہرہ خانے میں آڑ گیا، وہاں کچھ اندھیرا مٹایا ہوا تھا۔ امیر نے ایک بڑی موم بتی روشن کی اور اس کی روشنی میں تبد خانے کا دھڑلہ لیتے ہوئے کہا "آؤ دھڑکیو، وہ آؤ دھڑ۔ یہ دھانچے، جن رگوشت کا نام وہ نشان تک نہیں کبھی یہ بھی ہماری ہماری طرح چلتے پھرتے تھے لیکن ان کے دھانچے کو کھانے کے لئے یہاں پڑے ہوئے ہیں، ہم جن پر اعتماد کرتے ہیں، اعتماد کی شکست کا بعد اس کا یہ حال بھی کر دیتے ہیں!"

لوجوان بھکشو خشک حلق کو تر کرنے کے لئے تھوڑک ٹٹکے لگا بولا "تمہیں چندا دلچپ ہو گئی۔ جب ناگلا اگلی تو دونوں دیر تک ہنس ہنس کر باتیں کرتے رہے، چندا اندر ہی اندر کھولتی رہی اس زہد و تقویٰ پر ناگلا سے یوں دیکھ

علانیٰ نے غصے میں پوچھا: ”آخر یہ ناکالگ بنگ راہ راست پر آجائگی؟“
 کیا نے جواب دیا: ”بہت جلد زاب زیادہ دن نہیں لگیں گے!“
 ”بھکشو!“ امیر کی آواز گونجی، ”تم یہ یاد رکھو کہ اگر تم نے پردے ہی پردے میں کوئی اور ٹھیل کھینچا تو اس کا انجام بہت بُرا ہو گا۔ اور اسکی ہم ایسی عزیز ناک سنا دیں گے کہ کسی نے کبھی ویسی سزا دی ہوگی؟“
 کیا خوں کے ٹھونٹ پی کر دے گیا۔ تہہ خانے میں مروئی کی بو پھیلی ہوئی تھی اور ناک پٹی جا رہی تھی۔

اسکے بعد وہ بہت محتاط ہو گیا۔ اسے شکات البتہ، اسے دیکھتے ہوئے بولا: ”دانی! تم نے امیر سے میری شکایت کر دی مگر کیا آخر تم نے ایسا کیا کیوں؟“
 جب دانی نے تجھکے، آنکھ لائی اور کہنے لگی: ”تم ناگلا سے محبت نہیں کر سکتے اگر کرو گے تو اس کا انجام بہت ہی ناک ہو گا۔“ اس کے بعد اپنا مفہوم چھوڑ کر کیا کیوں بڑھادیا اور ڈبڈبائی آنکھوں سے کہنے لگی: ”اگر یہ ویران ہیں تو یہاں کی ساری آنکھیں ویران رہیں گی۔“

”دلوی! مجھے آزار میں نہ ڈالو کیا نے آرزو کی سے کہا: ”تم حسین ہو بہت زیادہ حسین، لیکن تمہارا یہ حسن میکے کام کا نہیں ہے تمہاری علانیٰ کی امانت ہو اور میں بو دھو بھکشو ہوں۔ پھر ہم دونوں کامیل ہو کر ہو سکتا ہے!“
 لیکن چند اکوان باتوں سے کوئی غرض نہ تھی اسے یہ یقین تھا کہ اگر یہ بو بھکشو اسی طرح اس سے ملتا جلتا رہا اور یوں ہی بائیں کر تار ہا تو ایک نہ ایک دن وہ اسے شیشے میں ضرور تار دے گی!

ناگلا کچھ کچھ امیر پر ملافت ہوئے تھے، اس نے امیر کے سامنے ایک شرط رکھ دی، کہنے لگی: ”امیر! میں تم سے محبت کر سکتی ہوں، لیکن تمہیں میری دوسری عین ماننا پڑیں گی!“

علانیٰ کے ہاتھ میں ایک خط تھا، اسے تہہ کر کے جیب میں رکھا ہوا بولا۔
 ”شرطیں بتاؤ، شاید ہم مان لیں۔“

ناگلا نے کہا: ”جب میں اپنے آس پاس عورتوں کی ایک فوج دیکھتی ہوں تو مجھے وحشت ہونے لگتی ہے، یہاں میں نہنا تمہارے ساتھ رہنا چاہتی ہوں!“
 امیر نے رکھائی سے جواب دیا: ”ایسا کیونکر ہو سکتا ہے کہ میں اپنے حرم کی

تمام عورتوں کو رخصت کر دوں؟“

ناگلا نے بد مزاجی سے کہا: ”پھر میں یہ کیوں گوارا کر لوں کہ عورتوں کے اس جنگل میں اپنی انفرادیت کو دوں!“
 امیر نے بھما: ”اس نجوم میں تم مفرد ہی رہو گی، اسکی ہم ضمانت لیتے ہیں!“
 ”وہ کس طرح؟“

”یہ اس طرح کہ ہمارے رویے سلوک اور الوہانہ محبت کے انداز سے یہاں کی تمام عورتیں خوب اچھی طرح یہ جان لیں گی کہ تمہیں ان میں ہماری سب سے زیادہ محبت حاصل ہے اور تم حرم سرا کی جان ہو!“

ناگلا نے معصومت سے سوال کیا: ”کیا تم میری موجودگی میں دوسری عورتوں کو بالکل نظر انداز کر دو گے؟“

”نہیں!“ امیر نے کہا: ”یہ کیونکر ہو سکتا ہے، جب تک یہ حرم میں ہیں اسکی خواہشات کی تکمیل ہمارے ذمے ہے، یہی اسی یہ ذمے داری تو پوری کرتی ہی پڑتی ہے۔“
 ناگلا نے مایوسی سے کہا: ”تم عجیب آدمی ہو کہ ایک ہی وقت میں کئی کشتیوں میں سوار ہونا چاہتے ہو!“

امیر نے اس کا ظن نظر انداز کر دیا، پوچھا: ”تمہاری دوسری شرط؟“
 ناگلا نے سادگی سے جواب دیا: ”میں تو دھوہیوں اور بو دھری رہنا چاہتی ہوں۔“
 امیر نے فوراً ہائی بھری کہا: ”ہیں تمہاری یہ دوسری شرط منظور ہے!“
 ناگلا پہلی شرط پر رولٹ آئی، ”لو، یہ تمہیں میری پہلی شرط بھی ماننا پڑیگی۔“

پھر ایک عجیب امید افزا بات کہہ دی، کھنکھوں سے مسکرا کر امیر کو دیکھا اور کہنے لگی: ”امیر! میں تم سے محبت کرتی ہوں لیکن حرم کی بے شمار تسکین کی موجودگی میں رقابت بھی محسوس کرتی ہوں۔ کم از کم میں خود تو اس پر آمادہ نہیں کر سکتی کہ پہلے التفات عام کو جانوروں کی طرح برداشت کر لوں۔“

امیر نے ایک نئی تجویز پیش کی، کہا: ”تم اپنی شرط میں دوسری تبدیلی کر لو، اسے باسانی ہو کر کیا جا سکتا ہے۔“

”وہ کیا؟“ ناگلا نے عجیب بھری نظروں سے امیر کو دیکھا۔
 امیر نے کہا: ”تم تمہارے لئے الگ محل کا انتظام کئے دیتے ہیں جہاں تم ہو گی اور تمہاری کنیزیں بھی رہیں گی، وہاں تو تم اپنی انفرادیت قائم رکھ سکو گی۔“

ناگلائے یہ کہہ کر بات ختم کر دی کہ سوچوں گی!

امیر نے اپنی جیب سے خط نکال لیا اور پچھنے لگا: "تمہیں سوچنے کے لئے ہم کافی وقت دے رہے ہیں، کل ہم اپنی سپاہ کے ساتھ محمد تقی علی کے مقابلے پر جا رہے ہیں، امیرانِ صمد نے محمد تقی علی کے خلاف بغاوت کر دی ہے ہماری ہی طرح کے ایک دوست، امیر علاء الدین حسن نے امیرانِ صمد کا متحدہ محاذ قائم کر لیا ہے ہم اس بددعویٰ کو جارتے ہیں اور جلد ہی واپس آنے کی کوشش کریں گے ہمیں امید ہے کہ اس وقت تک تم ضرور اپنی شرط میں تبدیلی پر آمادہ ہو چکی ہو گی!"

ناگلائے نے جو اس ہو کر پوچھا: "تمہارے چلے جانے کے بعد کیا کہاں رہے گا؟" امیر کے دل میں شبہ پیدا ہو گیا، دل ٹٹولنے کے لئے بولا: "وہ ٹوٹا واپس چلا گیا" ناگلائی سی جی بولی تو نہیں ایسا نہ کرو اسے یہیں رہنے دو!" امیر نے طنز سے پوچھا: "آس بدو وضع ہیکشو میں کیا بات ہے جو اسے اپنے قریب رکھنے پر مہم ہو؟"

ناگلائے سسوس کیا کہ امیر کی نظروں میں کینہ پایا جاتا ہے بولی: "اسے جی تو بلا کر لائے ہو، میں نے تو نہیں بلایا تھا!"

امیر نے حسد سے کہا: "ہاں لیکن آس وقت ہم یہ نہیں جانتے تھے کہ تم دونوں میں کوئی خفیہ معاملہ چلا رہا ہے!"

ناگلائے نے لہذا کر نفرت سے امیر کو دیکھا اور تکلیف آمیز لہجے میں کہنے لگی: "تم ہانی لوگ سب کو شک کی نظروں سے دیکھتے ہو، تمہاری اپنی زندگی میں باپ اور پرنس کوئی فرق نہیں!"

امیر نے دشت لیجھ میں کہا: "زیادہ باتیں مت بنا لڑکی، زبان بند رکھو جو بے سمجھتے ہیں تیری منشا!"

ناگلائے افسوس سے کہا: "تم بالکل نہیں سمجھتے ہماری باتیں، اگر تمہیں گمان ہے کہ تم میری قدرت اور اختیار سمجھتے ہو تو یہ بالکل خیالِ خام ہے تمہارے میں جب جاہلوں کی خودکشی کر کے تم سے نجات حاصل کر لوں گی!"

امیر نے زہی اختیار کی، کہنے لگا: "ہماری واپسی تک تم کو زندہ رہنا ہم نہیں چاہتے کہ تم حرام موت مرو کیا اس طرح تمہارے قریب رہنے کا ایک بات ہماری بھی یاد رکھنا، ہم نے کپا کو تہہ خانے کی وہ جگہ دکھا دی"

جہاں ان گستاخ اور خطا کار انسانوں کے چوڑے میں جو ہماری نظریں گناہگار اور خطا کار تھے، ہم معاف نہیں کرتے۔"

یہاں سے نکل کر امیر تھکا سے ملا اور اسے سب کچھ بتا کر حکم دیا: "تم ہماری واپسی تک یہیں رہنا، اگر تمہیں شکست ہو جائے تو تمہیں اس بات کا اختیار ہو گا کہ ناگلا کو لے کر کسی محفوظ جگہ چلے جاؤ!"

نوجوان ہیکشو نے جواب دیا: "امیر!" ایک بات میری بھی یاد رکھنا۔ میں بودھ ہوں اس لئے اسے ضروری سمجھتا ہوں کہ جانے سے پہلے تمہیں کچھ نصیحتیں کروں، اس کے بعد خاص مبلغانہ انداز میں تلقین کی: "امیر! خواہشِ فضائی کی جڑ مایا ہے نام و نشان، حکومت، دولت، عزت، جسمانی اور روحانی لذتیں جوئی، محسن اور عقیق یہ ساری چیزیں ناپائیدار ہیں اور دھوکے کی ٹٹیاں ہیں انسان ان کی طرف کتنی خوشی اور امنگوں سے ہاتھ بڑھتا ہے لیکن یہ ساری چیزیں اپنے وجود میں ہیں دھوکا ہیں! اور دھوکے کی طرف ہاتھ بڑھانے سے حاصل؟ امیر نے اطمینان کا ساتھ لیا۔ بولا: "شکر ہے مولا تیرا نہیں ایسا ہی دیا متدار آدمی دیکھا تھا!"

امیر کے چلے جانے کے بعد وہاں آزادی کی فضا پیدا ہو گئی۔ جیسا بودھ ہیکشو کو گرویدہ کرنے کے ہیکشو سے استعمال کرتی رہی۔ وہ چاہتی تھی کسی طرح ناگلا کا وجود ناپید ہو جائے، اس کے بعد وہ اس ہیکشو کو اپنے قریب لانے میں کامیاب ہو سکتی ہے۔ محسوس کی اور عورتیں بھی اس نادر شے کو بھورا ورحمت سے دیکھتی رہتیں۔

رات کے پچھلے پہر سب کو سوتا چھوڑ کر چندا باہر نکل اور کمپا کے حجرے کی طرف چل پڑی۔ تسلی پہرے دار خواہن کے ٹھکانے کے سامنے درو دیوا پر پھسل رہے تھے۔ ابھی کچھ ہی دور دورہ تھی ہو گی کہ اسکی پشت میں کسی نے کوئی ٹوکلی جیپ گھسٹ دی۔ اس نے تھک کر لپٹ کر دیکھا ایک پہرے دار عورت اس کا راستہ روک کر کھڑی ہو گئی۔ اتنی رات گئے کہاں جا رہی ہو؟

چندلنے ایسی انگلی کی قیمتی انگلی تھی پہرے دار عورت کے حوالے کر دی اور اس سے انگلی کے صلے میں رازداری کا عہد لیا۔ جب کے اندر ہلکی روشنی ہو رہی تھی چندلنے دروازے کی دروازے سے جھانک کر اندر دیکھا۔ کپا ہنگے

فرش پراوند سے منہ لٹا ہوا تھا، اس نے آہستہ آہستہ دروازے پر دستک دی
 لہذا وہ بھکشتو فوراً بسمار ہو گیا اور پوچھا: "کون؟"
 چند نے جواب کے بجائے پھر دستک دی۔ کہا اٹھ کر دروازے کے قریب
 آ گیا اور پھر پوچھا: "کون؟"
 چند انکو شرارت سوچی، بہت رنگ میں تھی بولی، دروازہ کھولا، میں
 ہوں ناگلا!"
 کیا نے آہستہ دروازہ کھول دیا پھر اندر داخل ہو گئی۔ کیا نے
 حیرت سے کہا: "دلیوی یہ تم!! اس وقت!! کیا بات ہے؟"
 چند نے خود ہی اندر سے دروازہ بند کر لیا اور اطمینان سے لہذا وہ
 بھکشتو کے روبرو زمین پر بیٹھ گئی۔
 کیا نے اٹھ کر چادر نکھائی اور نرمی سے بولا: "دلیوی! اس پر بیٹھو!"
 چند نے کنارے بیٹھنے سے پہلے کہا: "اس شرط پر بیٹھوں گی کہ آٹکے دھو کر
 کنارے پر تم بھی بیٹھو گے!"
 کیا بھی سامنے ہی بیٹھ گیا۔ پوچھا: "ہاں دلیوی! اب بتاؤ کیسے آنا ہوا"
 باپ کی طرح تاریک رات میں یہ
 چند نے کہا: "میں نے تجھے یہ بتاؤ کہ کیا تم سچ مجھ ناگلا سے محبت کرتے ہو؟"
 کیا نے جواب میں کہا: "دلیوی! ان باتوں کا یہ وقت نہیں
 پھر کبھی پوچھ لینا یہ بات!"
 چند نے فحش سے کام لیا، بولی: "نہیں، میں اسی وقت یہ جواب
 جاؤں گی!"
 بھکشتو نے پوچھا: "کیا ناگلا نے کبھی تم سے کوئی بات؟"
 "نہیں، ناگلا نے کوئی بات نہیں بتائی؟"
 بھکشتو نے ماتھے پر ہاتھ رکھ لیا اور کچھ سوچنے لگا جب وہ دیر تک
 بولا تو چند نے کہا: "میں نے زیادہ وقت نہیں ہے!"
 کیا نے پھر گول مول جواب دیا: "تمہارے سوال کا میں نے کوئی
 چند نے غصے میں کہا: "بد وضع بھکشتو! تو اپنے آپ کو آخر چھٹا کیا ہے
 اپنے اس طیلے میں کبھی تو نے آئینہ بھی دیکھا ہے بالکل ایسے لگتا ہے جیسے کسی

مردہ نکل بھاگا ہو، پھر بھی تو اپنے آپ کو کچھ سمجھتا ہے!"
 کیا نے محل سے جواب دیا: "میں کچھ بھی نہیں دلیوی میں اپنے آپ کو کچھ بھی نہیں
 سمجھتا، دلیوی نے کچھ سمجھا، یا کہا یہ اسٹی بھول ہے!"
 چند اپنی ہونٹوں کا دورہ پڑ گیا، ذرا نرم سے بولی: "ناگلا کے سوا تجھے کوئی بھی
 نہیں چاہ سکتا، میں تو جیسے پاس آئی ہوں تو اس نے نہیں کہ مجھے تجھ سے محبت ہو گئی
 ہے بلکہ تجھ اس نے کہ تو جیسا کہ مجھے ہے ایک مرد خور ہے! اس کے بعد ذرا وقت گزار
 روئے تھی، میں اس مجلس رانی سنگی خستہ خان میں گھٹ گھٹ کر جاؤنگی لیکن میں
 نہیں مرنے چاہتی" بھکشتو! مجھے بخالو!
 کیا اس صورت حال سے کھرا گیا پھر کانٹے لگا۔ بولا: "دلیوی! ذرا دیر سے
 دیر سے بات کرو، باہر کوئی سن نہ لے کہ میں ہم دونوں کی باتیں!"
 چند کی آواز اور اونچی ہو گئی، میں نہیں دیتی۔ میں کسی سے بھی نہیں
 دیتی، ادھر دیکھو میری طرف اس سے میں کہتے دانے پڑ چکے ہیں، یہ سینہ ضبط اور
 برداشت کے تیروں سے پھلتی ہو چکا ہے!" یہ کہتے کہتے اس نے اپنا کمریاں چاک
 کر ڈالا، اس پر اختناق کا دورہ ہو گیا۔
 گریبان کے چاک ہوتے ہی نفسانی خواہشات اور ترغیبات کے طیلے غریبان
 ہو کر اس طرح حقیقت بن کر سامنے آ گئے کہ بھکشتو کے ضبط و برداشت میں زلزلہ
 سا لگا، اسے ایسا محسوس ہوا جیسے وہ خود بھی اختناق کا شکار ہو گیا ہے، اعضا
 میں تلخ اور اعضا میں تناؤ پیدا ہونے لگا۔ وہ ادھر سے منہ فرش پر لپٹ گیا اور گر کر گریا
 اوشا کی مٹی! ناد کی شہر سے جا۔ مار آناری کے دوپ میں نازل ہو کر میسکے
 لیان دھیمان اور تپسیا کی تباہی پر تادمہ ہے!"
 چند نے اسے پھر کمریہ ہٹا کر دیا، پھینکی کی طرح تڑپ کر کھڑا ہوا، اور دوپ
 کی لچے جیسے کے باہر نکل گیا۔ اس کے گھر ہی چند بھی باہر نکل لیکن وہاں سخت
 سردی تھی اور کچھ تہ نہ جلتا تھا کہ بھکشتو کیان جلا گیا۔ وہ مایوس، اداس اور شرمندہ
 ہو کر وہاں سے چلی گئی لیکن یہ طے کر کے کہ اس بھکشتو کو اس انحراف اور فرار کی
 سخت سزا دلوانی چاہئے تھی۔
 صبح کیا اپنے چکر سے جا چکا تھا، ناگلا پریشان ہو گئی، چند جاہانتی تھی کہ بھکشتو
 میں چلا گیا، وہ اپنے کمر پر تادمہ تھی، اب وہ ضرور یہ جاننا چاہتی تھی کہ بھکشتو آخر

گیا کہاں۔ اس نے مجلس کے ایک خواجہ برہم کو اس کی تلاش میں لگا دیا قصر کے صدر
 پھاٹک کے دروازوں نے یہ بتایا کہ بھکشو وٹو یا واپس گیا ہے۔
 جب وہ نئی دن واپس نہ آیا تو ناگلا کو بڑی تشویش ہوئی اس نے چن کر کو
 آمادہ کیا کہ وہ حرم سر کے خواجہ سراؤں میں سے دو چار کو ساتھ لے کر وٹو یا ملے اور بھکشو
 کی خبر بت معلوم کر کے اسے واپس لانے کی کوشش کرے۔ چند اساتذہ جانے سے شرمائی
 لیکن پھر خیال سے آمادہ ہو گئی کہ بھکشو سے مل کر اس کے خیالات اور ارادوں کا
 پتہ چلانا بہت ضروری ہے تاکہ وہ وقت پڑنے پر کامیاب دفاع کر سکے۔
 ان کا رتھ کھڑا ہوا اور وٹو یا کے سامنے جا کر کھڑا ہو گیا۔ ایک خواجہ سرا وٹو یا
 کے اندر چلا گیا۔ اندر ستونوں اور دالانوں کی بھول بھلیوں سے گزر کر تلاش کرتا ہوا
 پوچھتا پوچھتا جب وہ مہارما بدھ کے اس مجسمے کے روبرو پہنچا جہاں گوتم تروان
 پاکر بقیہ نشین تھا اور اس کے جس سے طہانت کا اظہار ہو رہا تھا۔ خواجہ سرا
 اسے اس حال میں دیکھ کر واپس چلا گیا۔ تو بڑی دیر بعد خواجہ سرا کے حکم سے وٹو یا کے
 دو سر بھکشو ادھر ادھر روپوش ہو گئے اور ناگلا اور چند آہستہ آہستہ سنسار
 دالانوں اور ستونوں سے گزر کر کیا کے سر پہنچ گئے۔
 کیا کر کے رہا تھا اسے شاکہینی آتے ہی بھکشو کے دل کو وہی سیلہ صرا
 سکون اور باپ کے خیال تک سے پاک ایسا عطا فرما دے اس کے اوتارا میرے
 دل کو یہ کیا ہو گیا ہے کہ جہدہ جاتا ہوں ہوس میرے پیچھے چلتی ہے۔ بھدر پر رحم
 کرو شاکہینی! ”
 جتنا خوش ہوئی کہ اس کا گھٹل اسے بھول جانے پر قار د نہیں رہا۔
 ناگلا نے آہستہ آہستہ نکلا ”کیا! اور پراٹھاؤ دیکھو میں تم سے ملے آئی ہوں
 کیا نے جیسے میرا تھا یا پہلی نظر چندا پر پڑی اس کے رے سے ہوش چلاں
 بھی جانتے ہے کھڑا ہوا اور پاگلوں کی طرح ایک طرف بھاگ کر روپوش ہو گیا
 ناگلا حیران تھی کہ کیا کو آخر یہ ہو گیا ہے۔
 چند لمبے خواجہ سرا کو حکم دیا کہ اس بھکشو کو تلاش کر کے زبردستی پکڑ کر اس
 کے سامنے لایا جائے لیکن وہ کہیں بھی نہ مل سکا آخر یہ لوگ دل شکستہ وہاں سے واپس
 چلے آئے۔
 وٹو یا کے اس قصے میں جہاں شہزادے سے مدد مانگ دگوتم بدھ کو رات کی

نارنگی میں شامی محل اور سوئے گئے کو چھوڑ کر جاتے ہوئے دکھایا گیا ہے اور جانے سے
 پہلے وہ ان پر ایک الوداعی نظر ڈال رہا ہے کیا ہے گوتم کے قتل میں اپنا سر دکھایا
 اور گمراہ کیا۔
 ”اسے شاکہینی! وہی غلش! اور وہی ضبط و برداشت مجھے بھی عطا کر دینا تاکہ
 اس موٹی میں مظاہرہ کر رہے ہو جنس اور ہوس نے میرے دل میں کھرکنا شروع کر دیا
 ہے!“ اس کے بعد اس کی آواز نہ گئی، بولا ”اور مشکل تو یہ ہے کہ میں تمہارے چروں
 میں سر رکھ کر چھوٹ بھی نہیں بول سکتا، مگر ہاں دیویاں بھی اچھی لگنے لگی ہیں! اس
 پسند کو نفرت میں بدل دو شاکہینی!“
 اچانک اسے ایسا لگا جیسے کوئی اس کے دل میں بٹھا کر رہا ہے ”کیا گیان کرو،
 گیان میں بٹھو اور یکسوئی سے شاکہینی کا دھیان کر کے اس شیطانی وسوسے سے
 پیچھا چھوڑو!“
 کیا اٹھا اور اس اندک آواز کے حکم کی تعمیل کے لئے ایک طرف روانہ ہو گیا۔
 امیر علانی ایسا غائب ہوا کہ دلوں حرم سرا میں خواتین اس کی خبر خیر سے
 خوں رہیں، انہیں کیا پتہ تھا کہ امیران صددہ کی پے در پے تیرہ لڑائیوں نے سلطان
 کو تعلق کو جنوبی ہند سے لے لیا ہے اور اب دکن کے تاج و تخت پر ایک ایسے
 شخص کا قبضہ ہو چکا ہے جو کچھ دلوں سے خود بھی امیران صددہ میں ایک امیر شمار ہوتا
 تھا اس باتوں کی اطلاع صرف اس شخص کو حاصل تھی جو امیر علانی کی عدم موجودگی
 میں اس کی نجات کے فرائض انجام دے رہا تھا لیکن یہ بات اسے بھی نہیں معلوم تھی کہ خود
 امیر علانی ان جنگوں میں اپنا ایک پیگنوا چکا ہے اور وہ ان دلوں دکن کے نئے تاجدار
 اور اپنے ساتھی علاء الدین حسن کے پاس زیر علاج ہے اسی دوران امیر علانی کا ایک
 خط آیا جس میں اس نے کیا کی بابت بہت سے سوال کئے تھے۔
 اس کے روزمرہ کے مشاغل کا پس ہے اس کی بابت کوئی ایسی ویسی افواہ تو نہیں
 سنی گئی ہے خواتین کی قربت نے کوئی رنگ دکھایا ہے وہ اب بھی وہی بھکشو ہے یا اس کی
 ظاہری وضع قطع میں کوئی تبدیلی ہو گئی ہے؟“
 ان ساری تفصیلات کا جواب دو سطروں میں بھیج دیا گیا ”کیا میرے جانے
 کے کچھ دلوں بعد ہی کہیں چلا گیا کچھ دنہیں نہیں کیوں اور کہاں گیا؟“
 امیر علانی کو جب یہ جواب ملا تو دل بڑ کر رہ گیا، ناگلا کی یاد اب بھی اسے

شمار ہی تھی۔ اس کی ایک ٹانگ کاٹی جا چکی تھی جس کرکشی اور خود مرنا لگا کو وہ دوا لگائی
کی مدد سے نہ بچ سکا تھا اب ایک ٹانگ سے کم طرح پاسے کا اسے اب کمپائی زیادہ ضرورت
تھی خود نا لگا بھی کیا کے لئے بہت پریشان تھی چہاں یہ سوچتی کہ اگر اس نے اس
رات امتحان جو نہ کیا ہوتا تو یہ دن بھر بھکشتو بھی نہ جانا اسے اپنے جلد بازی اور
مال نا اندیشی پر سخت شرمندگی تھی۔

لیکن ایک دن سر پر کو جب کہ دھواں دھار بارش ہو چکی تھی اور گھر کے سایہ
دار بادل اب بھی گھر سے ٹکڑے ٹکڑے کسی کسی کے گوند بھی لپک رہا تھا اور کہیں قریب ہی
سے یکے بعد دیگرے سورول کے بولنے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں قصر علانی کی
فصل کے نیچے اُلٹا ہوا نالا زور و شور سے بہہ رہا تھا اور حرم سرا کی خواتین برابری آگ میں
سلگ رہی تھیں رکھتی ہیں منہ جھائے کیا قہر کے ٹڑے بھاٹک سے اندر داخل ہوا
ایک کے نائب نے اس کا گرو خوشی سے استقبال کیا، بھکشتو نے جسم سے لپٹی ہوئی کفنی بھٹک
کر جسم سے چپا چکی تھی۔ نائب نے غلبت میں امیر علانی کی طرف سے اس کی مزاح پر ہنسی کی
اور غیرت و ریاقت کی بھکشتو نے لڑکھا کر اس نے زبان سے کم اور اشاروں سے
زیادہ "یر تبارا کرے اس کے جھگ سے پہنچا دیا جائے، مسوالا کے جوابات وہ ذرا
توقف سے دے گا" اسے اس کے حجرے میں پہنچا دیا گیا۔

ناگلا خوشی سے دہلانی ہو گئی، وہ کمپا کو ایک نظر دیکھنے لئے یہ چین تھی اسے
برعکس چند کشمکش کا شکار تھی اس کا جی تو جانتا تھا کہ کمپا کے جسکے میں اسی وقت
بہنے چلا لیکن جانے میں تاثر لوں تھا کہ کہیں بھکشتو سے دیکھنے کی ہجو و اس نہ جلا جائے
آتش نشوین میں ایک امید کا پہلو بھی موجود تھا۔ چند ہی بھی سوچتی تھی کہ بھکشتو کی واپسی
کا سبب چندا کی جاہت بھی ہو سکتی ہے، بہت ممکن ہے کہ بھکشتو اپنے گھر پر نام ہو اور
اسے اپنی خشک زندگی پر لذت اور خیالت محسوس ہونے لگی ہو۔

ناگلا اس کے حجرے میں داخل ہونے ہی سے قابو ہو گئی، بھکشتو کھڑا ہو گیا، ناگلا نے
اس کی کفنی کا خیال کئے بغیر ہی اپنا سرا سیک کا مذہ سے نکال دیا اور سسک سسک کر رونے
لگی۔ چند بار ہر گز "دراز سے جھانک کر تھلا رہی تھی۔

"تم کہاں چلے گئے تھے آخر؟" ناگلا سسک سسک کر بولی۔ "میں تو تم سے
مالوں ہو گئی تھی؟"

بھکشتو نے محبت سے اسے سر پر ہاتھ پھیرنا شروع کر دیا۔ "لولہ، یہ ایک راز کی

بات ہے۔" پھر پوچھا۔ "وہ عورت کہاں ہے جو اکثر تمہارے ساتھ آ کر کتی تھی؟"
ناگلا نے سینے سے سر پر گھر سے بھکشتو کو دیکھا اور بے دلی سے پوچھا۔ "اس سے
کیا کام ہے تمہارا؟"

"اے بلاؤ، وہ کہنے لگا۔ میں اسے گنہگار روئے نہ نام ہوں۔"
ناگلا نے ضد کی۔ "تھے سارے واقعات بتاؤ، تو کوئی کیا چاہتے ہو؟"
بھکشتو نے ہنسی سے کہا۔ "ناگلا کسی کے ذاتی معاملوں کی گزیر دھڑ کے خلاف ہے تو
اس دیوٹی کو دیکھ باس مجھ سے یہ سننے کے لئے اس سے معافی مانگوں گا۔"

ناگلا نے ہنسا کر اچھا بلاؤں کی، تم یہ کبلی جاؤ تو آنا روا۔"
جسکے میں دوبارہ آنے کے بعد پہلی بار بھکشتو نے اپنے سادان کا جائزہ لیا، جسکے
کی پرشہرے گر و غبار کی تہہ جی ہوئی تھیں، انکڑی کا خندوق جو پہنوں نے کتر ڈالا تھا اور
چروں کے لائے ہوئے چند روٹی کے ٹکڑوں پر پھیند دی ہوئی تھی۔

ناگلا نے صندوق سے دوسری جاؤر نکالی کہ کفنی کی طرح کیا نے لپیٹ لیا۔ اور لولا
"ناگلا، اب تم باہر جاؤ اور گر وہ دیوٹی سنا آئے پر کا مادہ ہوتا ہے یہاں بھیج دو۔"
ناگلا باہر نکل گئی اور چند سے کہنے لگی۔ "شاید کمپائی بات تو نے بھی سن لی ہوگی
معلوم نہیں کیوں وہ تمہیں اندر بلا رہا ہے، یہیر کہنے کہنا اس نے چندا کو شک و شبہ کی نظروں
سے دیکھا۔

چند اکچہ تامل کے بعد بھکشتی شوقی اندر داخل ہو گئی بھکشتو دو دو چھپرٹ کیا حیرت
سے پوچھا۔ "تو کیا تمہیں کہیں موجود نہیں؟"

چندائے کوئی جواب نہیں دیا، وہ صحت گوائے ہوئے بھکشتو کا ہونق چہرہ غور سے
دیکھنے لگی، اب تو وہ بہت ہی ڈراؤنا ہو گیا تھا اسے حیرت تھی کہ جسکے کی اس وقت لڑکھاٹک
پنے کو ناگلا نے کہوں نہیں محسوس کیا اسے تو بھکشتو سے رنگ و با تھا اس کے سامنے وہ احساس
جو مرگ کی وجہ سے بھکشتو پر مائل ہو چا کی صورت میں بھی پیدا ہوئے تھے اس وقت زائل ہو گئے۔
بھکشتو اپنی طرفوں میں دھنسی ہوئی آنکھوں سے چندا کو دیکھا رہا، اچانک لڑاؤ کی
ظور اس کی نظروں چندا کے گریبان پر بھی گئیں جو ایک مڑا پاسے سامنے چاک ہو چکا تھا۔ ایک بار
پھر چندا میں یں غیب لگی اور بھکشتو کا نائب گیا ایک لمحے کے لئے آنکھیں بند کر کے پھر کھولیں، اور
جب اس طرح لولا کو باج میں دوسرے بول رہا ہے "دیوٹی آتھنے تھے مکان کر کے رکھ دیا ہے
پنے جو کچھ میں نے یہاں دیکھا تھا اس سے جھاک کر میں نے جہاں بھی پناہ لینا چاہی تو نے میرا

پہنچا گیا۔ یہاں تک کہ جہاں تو خود نہ پہنچ سکی، تیرا خیال پہنچ گیا اور اب کے دو دو انگڑا سے
 جنوں نے میری تمسک اور کیا نہ دھیان کو جلا دلے میں کوئی کسرا اٹھا رہی تھی ہر جگہ خیالوں کی
 آواز مگر اٹھا کر رہے رہے عاجز آکر میں نے ہادیوں کی پیادوں میں مرا تھک گیا وہاں مارا دھیشان نے
 مختلف شکلوں میں آکر سیکھ لیاں دھیان کا مسلسل توجہ دینا چاہا لیکن میں بھی شاکر مینی کا دھیان
 کیے وہیں بیٹھا رہا اور خاک و شاکر مینی نے خود ظاہر ہو کر میری دھیان کی کمر بستہ نفس اسے نہیں
 کہتے کہ امتحان کا وہ سے بھاگ کر اپنا پیچھا پھرتا اور غلط جہی سے میرے ہونے کی نفس کی آواز مانی
 میں پورے ترے ہو میں نے شاکر مینی سے پوچھا کہ اور ذرا دینا تا اب مجھے کہ کرنا چاہئے؟ ہر تا
 نے حکم دیا کہ میں تمہارے پاس واپس نہیں آؤں اور اس آگ کے سمندر سے مارا کر نفس کشی کا امتحان
 دوں سو پوچھو! میں حاضر ہوں، تم اپنی ناز و انکسار سے تیرے پیر پھرتے چلا سکتی ہو اسے
 عشوں اور غمروں کے ہتھیار پھرتے پراستماستی ہو اور ناری کے سارے چتر اس جھٹکتے
 پر آزمائے دیکھ لو، شاکر مینی کی پرکاش سے تم مجھے ہلا بھی نہ سکتی۔

چند لمبے جھٹکوں میں اب کوئی دیکھی باقی نہ رہی تھی لیکن اس کے ٹپوے سے
 چند لمبے میں آگ لگا دی۔ یہاں مغربی گھاٹ کے ساروں سے ٹکرا کر انوارے مانسوں
 نے پیر باد شروع کر دی اور جسے میں باقی کی کمی میں ڈھلے ہوئی ہواؤں نے جھبوں سے
 لٹک کر اجنبات کی آگ بھڑکانا شروع کر دی۔ جھٹکوں میں کی طرح آگ بھڑکانے کو دیکھتا
 رہا۔ نفساں موجوں نے جب بھی سراٹھائے کی کوشش کی فسطا اور ارادے کی چٹاں میں سنہ
 سپرنگیں اور موجیں ان سے لٹک کر پھرتی کھڑکیوں میں کم ہو گئیں جہاں سے ابھری تھیں۔
 چٹاں کو ظالم و جبار میرعلانی کی یاد آئی اور اسکی یاد میں اس نے اتنی شدید آنکھوں
 کی جگہ جگہ سے بڑے مسکائے اور لباس کے مسکان کی لطیف آواز سن کر انھیں کی ایک کش
 پیراس زور سے ابھری فسطا اور ارادے کی چٹاں پھلا گئی ہوئی آرزو اور اشتیاق بنا کر
 آنکھوں کی راہ سے چند لمبے زور آور شباب کا جائزہ لینے لگی۔ اب تک سے کیجئے اور اس
 کش نفسان موج کو باز کیجئے کی ایک ہی رنگ پر رہ گئی تھی۔ اس نے آنکھوں کے روزن بند
 کر لئے اور چوہر دروازوں پر ملکوں کے بند بھرتے۔

امیرعلانی نے خود آگے کے بجائے جھٹکوں کو ہلا بھیجا اور تفریق واپس آنے سے
 پیاس جھٹکوں سے کچھ جاننے کا بھی خواہشمند تھا۔ دوسرے اس کے کانوں میں یہ افراد بھی
 پہنچ چکی تھی کہ جھٹکوں سے دھیان کچھ دیکھیں لینے لگا۔ وہ دن کے تے تاجدار علاء الدین حسن
 کی رسم تاج پوشی بھی ادا ہونے والی تھی۔ طبیعت کی شتم لطیفی میں بھی چامچی تھی کہ یہ تکرار لہنا

بھی دنیا کی شان و شوکت اور جاہ و شہر میں اپنی آنکھوں سے دیکھے۔
 جھٹکوں کے ساتھ چند خواہشیں کو طلب کیا گیا تھا ان میں ناگلا اور چند کے نام فہرست
 تھے مگر کچھ تک کا سفر نہایت شان اور اطمینان سے طے ہوا اور اب کو علاء الدین حسن کے
 شاہی مہمان خانے میں ٹھہرا گیا۔

جب امیرعلانی بسا کھیل کے سہارے لگاؤ ناچو ان کے سامنے آیا تو سب دھکے سے
 رہ گئے۔ جھٹکوں نے یہاں بھی اسے معاف نہ کیا، دلیری سے کھڑے کھلی زندگی کے پاپ تھے
 ایک بار پھر جنم لینے پر مجبور کر دیں گے۔
 امیر نے سنی اس سنی کر دی لیکن وہ اس جھٹکوں کی عظمت کا قائل ضرور تھا اسے حیرت
 تھی کہ جس نفس نے اسے بری طرح پھرا رکھا ہے اس پر اس جھٹکوں کے کس طرح قابو پایا ہے،
 اس نے درشت مزاج اور خشک خو جھٹکوں کو غور سے دیکھا جس کی محبت تباہ ہو چکی تھی اور
 جو کسی غمروں کی طرح آنکھیں نکالے سامنے بیٹھا تھا۔

امیر نے تجلیے میں اس سے ناگلا کی بات بہت سارے سوالات کئے لیکن جھٹکوں نے
 ان سب کا ایک ہی جواب دیا کہ یہ ساری باتیں یہاں کرنے کی ہیں قصر واپس چلو ناگلا
 تمہیں مل جائے گی۔

امیر مطمئن تو ہو گیا لیکن ایک کاٹا اب بھی چھ رہا تھا تو پوچھا اب ہم ایک ناگلا
 کے رہ گئے ہیں، ناگلا اسے ناپسند تو نہ کرے گی؟
 جھٹکوں نے کہا یہ سب کچھ تمہارے کرموں کا پھل ہے، ایک کام، نیک ارادے
 ایک خیالات اور ایک گفتگو یہ سب کچھ کرم کی تعریف۔ خود سوچو کہ تم خود ان چاروں کی
 سے کتنوں پر کاربند ہو؟

امیر نے چند کے بارے میں اچھا سا سوال کیا۔ کہا تم نے چند کا کو بھی بہت
 قریب دیکھا ہے کیا تم جانتے ہو کہ وہ تمہارے بیان کردہ چاروں کرموں میں سے کس
 کس پر عمل پیرا ہے؟

جھٹکوں نے صاف صاف کہہ دیا۔ ایک ابھی نہیں، کوئی جھٹکوں میں بڑی کس طرح
 زندہ رہ سکتی ہے، مرد جھٹکوں میں جھٹکوں کی ہی نہ کوئی غور تہہ سکتی ہے!۔
 امیر نے طیش میں اس کو سچا کہا اس گستاخ اور تریان دار جھٹکوں کو زور دینے کی پوچھ
 اب یہ بہت بڑھ چکا ہے۔ اس کے بعد امیر نے چند سے ملاقات کی چند نے بڑی کج خوشی
 کا مظاہرہ کیا امیر سے چٹ گئی اور آہستہ آہستہ روئے لگی۔

لباس مسک گیا جو امیر کے سامنے ہے۔

اتنا کہ رچنے پھوٹ کر دینے لگی۔

امیر مشتعل ہو گیا۔ چند دنے یہ اشتعال اور بڑھ گیا بولی میں بولے امتداد

اور زمین سے کہہ سکتی ہوں کہ ناگلا اور بھکشو میں ایک مرد اور عورت کا تعلق ہے

دولوں ایک دوسرے سے شدید بدبخت کرتے ہیں۔ اس کنیز نے بار بار دولوں کو اس

طرح دیکھا ہے کہ کوئی ایک دوسرے کا ہاتھ بخت سے اپنے ہاتھ میں لئے اس طرح

باتوں میں مشغول رہے کہ اسے دنیا و مافیہا کی کوئی خبر نہیں ہے۔

امیر کو اپنی حالتوں پر افسوس پہنچا، بولا، ہم نے تو تمہارا سے ہی مشورے پر اس

ناہنجار بھکشو کو ناگلا کے لئے بلایا تھا۔

چند دنے جواب دیا، لیکن کنیز کو یہ کیا پتہ تھا کہ امیر ناگلا کے غمِ شوق کو

پکڑ لائیں گے۔

امیر نے پوچھا، اب ہمیں کیا کرنا چاہئے۔

چند دنے کہا، اس کا فیصلہ تو صرف میں ہی کر فرما دے گا۔

مشورہ مناسب تھا، امیر نے سکوت اختیار کیا۔

بھکشو نے ناگلا کو غمِ غریب میں بھجایا۔ ناگلا، ہمیں لنگڑے امیر کی دلجوئی

ہر حال میں کرنی ہے، میری خاطر اپنی خاطر۔

ناگلا نے دکھ سے کہا، لیکن بات اگر دلجوئی اور باتوں ہی کی حد تک رہے تو

کوئی بات نہیں، امیر تو میری بڑی اور نانا، ننگاؤں سے کچھ زیادہ ہی جسارت کر چکے گا۔

بھکشو نے کہا، کوشش کرے گا، میرا پیسلا اگر ڈوبنا تک واپس لے چلو، وہاں

پہنچ کر دیکھا جائے گا۔

ناگلا نے بیچارگی اور عاجزی سے کہا، ہمارے دھرم میں شکل یہ ہے کہ یہاں

دوسرے دھرموں جیسا تو یہ یا راسخیت و کفارہ، نام کی کوئی چیز بھی نہیں انسان سے

جو گناہ مرتد ہو جاتا ہے اسے تو یہ کہے یا راسخیت کے ذریعے دھوا نہیں جاسکتا، تم

اس کا کیا جواب دو گے کہ اگر کسی طرح میں کسی پاپ کی مرتکب ہو گئی تو اس کا ازالہ

کس طرح ہو گا؟

بھکشو نے جواب دیا، تم اسکی فکر نہ کرو، ہم ایسے حالات میں گھر گئے ہیں کہ ہم

سے کچھ پاپ یعنی سرزد ہوں گے، ہم اپنے ان پاپوں کا اگلے جنموں میں ازالہ کر دیں گے۔

امیر علانی نے چند اکی پھیر کر ہاتھ پھیرتے ہوئے قیامت سے بچا، تم کو کیوں یہ پوچھا؟

چند دنے بھجائیں گے، ہوسے کہا، اب امیر کو چلنے پھرنے میں اتنی تکلیف برداشت

کرنا پڑی، یہی سوچ کر کنیز اور دنا کر رہا ہے۔

امیر اسکی بخت سے بہت متاثر ہوا، کہنے لگا، چند دنے تم اسکی فکر نہ کرو، ہم

معمولی آدمی نہیں ہیں، ہمارا ایک ٹانگہ کٹ گئی تو کیا ہوا، ہمارے ہاتھ پیروں کی

کیا کمی ہے؟

چند دنے کوئی جواب نہ دیا، آنسوؤں سے امیر علانی کا سینہ ترن کر رہی۔

امیر نے کہا، چپ رہو بھکشو کیسا آدمی ہے؟

چند دنے چونک کر امیر کے سینے سے سر اٹھایا اور بیچارگی اور تشویش سے امیر کی

صورت دیکھنے لگی۔

امیر نے مزید کہا، تم گھبراؤ نہیں، معلوم نہیں کیوں بھکشو نہیں اچھا، نیک

اور پارسا عورت نہیں سمجھتا۔

چند دنے میں ڈری کر شاید بھکشو نے سب کچھ امیر کو بتا دیا ہے اور اب وہ

نہایت ہوشیاری اور نرمی سے خود چندا سے اسکی تصدیق کرنا چاہتا ہے، چند دنے سینے

میں انتقام کے بجائے چلنے لگے، نفرت اور غصے کا طوفان اٹھ کھڑا ہوا، فوراً امیر سے

جدد ہو گئی اور غصے میں بولی، یہ بھکشو کتنا سیر ہے، امیر اس کے کروت کو یہ کنیز امیر کے

گوش گزارے گی۔

اس کے بعد وہ اپنے کپڑوں میں سے گریبان نکال کر اور مسکا ہوا لباس نکال

لائی، انہیں امیر کے روبرو پیش کرتی ہوئی بولی، اب آپ خود ہی اس بات کا اندازہ

لگائیں کہ کون کتنا بگاڑ رہے اور کون سے گناہ۔ اس نے کچی ہاتھ پائی میں اس کنیز کو بٹور

کرنا چاہا ہے اور کنیز نے اسے ہر بار نام نہاد بنا دیا ہے۔ ایک مرتبہ تو اس دلیل بھکشو نے

کنیز کا گریبان ہی نکال کر کے رکھ دیا، میں نے بڑی مشکلوں سے جان بچائی اور اس

روباہ صفت درندے کو دھکے دے کر دور کیا، اس کے بعد شاید خود فروغ ہو کر یہ

کہیں فرار ہو گیا اور بدقول غائب رہا پھر جب واپس آیا تو مجھے یہ یقین دلانا چاہا

کہ اب وہ اپنے گئے پریشان سے آئندہ اس خستہ کی چوک نہ ہوگی، میں نے اس پر اعتماد

کر لیا لیکن اس پھیرے سے موقع پاتے ہی پھر پھر حملہ کیا اور اپنی پوری قوت سے

مجھے اپنے سینے سے لگا لینا چاہا، میں نے بچنے کی کوشش کی اور اس کوشش میں میرا

ناگلائے غمزدہ لیجے میں کہا: ہم دونوں کا مقصد ایک ہی ہے اس لئے پہلے
 کچھ باپ کرنا ہی پڑیں گے اور دوسرے جنہوں کو گوارا کرنا ہی پڑیں گے۔
 اس گفتگو کے بعد جب ناگلا میرے پاس گئی تو اسے بہت زیادہ خوش
 اخلاقی اور نیکوئی کا اظہار کرنا پڑا۔ اس نے امیر کو یہ یقین دلایا کہ کبھی اس دور
 سے متاثر نہ ہو کر اس نے خود کو بدل دیا ہے کہ وہ دھرم میں دل آزاری سے بڑا کوئی
 باپ نہیں۔ وہ امیر کا دل نہیں توڑے گی، امیر کے لئے یہ ایسی خوش خبری تھی کہ اس
 نے سخت ناگلا کو سینے سے لگالیا۔ وہ کیش لڑائی جو پہلے دو جہاد قدم تھے بٹ کر اس
 دفاع کرتی تھی اب گیا کی بدایت اور تعلیم کے زیر اثر امیر کی آغوش میں جا بیٹھی جب
 امیر نے خود کو بے رنگ ہتھیار بنا چاہا تو ناگلا نے ذرا سی مدافعت کی اور امیر کو یہ کہہ کر
 باز رکھا کہ وہ جلدی کر کام میں نہ لائے تو صرف واپس چلے اور وہاں اسے باقاعدہ طور پر
 سے وابستہ کر کے جو چاہے کرے۔ اس کے ساتھ ہی اس نے یہ درخواست بھی کی کہ اسکی
 وابستگی کے بعد اسے اب وہ دھرم چھوڑ دینے پر مجبور نہ کیا جائے وہ شکایت کوئی اپنے
 دل سے نہیں نکال سکتی۔ امیر نے اسکی یہ درخواست منظور کر لی۔ اسے ایک بار پھر
 ہتھکڑی سے عقیدت ہو گئی۔ اس نے سوچا کہ اگر ہتھکڑی اور ناگلا میں واقعی تعلقات محبت
 موجود ہیں تو یہ دونوں ایک لنگر کے خیر مند ہیں۔ امیر کے لئے اتنی بڑی قربانیوں کے
 رہے ہیں، اسے جہاد کی داستان مشتعل ہوئے ہوئے ملے۔ متلون مزاج امیر نے یہ فیصلہ
 بھی کیا کہ اگر چند ایک روز اور دست بھی پکڑ لیجی اس عجب و غریب ہتھکڑی کے ساتھ دو اور
 اور پھر ان سب کو کرنا پڑے گا، اگر یہ سادہ لوح تارک الدنیا واقعی چند ایک عرصہ تک
 ہو گیا ہے تو وہ چند گوارا اس شرط پر ہتھکڑی کے حوالے کر دے گا کہ اسے وہ ہتھکڑی کفنی
 آباد بھیجے اور زندہ انسانوں کی طرح زندگی بسر کرنے کا وعدہ کرے اس کے بعد چند
 اس کے تیار کر دی جائے گی۔

گلبرگ کے دربار دار علاء الدین حسن کی تاج پوشی کی خوشی میں بھیجے ہوئے تھے
 منہ نقیبوں میں غم و اور گلوں کی جگہ سونے چاندی کے سٹے جو ہر کر بے سائے جا رہے
 تھے، مٹھائی کی گولیاں برس رہی تھیں، قرب و خواجہ کے حکمران اور امارتوں کے وفور سے
 گلبرگ میں حاضر تھے، عیش و عشرت کا اتنا سامان پٹیا تھا کہ ہتھکڑی کے دل میں بھی
 سہمی تھی جیسے بار بار کوئی یہ پوچھتا تھا: کیا "زندگی وہ ہے جو تو نے اختیار کی ہے
 یا یہ جو اس پاس نظر آ رہی ہے؟" اس نے کچھ کرنا شکایتی منہ کے نام کا درد کیا اور

شیطانی خیالات سے بچھا بھڑا لیا۔

سلطان قطب الدین کی مسجد میں رہ تاج پوشی کی ادائیگی سے پہلے ساعتوں
 س انتخاب میں کشمکش ہو گئی، ہندو منجموں اور ستاروں نے اس رسم کے لئے جو ساعت
 مقرر کی تھی امیر ان سہ میں سے دو امیر صدر الشریف سمہ قندی اور امیر محمد بخشی کو
 اس سے اختلاف تھا۔ یہ دونوں امیر خود بھی اعلیٰ درجے کے منجم تھے۔ علاء الدین حسن
 کا رجحان ہندو منجموں کی طرف تھا۔

امیر علانی نے ہتھکڑی سے پوچھا: "کیا تمہیں بھی یہ معلوم آتا ہے؟"
 ہتھکڑی نے جواب دیا: "مگر ترک حکومت کی تعلیم دینا ہے تاج پوشی کی نہیں؟"
 امیر علانی سینے کو لپکھا: "اگر تجھے پوچھا جائے کہ ہندو اور مسلمان منجموں
 میں سے کون زیادہ لائق اعتبار ہے تو تو کس کی تائید کرے گا؟"
 "ہندو منجموں کی!" ہتھکڑی نے جواب دیا۔

اس دوران علاء الدین حسن کے سر پر ہندو منجموں کی بتائی ہوئی ساعت میں
 تاج رکھ دیا گیا اور نئے سلطان نے اپنا اولاد شاہی فرماں کے لئے یہ طے کیا کہ کس
 بندہ حضرت بھائی علاء الدین حسن کا ٹوکے سہنی۔

مسلمان امرا کو اس سے اختلاف ہوا، وہ گانگوئے سہنی کا مطلب سمجھا جاتا
 تھے۔ سلطان نے لوگوں کو بتایا کہ جب ہم غریب تھے تو ہم نے گانگوہر میں کسے پاس
 ملازمت کی تھی اس برہمن نے یہ پیش گوئی کی تھی کہ ہم ایک دن ایک دن حکمران ہو جائیں
 گے اس وقت اس نے ہم سے یہ وعدہ لیا تھا کہ اگر اسکی پیش گوئی پوری اترے تو
 یادگار کے طور پر اس کا نام بھی ہمارے نام میں شامل کر لیا جائے آج ہم نے اپنا وہ
 وعدہ پورا کر دیا، اب ہمارے دلی سے ہرگز خزانہ کا حکمہ اسے سپرد کر دیں گے۔

مسلمان امرا اور منہ جیب سپورے۔ امیر علانی خوفزدہ تھا کہ کہیں ہندو
 منجموں کی مقررہ ساعت نئے سلطان کو نقصان نہ پہنچا جائے اس نے صدر الشریف
 سر قندی سے پوچھا: اگر سلطان تمہاری بتائی ساعت میں تاج پہنتا تو اس
 کے کیا اثرات ہوتے؟

اس نے اس انفسا کو سلطان حسن میں بھی رہا تھا۔ صدر الشریف
 نے جواب دیا: "اگر سلطان ہمارے بتائی ہوئی ساعتوں میں تاج پہنتا تو اس کے
 خاندان میں سات سو سال تک حکومت رہتی اور تقریباً ایک سو پچاس

افراد حکمرانی کرتے لیکن اب سلطان کے خاندان میں دو سو سال سے بھی کم مدت تک حکمران رہے گی اور میں سے زیادہ بادشاہ اس خاندان میں نہ ہوں گے۔
 کس کے لئے یہ ساری باتیں نہایت عجیب و غریب تھیں، یہ لوگ اپنے علم کے ذریعے کہاں تک پہنچ چکے ہیں یہ احساس باعث رشک تھا۔
 امیر علانی نے سمجھے ہی سمجھے ادب سے سلطان حسن بہمنی کو مبارکباد پیش کی اور اسے ماضی کی ایک اور بات یاد دلانی اُس نے کہا: "شاء سلطان کو یہ بات یاد نہ رہی کہ کن کی یہ حکومت اس کو کس شخص نے عطا کی ہے۔ سلطان اس کی زبوں حالی کے دلوں میں جب ایک دن حضرت محبوب الہی نظام الدین اولیاء کی خدمت میں پہنچا تھا تو اسے خود کو اچھی طرح یاد ہے کہ حضرت محبوب الہی نے رومی کا ایک شعر پڑھا دیتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا تھا کہ ہم سے کن کی سلطنت بخش رہے ہیں۔ ہندو بھی تو حکومت کی پیش گوئی کرتے ہیں اور مسلمان فقر اور حکومت عطا کر دیتے ہیں۔"
 اس یاد دہانی پر سلطان کی فطرت عقیدت سے گردن ٹھک گئی حضرت محبوب الہی کا وصال ہو چکا تھا، سلطان نے ان کی روح کو ایصالِ ثواب بھیجئے کئے گئے پانچ سو سوا اور وہ من چاندی غراب میں تقسیم کئے تاکہ فرماں جاری کر دیا۔
 یہ سب کچھ دیکھ کر دنیائے ہند پر ہلکا ہلکا سا غم پڑا اور دیکھ کر دیکھ کر شکایہ منی نے پالیا تھا تو پھر یہ کیا ہے کہ نظام الدین نامی ایک مسلمان فقیر نے فقیرانہ انداز میں علاء الدین بہمنی کو بہت پیچھے ہی دیکھ کر حکومت بخش دی تھی۔ لوہو مذہب کی زبوں حالی اور کم سہمی اور مسلمانوں کی حکومت، برتری اور اسلام کی پورے ہندوستان پر سایہ پرستری۔ بھکشو نے سوچا کہ آخر دنیا اور اس دنیا کی شکل کتنی عجیب ہو جائیگی ساری دلچسپیاں، سارے ہنگامے ساری رونقیں ختم ہو جائیں گی، یہاں تک کہ لوہو بھکشوؤں کو کوئی بھدک دینے والا بھی نہ رہ جائے گا۔
 بھکشو کی فکر اور خیالات میں انقلاب آئے لگا دینا کے ہنگامہ اور رونق دینے اس کو نفع کرنا شروع کر دیا، شاید اس نے پہلی بار ذرا آزادی سے سوچا تھا، دوسرے مذاہب اور ان کے بانان کے بارے میں سوچا اور اس نتیجے پر پہنچا کہ صداقت کسی ایک مذہب یا بان یا مذہب کے پاس نہیں ہو سکتی یہ کہیں اور بھی ہو سکتی ہے۔ مسلمانوں کا نظام الدین درجو ولی میں رہتا تھا، وہ کوئی معمولی آدمی نہیں معلوم ہوتا، پھر وہ نہیں کیوں اور کس طرح چٹا کا خیال لگایا، اس کا زہد شکن شباب عالم تصور میں کچھ اس طرح

ل و دماغ پر جا یا کہ باقی تمام خیالات اور افکار کل بھاگے بھکشتو نے سوچا جب تو تم دنیا کے مصائب اور آلام سے نجات پانے کے لئے قانون کی ریاضت شروع کی تھی تو پھر یہ جسمانی کمزوری نے غالب اکثر شہزادے سدھا رکھ کر یہ باور کر دیا تھا کہ جسم کا مطالبہ ہے اسے پورا رکھنے بغیر مقصد حاصل نہیں کیا جاسکتا، بھکشو نے سوچا کہ بچپن ہی تو ہماری جسمانی ضرورت ہے، مرد اور عورت کیوں پیدا ہوئے ہیں؟ ان کے اعضاء مختلفوں اختلاف کیا ہیں یہ نہیں بتا کر دلوں ایک دوسرے کے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔ بھکشو نے یہ بھی سوچا کہ جس طرح کھانے سے منہ منور کر زنا حاصل نہیں کیا سکتا، اسی طرح عورت کو نظر انداز کر کے کیا ان دھیان کے لئے یکسوئی اور اطمینان بھی نہیں حاصل کیا جاسکتا۔ فوراً ہی دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ اسے سکون قلب کے خا مبر علانی سے چٹا کو مانگ لینا چاہیے۔ اسے یقین تھا کہ امیر لکھنؤ نہ کرے گا اس نے ناگلا کا خیال آیا۔ بس یہ خیال دردمن بن گیا۔ اس نے سوچا کہ جس طرح وہ خود سوچ رہا ہے اور فکر کے جس نتیجے پر پہنچا ہے کیا مزہ می ہے کہ ناگلا بھی اس کی ہم خیال ہو جائے۔ وہ کچھ مایوس سا ہو گیا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ ناگلا سستی سے اس کے جدید زیادت اور افکار مسترد کر دے گی اور اسے کیا سے نفرت ہو جائے گی۔ اس انجھن سے اس نے سمجھا چھڑا کہ اگر دست ناگلا کو کچھ بتائے گی ضرورت ہی نہیں ہے کسی مناسب وقت پر لاکھ اور عملی اقدام سے سب کچھ تیار دیا جائے گا۔
 بھکشو شکستہ دل سے قہر مٹا کر ناہو اجاب امیر علانی کے کہے میں داخل ہوا، اسی وقت دوسری طرف سے ناگلا بھی آگئی دلوں کی نظیریں آپس میں جھکائیں بھکشو کے مائے غیبت میں لرزش برپا ہو گئی اور وہ میں آکر اس وقت واپس ہو جائے گا اسے دیکھتی ہی رہ گئی۔ بھکشو نظیریں ملاتے پھر رہا تھا، سرسری نظر سے ناگلا دیکھتا اور فوراً ہی آنکھیں جھکا لیتا۔ دلوں کا ناقابل بیان اور شکوک کیفیات کو امیر علانی کی آنکھ کی کرشمہ گردنیا تھا۔ آج اسے اس بات کا یقین ہو چلا تھا کہ ناگلا اور بھکشو کی بات چٹا نے جو کچھ کہا تھا اس میں صداقت ہے۔
 بھکشو امیر علانی کو نظر انداز کر کے ناگلا کی طرف بڑھا اور اسے حکم دیا کہ ناگلا! اس وقت تم واپس جاؤ، مجھے میرے کچھ کمزوری باتیں کرنا ہیں! "
 ناگلا نے کوئی جواب نہ دیا اور اس حکم کی اس طرح تعمیل کی کہ امیر علانی اور شک ہوئے لگا۔

جب ناگلا واپس چلا گیا تو بھکشو نے امیر غلامی کا رنج کیا، امیر سخت ابرو
تھکا سے بھکشو سے شدید نفرت ہو گئی تھی امیر نے اس سے بیٹھے تنگ کو نہ کہا
بھکشو اس کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ امیر نے دل لفظ کو چھپاتے ہوئے بھکشو کو مخاطب
کیا: "جب تجریات سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ آدمی جو کی زندگی نہیں گزارا
اور عورت مرد کی لادہ اور بنیادی ضرورت ہے تو اس جنم پر اس کشتی کو پیٹنے کا
فائدہ، جس ریاکاری سے سخت نفرت ہے!"

بھکشو نے امیر کی بات کا کوئی اثر نہ لیا، مرد دلچسپ میں لولا امیر اترے
کہا دوست ہے اس وقت میں تم سے کچھ خاص باتیں کرنے کے آیا ہوں!"
امیر نے کشتی ہوئی ناگ کی نوک کو مہلاتے ہوئے کہا: "کہو کیا کہنا ہے؟"
بھکشو نے کہا: "مجھے یہ بتاؤ کہ سلطان کی رسم تاج پوشی کے موقع پر جس نظام
الدین کا ذکر آیا تھا وہ کون سا ہے؟"

امیر نے مختصر لفظوں میں نظام الدین اولیا کی بابت بتا دیا۔
بھکشو نے پوچھا: "کیا یہ بات بھی درست ہے کہ نظام الدین نے نئے سلطان
دکن کی حکومت بہت پہلے بخش دی تھی؟"

امیر نے اعتنائی سے جواب دیا: "ہاں یہ بالکل سچ بات ہے، مگر کون سا
دن؟ ہم بھی اس بارگاہ سے کچھ لینے گئے تھے لیکن حضرت محبوب اپنی نے یہیں نظر انداز کر
علاء الدین حسن کو دکن کی سلطنت بخش دی تھی!"
بھکشو کسی سوچ میں پڑ گیا۔ اس کے چہرے پر تجسس اور تذبذب کے آثار
صاف ظاہر ہو رہے تھے۔ امیر غلامی اسے کچھ کی کوشش کر رہا تھا۔

کچھ سکوت کے بعد بھکشو نے کہا: "امیر! میں کچھ انھوں میں گھر گیا اگر ہو
تو تم ان کا کوئی علاج بتاؤ!"
امیر کوئی سوال کرنے کے بجائے صرف صورت دیکھتا رہا۔

نروان بھکشو نے خود ہی کہنا شروع کیا وہ ٹوٹا سے نکل کر میں نے جو کچھ
اس نے میرے آباء کی عقائد اور خیالات کو بلا کر رکھ دیا ہے اب مجھے یہ نہیں ہونے
ہے کہ میں غلط راہ پر چل رہا ہوں آخر اسے نروان کا حاصل کیا ہو سکتا ہے جو غلط
کے خلاف جنگ کر کے حاصل کیا جائے، یہ تو ایک ایسا راستہ ہے جس پر سے کوئی گز
ہی نہیں سکتا جس شے کا نام گناہ ہے وہ بھی سے ہوتے ہیں ان سے کون بچ سکتا ہے

در شکل یہ ہے کہ ہمارے یہاں توبہ اور پراستیت و کفار سے، جیسی چیزیں بھی نہیں ہیں
جب گناہ اور زندگی لازم و ملزوم ہیں اور توبہ اور پراستیت کوئی چیز نہیں تو گویا ہم
اس طرح بار بار جنم لیتے رہیں گے اور جنم کا یہ چکر اس وقت تک قائم رہے گا
جب تک یہ دنیا قائم ہے پھر نروان کیا ہے اسے کیونکر حاصل کیا جاسکتا ہے! اور
بہر وقت تمام انکسار کچھ کہنا ہے یہ سب ڈھونگ۔ ڈھونگ۔ لیچا اور لامعنی
نفاذ ہیں اب میں مزید ان عقائد پر نہیں قائم رہ سکتا!"

امیر غلامی اسے اشتغال اور غصے پر قائم نہیں رہ سکا اسے بھکشو کی باتوں
پر بیسی آنے لگی، نروان نروان نروان!! اس لفظ کی بار بار تکرار نے اسے پریشان
کر دیا تھا، اس نے بھکشو سے پوچھا: "یہ نروان کیا ہوتی ہے؟"

بھکشو شرمزدہ ہنسی ہنس دیا کولا سے سکون اڑی اور جنم کے چکر سے نجات
کو ہم نروان کہتے ہیں۔ شاکہ منی سے ہمیں یہ بتایا ہے کہ نروان حاصل کر کے آدمی بد بھجنا
ہے اور بد بھ ہو جاتا ہے پھر نروان کیوں کے شعلہ اور اس کے اسباب و علل کا پورا
نروان حاصل ہو جاتا ہے اور یہ نروان اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتا جب
تک آدمی کرم و عمل کے چار اصولوں کو غلام نہ بنائے، نیک کام، نیک ارادے، نیک
خیالات اور نیک گفتگو اور نیکی کی یہ چاروں راہیں اپنی دشوار گزار سنگلاخ یا خاردار
ہیں کہ شادی کوئی انسان انہیں طے کر کے اپنی شکل راہیں اور توبہ اور کفار سے کے
سہارے مفقود پھر کوئی کس طرح ان سے صحیح سلامت گزر سکتا ہے اور شاکہ منی یہ
کہتا ہے کہ جب تک انسان ان سے صحیح سلامت نہیں گزرے گا، بار بار اپنی راہ سے
گا، بار بار جنم لیتا رہے گا!"

امیر غلامی ہنسنے لگا، بھکشو کے خیالات اور عقائد کا گورکھ دھندا اس کی سمجھ میں
نہ آیا، بولا: "زندگی اور دنیا اتنی پیچیدہ نہیں ہے جتنی تو نے بتا دی ہے، زندگی لی ہے
تو اس کی نعمتوں اور لذتوں سے ہمیں لطف اندوز بھی ہونا چاہیے، ہمیں تو بس یہی
میدھ سادہ فلسفہ آتا ہے!"

اب بھکشو نے وہ بات کہہ دی جس پر فوراً ہی امیر کو یقین نہ آیا۔ بھکشو نے
کہا: "امیر! میں مسلمان ہونا چاہتا ہوں!"
"کیا؟ کیا کہا تم نے؟" غلامی چونک کر بے اختیار بولا۔
بھکشو نے نرمی سے کہا: "میں مسلمان ہونا چاہتا ہوں!"

امیر علانی لنگڑے پن کی وجہ سے خود تو چل نہ سکتا تھا فولادی مسہری پر گھوم کر
تالی بجائی۔ ایک خواجہ برہما چڑھ ہو گیا۔ امیر نے اسے کہا: "امیر صدیق الشریف سر قند
کو بلاؤ یہ بھکشو مسلمان ہونا چاہتا ہے وہ اسے مسلمان کر لیں۔"
بھکشو نے منع کر دیا، بولا: "میں اسی آستانے پر بیٹھ کر اسلام قبول کروں گا۔"
جہاں تہہ دارے نے سلطان جن پہنچ کر دکن کی حکومت بخشی تھی۔
علانی نے افسوس سے کہا: "افسوس کہ وہ دہلی نہیں جاسکتے، وہاں ظالم محمد تغلق
کی حکومت ہے ہم سب کو وہ باغی سمجھتا ہے وہ ہمیں ہاتھ پائی قتل کرا دے گا!"
بھکشو نے کہا: "تب پھر مجھے کسی کے ذریعے بچھڑا دو!"

امیر علانی نے کہا: "تم نے زندگی میں بڑے بڑے گناہ کئے ہیں تم چاہتے ہو کہ
مسلمان کر کے کا تو اب خود حاصل کریں شاید اس طرح گناہوں کا پورا پورا جھنجھوٹا ہوا جاسکے۔"
بھکشو نے جواب دیا: "اگر یہ بات ہے تو تم ایک معمولی زائر کا جیس بدل کر
دہلی چلو!"

امیر سلطان محمد تغلق سے بہت خوفزدہ تھا۔ بولا: "نہیں ہم دہلی نہیں چل سکتے
بھکشو نے بالوسی سے کہا: "اور میں کسی عام مسلمان کے ہاتھ سے اسلام نہیں
قبول کر سکتا۔"

امیر علانی نے غصے سے کہا: "ایک بڑے ثواب سے محروم ہوا جا رہا ہے
جس کا اسے دکھ ہو رہا تھا۔ کچھ سوچ کر امیر نے کہا: "بھکشو! اگر تم نہیں دہلی سے
بھی بڑے آستانے پر لے چلیں تو؟"
بھکشو نے پوچھا: "وہ کہاں ہے؟"

علانی نے جواب دیا: "اجیر جہاں ہندو شان کا سب سے بڑا روہانی بادشاہ
آرام کر رہا ہے نظام الدین سے بھی بڑا۔ اس کے بعد خواجہ معین الدین چشتی کی زندگی
اور کرامتوں کی بات بھکشو کو اتنا کچھ بتا دیا کہ وہ اجیر جانے پر رضامند ہو گیا۔

بالآخر دونوں میں یہ طے پا گیا کہ وہ دونوں بھکشوؤں کے لباس میں اجیر
جائیں گے اور وہاں چشتی سجادہ نشین کے ہاتھوں پر اسلام قبول کر لیں گے۔ امیر تغلق
امرا اور حکام سے کہنے کے لئے خود بھی بودھ بھکشوئیں کراہیں میں داخل ہونا چاہتا
تھا اور اسلام قبول کرنے کی فریضہ خود بھی ادا کرنا چاہتا تھا۔

امیر علانی نے فقر واپس پہنچ کر اپنی عدم موجودگی کے وقفے کا ضروری انتظام
کر لیا۔ اس نے اپنے اس نیک منصوبے کا کسی پر اظہار نہ کیا۔ کیونکہ بھکشو نے اسے یقین بھی
دلا تھا کہ ناگلا کو کچھ بتائے بغیر ساتھ لے جانا جائے اور اجیر پہنچ کر اسے بھی مسلمان
کر لیا جائے اور وہیں امیر کے ساتھ اس کی رسم کاج ادا کی جائے۔ امیر کو ان باتوں
پر بڑی خوشی حاصل ہو رہی تھی اس کے ذریعے دو بھکشوؤں کا اسلام قبول کر لینا یقیناً
اپنے بڑے ثواب کا حامل ہو گا۔ اس نے سارے گناہ دھل جائیں گے۔

امیر نے خلوص سے اپنے پیش کش کی۔ کہا: "کمپا! کیا یہ درست ہے کہ ہمیں
چند ماہی بختی ہے؟"

بھکشو نے پھر کیا بولا: "ہاں لیکن میں امیر کی حرم کا احترام کرتا ہوں!"
امیر نے کہا: "جب تم مسلمان ہو جاؤ گے تو ہم تمہیں چند اکو بخش دیں گے۔"
بھکشو نے بہت سے کہا: "امیر کی ہمرانی۔ میں امیر کا یوں ہی بہت زیادہ
احسان مند ہوں۔"

اس کے بعد نہایت حکمت سے چند کو بھکشو کے حبس میں بھیج دیا گیا۔
بھکشو اسے دیکھتے ہی احترام سے کھڑا ہو گیا۔ اب بھکشو کے چہرے پر کچھ رونق آگئی تھی۔
بھکشو نے شالستی سے کہا: "چیت! چیت! چیت!"

چند نے پوچھا: "کیا تم لوگ کہیں جاتے والے ہو؟"

"ہاں! بھکشو نے کہا: "جائے سے پہلے میں تم سے معافی مانگنا چاہتا ہوں!"

"کس بات کی معافی؟" چند نے کہا: "چند دن کے تھکے پر مل پڑ گئے۔"

"میں نے تمہاری بارشہاری دل آزاری کی ہے! وہ کہنے لگا: "یہ احساس بار بار
دل کو تار تار رہتا ہے۔"

چند نے بھی بھکشو سے چھڑ رہا ہے، جھلک کر بولی: "تم ضرور پاگل ہو گئے ہو،
کیسی دل آزاری؟ یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟"

بھکشو کے چہرے پر پہلی بار مسکراہٹ نمودار ہوئی، بولا: "مجھے تم سے محبت
ہو گئی ہے تم مجھے بہت اچھی لگتی ہو۔"

چند نے تو دنگ رہ گئی اس صارت پر۔ ایسا لگا جیسے بھکشو اپنے ہوش
میں نہیں ہے، سرزنش کرتی ہوئی بولی: "تم اپنے ہوش میں تو ہو، تو کہیں جھنگ تو نہیں
پڑ گئے۔"

بھکشو نے کہا: "چیت! میں بالکل اپنے ہوش میں ہوں، میں نے کوئی جھنگ

دنگ نہیں ملی تھی، میرے مجھے خود ہی پیش کش کر دی ہے کہ اگر مجھے تم واقعی اچھی لگتی ہو تو وہ نہیں مسئلہ حوالے کر دیں گے۔“
چند لمحوں کے اس میں ضرور امیر کی کوئی سازش تھی ہے۔ شاید اس طرح وہ جنہا کے عائد کردہ الزامات کی تائید خود بمشکو کی زبان سے کرا چکا ہے اور اس اعتراف اور تائید کے بعد بمشکو کو جو بشر ہو سکتا تھا اس کے تصور ہی سے وہ کانپ گئی۔ بولی۔ ”ناگلا کا کیا ہے شکار؟“

بمشکو کو آس ہو گیا۔ بولا۔ ”اسکی تم فکر نہ کرو، وہ میرا معاملہ ہے، میں جانوں اور ناگلا جانے آ۔“

چند لمحوں کے ڈانٹ پلائی بولی۔ ”تم کو توڑے جیسے رستم نکلے کہاں تو دنیا اور عورت سے اتنے بے نیاز تھے کہ ان سے بھاگے بھاگے پھر تے تھے اور خود کو کفنی میں چھپا رکھا تھا اور کہاں اب یہ ادا دے ہیں کہ ایک ہی وقت میں دو عورتوں سے بیاہ رہا ہے برا ماؤہ! پھر واپس جاتی ہوئی بولی۔ ”تیرا یہ خیال خام ہے کہ امیر تجھے بخوبی بخش دیں گے، اگر انہوں نے ایسا کرنا بھی چاہا تو ان حالات میں میں خود انکار کر دوں گی۔ مجھ کو جسے مردوں کی شکل والے انسان کو کون عورت پسند کرے گی؟ جس سے باہر نکل کر بہت سے کہا۔ وہ جذبہ اور وہ وقت ہی بچھا اور تھا جب میں نے تجھ سے کچھ چاہا تھا، وقت گیا، بات گئی۔“

ضروری سامان سفر لے کر تینوں جمیر روانہ ہو گئے۔ امیر علانی، کلبا اور ناگلا کو مریدستان میں معلوم تھا کہ اس کا یہ سفر مہاتما بدھ کی زیارت کا ہوں پر حاضری دینے کی غرض سے کیا جا رہا تھا، جب راتے میں امیر علانی نے انہا کو اس آثار کو بمشکوؤں کی کفنی میں چھپا دیا تو ناگلا کو یہ شبہ گزرا کہ شاید امیر علانی بدھ دھرم اختیار کر کے ولا ہے اس خیال سے اسے بہت خوشی ہوئی۔

بمشکو نے امیر علانی سے یہ درخواست کی تھی کہ ناگلا کو مغالطے میں نہ رکھنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ امیر ترک منہجے سینچے اسے بدھ زیارت کا ہوں میں بھیجا دیا جائے اس طرح دل سے تھوڑے اونٹنے جان موہیوں کی محبت اور احترام کو باسانی نکالا جاسکے گا۔ انہوں نے دولت آباد پہنچ کر مشعلوں کی روشنی میں ایلوار کے غاروں کی عبادت گاہیں اور دور تہاں دیکھیں پھر اجنٹا کا رخ کیا، سہاڑے دامن میں بہت بلند پر اجنٹا پہنچنے کے لئے انہیں بہت سے پتھروں کو چھلانگنا پڑا۔ جب تینوں وہاں

پہنچ گئے تو امیر علانی نے بمشکو سے پوچھا۔ ”بھلا ان دشوار گزار حصوں میں یہ عبادت گاہیں کیوں بنائی گئیں یہاں بمشکو کو عام انسانوں کا پہنچنا ہی دشوار ہے۔“
بمشکو مسکرایا۔ ”وہ بہت خوش تھا بولا۔“ بدھ گہائیوں نے اسی لئے تو اس دشوار گزار مقام کو اپنے گیان دھیان کے لئے منتخب کیا تھا کہ یہ جگہ شوق و شغب اور ہنگاموں کی دنیا سے بہت دور ہے اور یہاں وہ لوگ نہایت سکون اور الجھنا سے عبادت کر سکتے تھے۔“

پہاڑ کے نیچے سے نالے کے زور و شور سے بہنے کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ ایک سو تیس قبل مسیح اور ساتویں عیسوی صدی کے درمیانی صدیوں پر

بھلا ہوا انسانی ذہن زادوں کا یہ کام زائرین کے دلوں پر بہت بھائے بغیر نہ رہتا تھا، تینوں دیر تک غار کے مندروں اور خانقاہوں میں ٹھہرتے رہے، مندروں سے ملے ہوئی خانقاہیں چھوٹے چھوٹے جروں کی شکل میں جال کی طرح پھیلی ہوئی تھیں ان جروں میں بستی کی جگہ ایک ایک پتھر رکھا ہوا تھا۔ والوں کے خاتے رہن نگار بدھ یہ خانقاہیں اور جگہ سے ہوتے تھے شاکیہ مینی کی ایک بڑی مورت ضرور موجود تھی آخر میں گوتم بدھ کی ایک بڑی مورت ملی، اس مورت کے آس پاس بدھ کے پرچارا و تاروں کی مورتیں تھیں، یہاں کے شتولوں اور چھتوں کو رنگین نقیروں اور کارٹونوں سے لیس دیا گیا تھا۔

ناگلا پر جذباتی دباؤ سے رقت طاری ہو گئی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے، کلبا بمشکو بھی کچھ کم متاثر نہ تھا اسکی آنکھیں بھی بھسک گئیں اور دونوں گوشوں سے آنسو بہنے لگے، بیسیا کھیں کے سہارے چلنے والا علانی غار کے مندر مندر کی محبت اور زبانت سے متاثر ہو کر اٹھ کھڑا تھا، اس عزت نگاہ کا تقدس اسے ذرا بھی متاثر نہ کر سکا، اسے تو یہاں وحشت سی ضرور ہی تھی، کیونکہ وہ جس مذہب کا پیرو تھا اس میں عدم تشدد اور تشدد ترک دنیا اور دنیا داری غصا اور انقام مسالحتہ مسالحتہ چلنے تھے۔

لے شاعر مورتوں کے پتھروں میں شاکیہ مینی جسے پر زرواں کی طہانیت لئے بیٹھا ہوا تھا، ناگلا اس کے قدموں میں گر کر بمشکو کو کلبا بھی اسکی پیروی کی اور مہاتما بدھ کے قدموں میں بھسک گیا، امیر علانی نے آس پاس دیکھا دوسرے بہت سے زائر بمشکو بھی اسی طرح جھکے ہوئے تھے، خود علانی ان کے دکھاوے کے لئے بھی نہ جھک سکا۔

ناگلا اور کیا بھکشو دیر تک سر بسجود رہے، علانی حیران تھا کہ یہ بھکشو تو اسلام قبول کرنے والا ہے پھر یہ کیوں رو رہا ہے یہ بدھ کو مسجد دے کیوں کر رہا ہے؟

جب یہ لوگ وہاں سے نکل کر باہر آئے تو امیر علانی نے سرگوشی میں بھکشو کو پوچھا کہ جب تم اسلام قبول کرنے کا عندیہ کر چکے ہو تب پھر تم نے گوتم کی مورتی کو سجدہ کیوں کیا، کیونکہ اسلام میں کسی غیر اللہ کو سجدہ حرام ہے۔ بھکشو نے جواب دیا: ابھی میں نے اسلام قبول نہیں کیا، ارادہ کیا ہے اور میرے اس ارادے کی خبر تمہارے سوا کسی کو بھی نہیں، ناگلا اور دوسرے بہت سے بھکشوؤں کی نظر میں وہاں میں بودھ ہی تھا اور وہاں مجھے وہی کچھ کرنا تھا جو دوسرے بودھ اور بھکشو کر رہے تھے۔

علانی اس جواب سے مطمئن ہو گیا۔ بھکشو کے چکر کرکب اور ذہیت چھائی ہوئی تھی۔ علانی کو خیال گزر آیا کہ ابانی دین کو چھوڑتے ہوئے بھکشو کے تشیعہ ذہنی کرکب اور ذہیت کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔

تینوں گجرات کی راہ سے راجستھان میں داخل ہوئے اور کئی دن کی جدوجہد میں جھیل کا جہیر پہنچ گئے۔ سانہوں نے لوگوں کی نظروں سے بچنے کے لئے سرائے میں قیام کیا اور لوگوں نے بھی انہیں بودھ بھکشو سمجھ کر نظر انداز کر دیا۔

اجیر میں بھکشو کی طبیعت خراب ہو گئی۔ وہ کسی طبیب یا وید کو دکھانے کے لئے آبادی میں چلا گیا اور کھڑکی دیر بعد وہاں سے نکلے اور اس آگے حضرت خواجہ کے مزار پر حاضر رہنے سے پہلے بھکشو نے ناگلا کے سامنے اپنے منصوبے کا اعلان کر دیا، سامنے امیر علانی اس مسرت سے بہکنا رہ گیا ہوا تھا کہ کچھ ہی وقت جاتا ہے جب وہ بودھ اسلام قبول کر کے اس کے ماضی کے گناہوں کو دھو ڈالیں گے۔

ناگلا کی ایک تجویز پر اچھل پڑی اور سختی سے اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا بودھ بھکشو دیر تک اپنے دھرم کی جڑائیاں اس کے سامنے بیان کرتا رہا اور اسلام کی ذمہ داریاں بیان کیں ناگلا پر ان کا کوئی اثر نہ ہوا۔ بھکشو اسے سمجھانے کے لئے ایک طرف لے جاتا ہوا امیر علانی سے بولا: امیر! تم نہ کرنا کرو، میں اسے الگ لے جا کر سمجھانے کی کوشش کروں گا۔

امیر کا دل دھک دھک کرنے لگا، اس نے سوچا کہ اگر ناگلا نے اسلام قبول نہ کیا تو اسے کتنا نقصان اٹھانا پڑے گا، ایک تو یہ کہ وہ اچھے ثواب سے محروم ہو جائے گا، دوسرے یہ کہ ناگلا اس سے جدا ہو جائے گی کیونکہ اجیر میں وہ بالکل مجبور اور بے دست و پا تھا۔ اس نے بھکشو سے غائبانہ کہا: کیا تم کسی بھی طرح اسے آمادہ کر لو، یہ مشکل کام تم ہی انجام دے سکتے ہو۔

بھکشو نے امیر کو تسلی دی، بولا، امیر! تم زیادہ فکر نہ کرو، مجھے یقین ہے کہ اس نادان اور ناجائز کی کو ضرور راضی کر لوں گا۔

بھکشو ناگلا کو لے کر دوسری طرف چلا گیا۔ دیر بعد جب واپس آیا تو دونوں ہی چپ چپ تھے۔ بھکشو نے نظر جراتے ہوئے آہستہ سے دلی سے کہا: کچھ راست پر گئی ہے، ایک دو دن میں کچھ اور آجائے گی، ہمیں ذرا میرے کام لینا پڑے گا۔ امیر علانی نے خوش ہو کر کہا: ایک دو دن کیا، ہم ہفتہ عشرہ صبر کر سکتے ہیں جس کام کی تم نے ذمہ داری قبول کی ہے اسے پورا کرنا ہی پڑے گا نہیں!۔

بھکشو نے تائید میں گردن ہلا دی، آہستہ سے کہا: تم کچھ صبر اور ارادے کا پورا پورا خیال ہے اور میں جب تک کامیاب نہ ہوں گا کھانا پینا، سونا جاکنا کچھ پر حرام ہے!۔

رات کے چھپے سہرا امیر علانی نے محسوس کیا کہ بھکشو نے صبر و شکیں بدل رہا ہے اور ناگلا سوچتی ہے، امیر نے آہستہ سے آواز دی: کیا!، کیا جاگ رہے ہو؟ ہاں! بھکشو نے جواب دیا: میں بہت پریشان ہوں، دعا کرو کہ میں اپنے چند دن کامیاب ہو جاؤں!۔

امیر نے تسلی دی: زیادہ فکر نہ کرو کوشش جاری رکھو، خدا تمہیں مایوس نہ کرے گا۔

صبح امیر کی آنکھ دیر سے کھلی، چپ جاگتا تو دونوں لاتیتے تھے۔ امیر پریشان ہو گیا کچھ دیر بعد بھکشو اندر داخل ہوا، وہ بھی بہت پریشان دکھائی دیتا تھا اس کا چہرہ غم سے ستکتا تھا۔

امیر نے گھبرا کر پوچھا: کیا بات ہے کیا، تم پریشان کیوں، ناگلا کہاں ہے؟ بھکشو نے غمزدہ آواز میں جواب دیا: امیر! یہی سوال مجھے دوسرا دن سے پریشان کر رہا ہے، جب میں سو کر اٹھا تو ناگلا غائب تھی میں نے اسے ادھر ادھر تلاش کیا، اس کے ایک آدمی نے یہ بتایا کہ اس نے اس بھکشو عورت کو کچھ بھی شریک

پر جاتے دیکھا ہے!"

امیر نے صحنے سے پوچھا "پیدل تنہا یا کسی کے ساتھ؟"

"گھوڑے پر!۔۔۔" بھکشو نے جواب دیا "تنہا۔۔۔ وہ شاید مسلمان ہونے کو تیار نہیں ہے۔ اسی لئے چوری سے فرار ہو گئی ہے۔"

لنگڑے امیر نے اٹھنے کی کوشش کی۔ ہم اس کا ہتھکاڑے لگے، بھکشو سفر کی تیاری کرو، ہم لوگ ٹھکانا یا حالات اور مشکلات کے آگے بٹھیا کر آنا نہیں جانتے، ہم اس کا پیچھا کریں گے!"

جلدی جلدی پانی کی چٹ چٹا گئیں اور کھانے کا سامان لے کر دونوں گھوڑوں کے پاس پہنچ گئے، بھکشو نے اپنی دوانی کی بوتلی بھی ساتھ لے لی۔ بھکشو کی مدد سے امیر گھوڑے پر سوار ہوا۔ دوسرے گھوڑے پر بھکشو بٹھ گیا اور پھر دونوں گھوڑوں کو تیز رفتاری سے دوڑاتے ہوئے شمال مغرب کی طرف روانہ ہو گئے۔ راستے میں کئی جگہ مسافروں نے بھکشو عورت کے جانے کی سہکت کی نشاندہی کی انہوں نے ایک بھکشو عورت کو تنہا راولی پہاڑیوں کے سلسلے کو عبور کرتے دیکھا تھا یہ دونوں اس کے تعاقب میں سسلہ راولی کو عبور کر کے دیباہے لیوٹی (ساہجر تھیل) کے پاس کھڑے ہوئے۔ بھکشو نے اپنے لیے وہ جنوب مغرب سے آکر راجستھان کے صحرائیں غائب ہو گئی تھیں۔

یوٹی کے کنارے امیر نے اپنا گھوڑا روک لیا اور بھکشو سے کہنے لگا۔ ایک دھڑکے میں "آگے بھاڑو!"

امیر کی نظریں حق و حق، مسلوں پھیلے ہوئے صحرائے رجمی ہوئی تھیں۔ بھکشو نے ریت میں گھوڑے کے سموں کے نشانات دیکھ لئے، انہی طرف اشارہ کرتا ہوا بولا "ناگلا آگے گئی ہے وہ رہا جس کے گھوڑے کے سموں کے نشانات ہم اس کا پیچھا کریں گے!"

امیر نے دھڑکے کو چپے چپے دے کر اڑ لگا دی۔

ان دونوں کے سامنے حد نظر تک پتھر کا رگستان پھیلا ہوا تھا۔ چند گھنٹوں کے بعد ان کے گھوڑے تھک سکے اور ان کی رفتار میں کمی پیدا ہو گئی، انسانی رشتہائی کر دیتے تھے، ان کے پاس پاس اور سامنے چالیس چالیس، پچاس فٹ بلند ریت کے ٹودے کھڑے ہوئے تھے۔

بھکشو نے امیر عالی کے چہرے پر سستی اور شکست کے آثار جو دیکھ تو کہنے لگا "امیر! میں ناگلا کو پکڑے بغیر واپس نہیں جاسکتا، اگر تمہاری ہمت جواب

دے رہی ہے تو تم واپس جاسکتے ہو!"

امیر کو شرم آئی بولا "ہمارا تو کام ہی چہا دو جدال ہے ہم مہم جوئی سے نہیں بھاڑنے آگے بڑھو!"

ریت کے گرم گرم ذرات جسم کے عریاں حصوں کو جھلسا دے رہے تھے۔ ایک جگہ انہیں کسی گھوڑے کے ہنسنے کی آواز سنائی دی انہوں نے

سناں سے زبانیں نکالے اور نکلان سے نڈھال گھوڑوں کا رخ ادھر کر دیا۔ اب

گھوڑوں کی رفتار بالکل ختم ہو چکی تھی، اور وہ ہر قدم پر گھوڑا رستے سے گھوڑوں کی ٹانگیں بار بار ریت میں ڈھنسن جاتی تھیں۔ کچھ دو پہل کر ایک ٹودے کے

پچھے انہیں ناگلا کا کھلا گھوڑا مل گیا، گھوڑا پاس سے نڈھال زبان نکالے رہا تھا اور غصے میں بار بار سر ہلک رہا تھا۔ یہ دونوں گھوڑے کے قریب پہنچ گئے اور ناگلا کو ادھر ادھر نظروں سے تلاش کرنے لگے۔

کچھ دیر بعد ناگلا کی آواز بھی سنائی دی، اور ناگلا آواز "کیا! ادھر آؤ، میں یہاں ہوں!"

دونوں آواز کی طرف بڑھے، ناگلا ایک ٹودے کے ڈھلان پر نیم جان پڑی رہا تھا۔

بھکشو اس کے قریب پہنچ کر گھوڑے سے اتر پڑا۔

امیر نے کہا "کیا! جلدی واپس چلنے کی کوشش کرو، اس صحرائیں زیادہ

دیر رکنا خطرناک ہے!"

بھکشو نے لاپرواہی سے کہا "امیر! پانی کی کر ذرا دیر میں چلتے ہیں، گھوڑے سے اتھر کر ذرا تم بھی اس خدی لڑکی کو بچھاؤ کہ یہاں کے ساتھ واپس چلے گئے!"

اس کے بعد وہ ایک تھکا ہل لے کر ناگلا کے گھوڑے کی طرف چل دیا، کہنے لگا "ناگلا کے گھوڑے کو تھوڑا سا پانی ملا دوں! اس کے بغیر وہ چلے گا کیسے؟"

امیر نے اپنا گھوڑا ناگلا کے قریب کھڑا کر کے نیچے جھکا کھلا دیا، وہ ریت پر بھیس سے "دھنسن گیا۔ اس کی کٹلی ہوئی ٹانگ کی لوک ناگلا کی ران میں جھک گئی، وہ

ٹھکی کر کے ایک طرف سرک گئی گرم چلتی پھکتی ریت نے امیر کو بولکھلا دیا۔ اس نے جلدی جلدی ناگلا سے کہا "ناگلا! یہاں سے جلد واپس چلو، تم کو کوئی کسی قسم کا بھی جبر نہ کرے گا، تمہیں اپنے ذاتی معاملات اور عقائد میں پوری آزادی حاصل ہوگی!"

ناگلا نے اوٹھتے ہوئے کہا "اب میں واپس نہیں جاؤں گی!"

ڈرا دیر بعد ہکھشو بھی کھڑے ہو کر پانی پلا کر واپس آگیا اور اس نے لقمہ
 چھانکوں کا پانی اپنے گھڑوں کو پلا دیا۔ امیر نے پریشان ہو کر کہا، "کیا اس
 پانی اپنے لئے بھی تو رکھ لو؟"

کوئی جواب دینے لگا، ہکھشو دونوں گھڑوں کو پانی پلاتا رہا۔
 اتنے میں کسی بھاری چیز کے ریت پر گر گئی آواز سنائی دی۔ ناگلا کا گھڑا
 ریت پر ڈھیر ہو چکا تھا۔

امیر کی وحشت بڑھتی جا رہی تھی جھک کر لوچھا "اسکیا ہوگا ہے؟"
 ہکھشوں نے اطمینان سے جواب دیا "ویر تک پیاسے رہ کر پانی پیاسے اس
 کے اثر سے گر گیا ہے؟"

امیر نے پھر کہا "میں بھی پیاس لگ رہی ہے!"
 ہکھشوں نے ایک چھال امیر کی طرف بڑھا دی، امیر غصے سے ڈھیر سارا
 پانی پی گیا، اس کے بعد بولا "کیا اسکیا ہوگا ہے؟" اب کسی طرح جلدی سے ناگلا کو ہمارے
 گھڑے پر سوار کر دو اور اس کے پیچھے ہمیں بھاگ کر دو بھی اپنے گھڑے پر سوار
 ہو جاؤ، اب یہاں مزید ٹھہرنا خطرناک ہے!"

لیکن انہی لمحے کے بعد دگرے دونوں گھڑے ریت پر گر گئے۔ فرط مایوسی
 میں امیر کے منہ سے چیخ نکلی۔ بولا "یہ سب کیا ہو رہا ہے ہکھشو، ہمارے
 گھڑے بھی گر گئے اب کیا ہوگا؟"

ہکھشوں نے دم توڑتی ناگلا کا بڑی زبردستی لیا، حالات کے شدید مضبوط
 کی انتہا اور زندگی سے مایوسی نے جذبہ رفاقت کو بھی فنا کر کے رکھ دیا تھا ایک
 بار وہ پھر ہلایا "کیا؟" اب کیا ہوگا؟

ہکھشوں نے اطمینان سے جواب دیا "اب ہم لوگ جہیز رہیں گے ناگلا کے
 ساتھ ہم دونوں بچ رہیں رہیں گے!"

امیر کی سمجھ میں نہ آیا کہ ہکھشو کیا کہہ رہا ہے لیکن ہکھشوں نے اسے
 زیادہ پریشان نہیں کیا کہنے لگا۔

"امیر! اب جو کچھ تم بیٹوں یہاں سے واپس نہیں جاسکتے اور کچھ بعد
 دیگرے مہاجریں گے اس لئے مرنے سے پہلے کچھ ضروری باتیں تیرے علم میں آئی ہیں
 تو سن سب رہے گا، اس کے بعد جب لوٹ سسک سسک کر مرے گا میرے جذبہ
 انتقام کو سکون ملے گا، میری آتما شانت ہوگی!"

امیر نے کفنی کے اندر سے نچر نکالا کیونکہ خطے کی لو محسوس ہونے لگی تھی۔
 ہکھشوں نے منہ سے ہونے کہا "خیر کوئی ضرورت نہیں، ہم اس کے بغیر بھی
 سکتے ہیں، خیر کے بغیر بھی مہاجریں گے، پہلے میری کچھ باتیں سن لو، کیونکہ ان کا ہمارے
 علم میں آنا بہت ضروری ہے!"

امیر نے جیسی سے ہکھشو کی صورت دیکھنے لگا، بولا "کہو، کیا کہنا چاہتے ہو؟"
 ہکھشوں نے ناگلا کے بالوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا "ناگلا میری بہن ہے
 حقیقی بہن اور وہ بوڑھا جیسے لوٹنے اپنے رتھ تلے کچل کر ہلاک کر دیا تھا ہم دونوں
 کا باپ تھا!"

امیر کا جسم سنسنے لگا، آنکھوں تلے اندھیرا سا اٹھ گیا۔
 ہکھشو کی رک کر کہنے لگا، جب لوٹنے ناگلا کو اغوا اور میکے باپ کو ہلاک
 کیا تھا، میں ولویا کے مندر میں تھا، جب مجھے تیرے ظلم کی خبر ملی تھی میں نے اسی
 وقت یہ عہد کر لیا تھا کہ میں تجھ سے کوئی سخت انتقام لوں گا، پھر جب تو خود اپنی
 ضرورت سے ولویا پہنچا تو مجھے تیری قربت کا ایک بہترین موقع ہاتھ آ گیا۔

ہکھشو پیاس سے مدھال ہو رہا تھا لیکن اس نے پانی نہیں پیا اور ہستہ
 آہستہ اپنی بات جاری رکھی۔

"شاک مٹی نے نہیں عدم تشدد کا درس دیا ہے لیکن میں تجھے تشدد سے
 مارنا چاہتا تھا صرف اس لئے کہ اس طرح میں تجھ سے تیرے ظلم کا انتقام لینے کے ساتھ
 ساتھ بہت سے انسانوں کو تیرے قتل سے نجات دلا دوں گا!"

امیر نے مردہ سی آواز میں سوال کیا "اور وہ تیرا اسلام قبول کرنے کا
 عہدہ؟ وہ کیا تھا؟"

ہکھشوں نے کہا "ہاں اب اسکی حقیقت بھی سن لے تیرے پیچھے تیری جیندا
 نے مجھ پر ڈورے ڈالے اور مجھے گناہگار بنا کر چاہا لیکن میں تو کر قہر سے فراہم ہو گیا
 اور مدلوں پہاڑوں کی پہاڑیوں میں گیاں دھیان میں مشغول رہ کر شاک مٹی
 سے اشتعال طلب کرتا رہا۔ وہاں مجھے شاک مٹی نے ظاہر ہو کر یہ ہدایت کی کہ میں
 قہر میں واپس جاؤں اور غشی نصیحت کے آتش مند رہے کہ وہ غشی نفس کا امتحان
 دوں میں نے یہ بھی کیا، پھر جب میں نے لگا کر میں نظام الدینؒ کی کرامت کا ذکر
 سنا اور وہاں کے دناوی شان و شکوہ اور ہنگاموں نے مجھے مغلوب کر لیا تو میں
 پرجہ اس پر آمادہ ہو گیا تھا اور میں مسلمان ہو جاؤں لیکن ایورہ، اجنڈا کی

بھکشو نے بھک کر اس کے کرلو پسہ دیا، پھر وہ کھلی حسرت ناک آنکھوں کو جو سننے لگا
چند آنسو ٹپک کرنا گلا کے رخساروں پر ڈھلک گئے، ایسا لگا تھا جیسے خود ناگلا
رو رہی ہو۔

بھکشو نے ناگلا کا سر ہٹا کر خود کو آزا دکھا اور دونوں ہاتھوں سے
جلتی جیتی ریت کو ایک طرف ہٹانا شروع کر دیا۔

امیر گھٹتا ہوا بھکشو کے سر پر پڑ گیا اور پوری قوت سے اپنا انحر اس کے
پہلو میں آنا دیا، صحرا میں ایک جج بلسٹ بیٹھ بیٹھ اور بھکشو کے جسم سے خون کا
فوارہ جاری ہو گیا، وہ اونٹن سے تیز ریت پر گر گیا، دونوں ہاتھ اس طرح کانٹوں
کے آس پاس ریت پر رک گئے، جیسے بھکشو سجدہ کر رہا ہو۔

خواس باخت خنوں کا شکار امیر بھکشو کی اس کیفیت سے بہت غرض
ہوا، معلوم نہیں کس نے اس سے کان میں یہ بات کہہ دی کہ "بھکشو مسلمان
ہو چکا ہے اور وہ منہ کے بل رٹا ہوا رب کہہ کر سجدہ کر رہا ہے۔"

امیر یا گلوں کی طرح خوش ہو کر بٹسا اور چھینے لگا "خدا یا! ہم نے
اس بھکشو کو اسلام کی حمایت میں قتل کیا ہے اگر آپ اس نے دل میں اسلام قبول
کر لیا ہے تو اس کا ریکر کے ثواب کا یہ بٹہ عا جو پورا پورا مستحق ہے اسے
بخروم نہ کیجیو!"

اس کے بعد امیر گھٹتا ہوا وہ گھوڑوں کے پاس پہنچا اور ان کی اسٹین
خود کو چھپانے کی کوشش کی، جیسے جیسے وقت گزرتا گیا موت کے خوف، صحرا کے
ہول اور پیاس کی شدت نے اسے سخت نزع کی کیفیت میں مبتلا رکھا، پھر
غصہ کی طاری ہوئی، غیبت غلبہ کرنے لگی، اس نے آخری بار جب آنکھ کھولی
تو رات ہو چکی تھی گرگٹ اور دو سکر صحرائی کٹرے آزادی سے اس کے
آس پاس جمع گردن اٹھائے دیکھ رہے تھے پھر کوئی گرگٹ اس کے سروں سے
ٹپک آیا، امیر کو نیم درجہ بڑی میں ایسا لگا، جیسے صحرائی سانپ نے اسے ڈس لیا
ہو پھر کہتے آہستہ آہستہ زہر چڑھتا ہوا تھو سوس ہوا اور پھر اس زہر نے
اس کا کام تمام کر دیا۔



زیارت گاہوں نے دل پر کچھ اور ہی اثر کیا یہاں تک کہ جب میں شاکہ بی بی کی اس موت
کے سامنے بھکنا جس کے چہرے سے زوانی کیفیت عیاں تھی، میں نے آنکھیں بند کر لیں
ہو کے شاکہ بی بی کو اپنے زور و گھڑے دیکھا، انھوں نے مجھے اسلام کو قبول کرنے سے منع کر رہا
تھا، وہ بہت دھمی تھا، شاکہ بی بی نے مجھے یہ بات بھی بتائی کہ بی بی میں شاکہ بی بی نے مجھے
نفر واپس جانے کی ہدایت کی تھی وہ مارا دے شیطان انھیں مارا، مجھے گرا کر ناچا تھا تھا
اور پھر اسی مارا کے گھبرائے میں جہاں تاجپوشی کے موقع پر مجھے پوری طرح مغلوب کر لیا،
شاکہ بی بی کے زہر اور آرزو کی بریں مسلمان ہونے سے باز آ گیا اور اس کے بعد اس
نے یہ عہد کر لیا کہ تم جو میرے مارے کسی طرح نہ نہیں، میں نے ہاتھوں پلاک کئے
جاؤ گے میں نے اپنے منصوبے سے ناگلا کو بھی مطلع کر دیا تھا، اور یہ جو کچھ ہوا ایک
سوچے سمجھے منصوبے کے ماتحت ہوا ہے۔"

امیر کا سب کچھ چھین چکا تھا، گھر وطن، ملنے والا ثواب اور ناگلا، ہر طرف سے ہائوس
ہونے کے بعد زندگی کے آخری لمحات میں اسلام کی حمایت اور نجات ہی کو ثواب کی حصول پانی
کا ذریعہ بنایا، کہنے لگا "او ذلیل بھکشو! موت برحق ہے، مسلمان موت سے نہیں ڈرتے
لیکن چند باتیں یہاں بھی سنے لے جس شاکہ بی بی کے بیوے نے مجھے نفس کے خلاف جہاد
کرنے کی تلقین کی تھی وہ مارا، انھیں حقیقتاً شاکہ بی بی ہی تھا لیکن جس شاکہ بی بی نے مجھے
البتہ کے خدایں مجھے دین اسلام کو قبول کرنے سے منع کیا وہ شاکہ بی بی کے دوپ میں
شیطان رہا ہوگا، کیونکہ شیطان ہمیشہ انسان کو گمراہ کرنے کی کوششیں کرتا رہتا ہے۔"
بھکشو زور سے قہقہہ مار کر نہیں دیا، بلکہ "تو آزاد ہو جوتی میں آئے سوچ،"

پھر بہت بر بڑے ہوئے گھوڑوں کی طرف اشارہ کرتا ہوا بولا "انہیں میں نے زہر ملا
پانی پلا کر ملا کر دیا ہے تاکہ تو کسی طرح بھی یہاں سے واپس نہ جا سکے۔ ناگلا دم زہر
رہی ہے تھوڑی دیر بعد یہ بھی مر جائے گی، تو قریب رکھی ہوئی چھ اگل کو موت سے راکر
بھکشو بھی پانی پیئے گا، پانی پی چکے کے بعد گلا میں سے مڈپا چھٹتا ہوا بولا تیری تمھارے
کے سوا سب میں زہر ملا دیا گیا تھا، اور اس باتی میں بھی جیسے میں نے پی لیا ہے، ناگلا کے
ساتھ میں بھی جا رہا ہوں، ہم دونوں ایک بار گھر جمنے لیں گے، نہیں اس تشدد اور پاپ
کی وجہ سے ایک بار پھر اس دنیا میں آنا پڑے گا کوئی پروا نہیں، تھوڑی دیر بعد
ہمارے پیچھے تو بھی مر جائے گا، اس کا شہ تو اپنے اگلے جنم میں کس بودھ بھکرانے میں پیدا
ہو، ناگلا پاپ اور غلے سے بچا رہے!"

ناگلا نے ایک پلٹے سے چھینے سے گردن ڈال دی، سب ایک طرف ڈھلک گیا۔